بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

ستمبر 2020

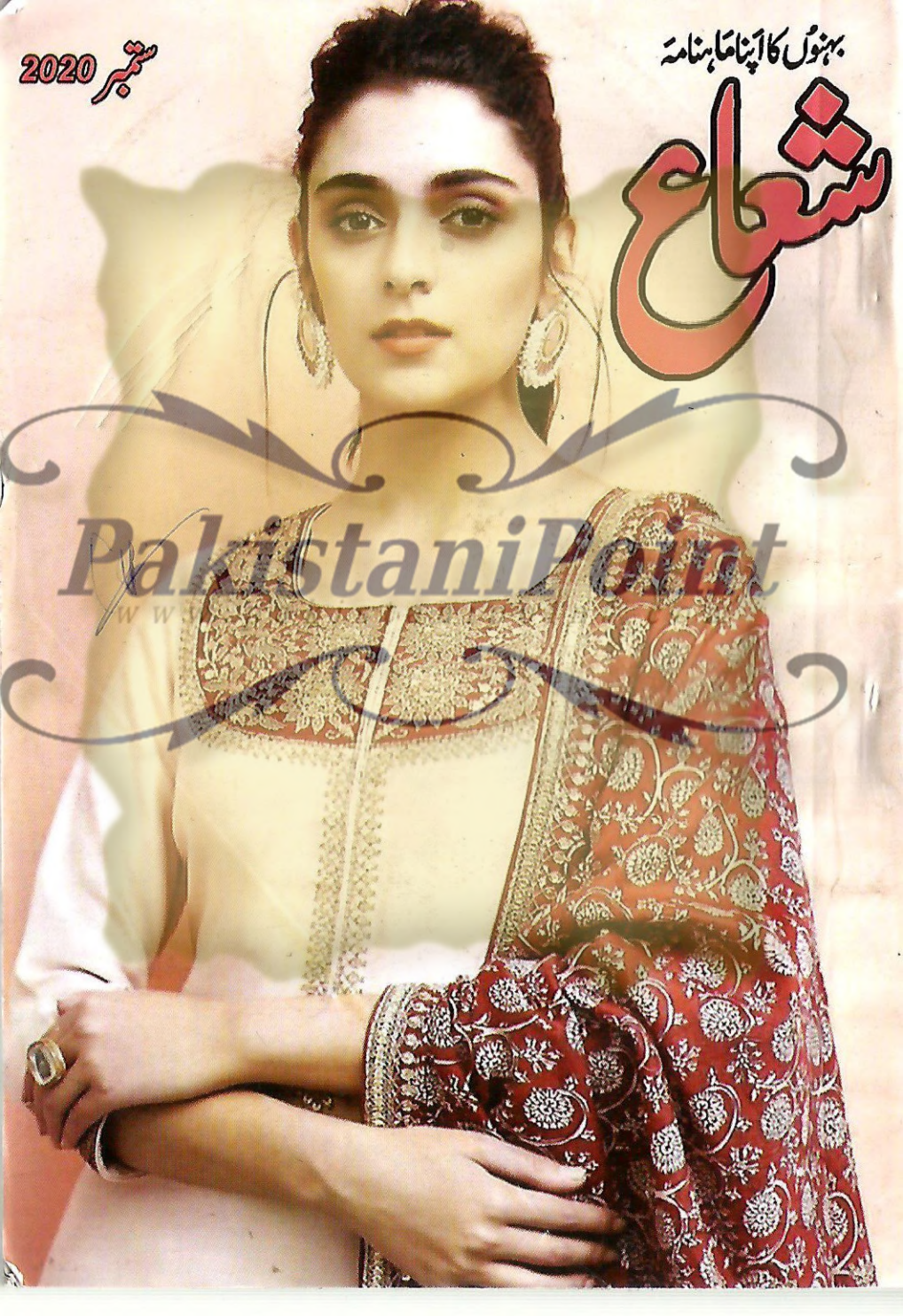

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 8

حمد، نسرین نکہت سبزواری 9

نعت، بہزاد لکھنوی 9

نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 10

انٹرویو

بیٹھ کر سیر دو جہاں کرنا، آمنہ زرین 14

جب تجھ سے پایا، ص۔ح 17

جب تجھ سے نانا، ش۔خ 21

شعاع کے ساتھ، ادارہ 253

ناول

شام کی حویلی میں، رخسانہ نگار عدنان 36

مکمل ناول

سفر، ماریہ نواز 194

چھاؤں جیسے لوگ، شفق افتخار 128

ناولٹ

وہ نازنین، فرح بخاری 100

خلش، عائشہ نصیر احمد 68

افسانے

رشتے ہیں انمول، زرقا سکندر 60

فسانۂ دل زار، جویریہ مریم 65

بھاگ بھری، حمیرا عروش 93

بھائی صاحب، شازیہ الطاف 96

تربیت، راؤ سمیرا ایاز 183

نظمیں غزلیں

غزل، راحت اندوری 240

نظم، مجید امجد 240

غزل، پابلو نرودا 241

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... -/840 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ .... -/7000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۔ -/8000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

ستمبر 2020
جلد 35 شمارہ 01
قیمت 70 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

0317 2266944

www.pakistanipoint.com

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	23	تاریخ کے جھروکے	امتہ الصبور	250
مسکراہٹیں	ادارہ	246	آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	248
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	242	موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	256
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	245	خوبصورت بنیے	ادارہ	258

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا -

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

رضیہ جمیل

پہلی شعاع

شعاع ستمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں

نئے اسلامی سال کا آغاز ہو چکا ہے

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ یہ سال رحمتوں اور برکتوں کا سال ہو۔ ہمارے ملک میں امن، استحکام اور خوش حالی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی وباؤں اور قدرتی آفتوں سے دنیا کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ حرمت اور احترام والا مہینہ ہے۔ مؤرخین کے مطابق اسلام سے قبل انسانی تاریخ کے اہم ترین واقعات محرم الحرام کے مہینے میں ہی وقوع پذیر ہوئے۔ اسی لیے اسلام سے قبل کفار مکہ بھی اس مہینہ کی حرمت اور احترام ملحوظ رکھتے تھے اور اس مہینہ میں جنگ و جدل اور لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔

اسلامی تاریخ کے دو اہم ترین واقعات بھی محرم الحرام کے مہینے میں پیش آئے۔

یکم محرم الحرام کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ آپؓ کو نماز میں سجدے کی حالت میں شہید کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں مراد رسول کہا جاتا ہے۔

دس محرم الحرام کو وہ اندوہ ناک سانحہ وقوع پذیر ہوا جو اسلامی تاریخ کا انتہائی خونچکاں باب ہے جس کو یاد کر کے قیامت تک مسلمانوں کی آنکھیں نم اور دل رنجور رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی سیدہ فاطمۃ الزہرا کے نور نظر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خاندان کو کربلا کے میدان میں نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا۔

آپ نے دین حق کی سربلندی اور بادشاہت کی مخالفت کے لیے حق کا علم بلند کیا اور جام شہادت نوش کر کے رہتی دنیا تک کے لیے عزم، ہمت، حوصلہ، شجاعت اور بہادری کی مثال رقم کر دی۔ آپؓ کے اہل خاندان کو آپ کی آنکھوں کے سامنے شہید کیا گیا لیکن راہ حق میں آپؓ کے قدم نہیں لڑکھڑائے۔

گنتی کے چند ساتھیوں کے ساتھ آپؓ یزیدی سپاہ کے لاکھوں کے لشکر کے سامنے ثابت قدم رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے لیے سبق ہے کہ کثرت حق کی علامت نہیں ہے، باطل کے پیروکار خواہ کتنی ہی بڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں، اہل ایمان حق کی راہ پر قائم رہتے ہیں اور ہمیشہ حق کا علم بلند رکھتے ہیں۔

اس شمارے میں

- ☆ شفق افتخار کا مکمل ناول...... چھاؤں جیسے لوگ۔
- ☆ ماریہ نواز کا مکمل ناول...... سفر۔
- ☆ فرح بخاری اور عائشہ نصیر احمد کے ناولٹ۔
- ☆ زرقا سکندر، جویریہ مریم، حمیرا عروش، شازیہ الطاف اور راؤ سمیرا ایاز کے افسانے۔
- ☆ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے...... قارئین کے تجربات۔
- ☆ خط آپ کے...... آپ کے دلچسپ تبصرے اور ہمارے جواب۔
- ☆ تاریخ کے جھروکوں سے، باتوں سے خوشبو آئے، آئینہ خانے میں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا، ہمیں خط ضرور لکھیے گا، آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے۔

Waqar Azeem www.pakistanpoint.com

حمد باری تعالیٰ

ترے کرم سے ہی قائم ہے زندگی کا چمن
ہر اک جمال کا تیرا ہی عکس پیرہن

ترے خیال سے رنگینیاں زمانے میں
تیرے ہی ذکر سے رعنائیاں فسانے میں

ہر ایک رنگ میں تیرا کمال ہے ہر سُو
ہر اک کلی میں، ہر اک پھول میں ہے تُو ہی تُو

ترے بغیر میں خود سے بھی آشنا نہ رہوں
کہوں تو تیرے سوا کس سے دل کی بات کہوں

جزا سزا کا تعین نہیں یہاں مقصود
ہے اس کے واسطے اک اور آسماں موجود

نسرین نکہت سبزواری

نعت رسول مقبولؐ

مدینے کو جائیں یہ جی چاہتا ہے
مقدّر بنائیں یہ جی چاہتا ہے

مدینے کے آقاؐ دو عالم کے مولا
تیرے پاس آئیں یہ جی چاہتا ہے

جہاں دونوں عالم ہیں محوِ تمنّا
وہاں سر جھکائیں، یہ جی چاہتا ہے

محمدؐ کی باتیں، محمدؐ کی سیرت
سُنیں اور سنائیں یہ جی چاہتا ہے

درِ پاک کے سامنے دل کو تھامے
کریں ہم دُعائیں یہ جی چاہتا ہے

پہنچ جائیں بہزاد جب ہم مدینے
تو خود کو نہ پائیں یہ جی چاہتا ہے

بہزاد لکھنوی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

گمان کے مطابق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔'' میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق (اس سے معاملہ کرتا) ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں ان سے بہتر (فرشتوں کی) جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔''

فوائد و مسائل:۔

1۔ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔

2۔ حسن ظن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نیک اعمال کیے جائیں اور ان کی قبولیت کی امید رکھی جائے۔ گناہوں سے توبہ کی جائے اور بخشش کی امید رکھی جائے۔ گناہوں کے راستے پر بھاگتے چلے جانا اور اللہ کی رحمت کی امید رکھنا نادانی ہے۔

3۔ اس میں بالواسطہ عمل کی تلقین ہے کیونکہ عمل کے بغیر ثواب کی امید نہیں رکھی جاسکتی، لہٰذا اچھے عمل کرنے والا ہی اللہ سے اچھی امید رکھ سکتا ہے۔ برے عمل کرنے والا بری امید ہی رکھ سکتا ہے۔

4۔ جماعت میں ذکر کرنے سے مراد خود ساختہ اجتماعی ذکر نہیں۔ بلکہ یا تو یہ مراد ہے کہ جیسے نماز کے بعد سب لوگ اپنے اپنے طور پر مسنون دعائیں اور اذکار پڑھتے ہیں یا اللہ کی رحمتوں، نعمتوں اور اس کے احکام وغیرہ کا ذکر ہے، یعنی ایک شخص بیان کرے اور دوسرے سنتے رہیں۔

نیکی کا بڑھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''آدم کے بیٹے کا ہر عمل (ثواب میں) بڑھتا ہے۔ (یعنی) ایک نیکی دس گناہ سے سات سو گنا تک بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' سوائے روزے کے۔ کیونکہ وہ (خالص) میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی فضیلت

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (لاحول والاقوۃ والا باللہ) پڑھتے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ) کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کا پتا نہ دوں؟'' میں نے کہا۔ ''جی ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کہا کہ (لاحول والاقوۃ الا باللہ)'' اللہ کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچاؤ ہوسکتا ہے اور نہ نیکی طاقت ہے۔''

فوائد و مسائل:

1۔ یہ جملہ اللہ کے ذکر میں اہم جملہ ہے۔ کیونکہ اس میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہر قوت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔

2۔ اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کے ساتھ

www.paksociety.com

ساتھ اس کے سامنے عاجزی اور مسکینی کا اظہار ہے اور عبودیت کا یہ اظہار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

3۔ نیکی کا کام انجام دے کر یا گناہ سے اجتناب کر کے دل میں فخر کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ''نیکی برباد گناہ لازم'' کی کیفیت پیش آسکتی ہے۔ اس سے بچاؤ کے لیے اس بات کی یاد دہانی کی ضرورت ہے کہ یہ سب میری کوشش اور بہادری سے نہیں۔ بلکہ محض اللہ کی توفیق اور اس کے احسان سے ہے۔

4۔ اس سوچ کے ساتھ یہ الفاظ پڑھنے سے یقیناً جنت کی عظیم نعمتیں اور بلند درجات حاصل ہوں گے۔ ''اس لیے اسے ''جنت کا خزانہ'' قرار دیا گیا ہے۔

5۔ اللہ کا ذکر سری طور پر کرنا بہتر ہے، کیونکہ اس میں ریاکاری نہیں ہوتی، البتہ جن مقامات پر ذکر بلند آواز سے کرنا مسنون ہے۔ وہاں بلند آواز ہی سے کرنا چاہیے۔

جنت کا خزانہ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

''کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کا پتا نہ دوں؟'' میں نے کہا ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا۔ (لاحول والاقوۃ الا باللہ)۔''

خالہ کا درجہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''خالہ، ماں کے مرتبے میں ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

فوائد و مسائل:

1۔ خالہ بھانجے کی وارث ہے نہ بھانجا خالہ کا، ہم خالہ کے ساتھ ادب و احترام اور حسن سلوک کا معاملہ اسی طرح کرنے کا حکم ہے جس طرح ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہے۔

2۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح حدیبیہ کے اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے لیے تشریف لائے تو واپسی پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی آگئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسے گھر لے گئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''اسے اپنے ساتھ رکھو'' اب زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ ہمارا حق زیادہ ہے کہ اسے اپنے ساتھ رکھیں۔'' یہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھتیجی تھی اور سیدنا علی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد تھی، البتہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی اس بچی کی خالہ تھیں۔ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کیونکہ جس طرح خالہ تربیت کر سکتی ہے، اس طرح کوئی اور نہیں کر سکتا۔

برکت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنی اہلیہ) حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

''کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے۔ میرا خیال ہے وہ بھوک کی وجہ سے ہے، کیا تیرے پاس (کھانے پینے کی) کوئی چیز ہے؟''

انہوں نے کہا۔ ''ہاں۔'' پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنا دوپٹا لپیٹا اور اس کے ایک کنارے میں روٹیاں لپیٹیں اور میرے (یعنی حضرت انس کے) کپڑے کے نیچے چھپا دیں اور اس دوپٹے کا کچھ حصہ میرے جسم پر لپیٹ دیا۔ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے نبی کو مسجد میں تشریف فرما پایا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''کیا تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟''

''میں نے کہا۔ ''جی ہاں۔''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا۔ ''کیا کھانے کے لیے؟''

www.pakistanipoint.com

میں نے کہا۔ ''جی ہاں۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ساتھیوں سے) فرمایا۔ ''اٹھو۔''

چنانچہ وہ سب چلے اور میں ان کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ میں حضرت ابوطلحہ کے پاس پہنچ گیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی تو ابوطلحہ نے فرمایا۔

''اے ام سلیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لے آئے ہیں اور ہمارے پاس تو اتنا کھانا نہیں ہے جو ان سب کو کھلا سکیں؟''

انہوں نے کہا۔ ''اللہ کا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔''

''چنانچہ ابوطلحہ (باہر نکل کر) چلے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ آگے بڑھے حتیٰ کہ یہ دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم سے فرمایا۔

''تمہارے پاس جو کچھ ہے، لے آؤ۔''

''چنانچہ انہوں نے وہ روٹیاں پیش کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان روٹیوں کو توڑا گیا اور ام سلیم نے ان پر گھی کی کپی نچوڑ دی جس نے ان کو سالن والا بنا دیا۔ (یعنی چپڑی روٹی سالن کا کام بھی دے گئی)

پھر رسول اللہ علیہ وسلم نے اس میں، جو اللہ نے چاہا، کہا (یعنی خیر و برکت کی دعا فرمائی) اور فرمایا۔

''دس آدمیوں کو (کھانے کی) اجازت دو۔''

''تو ابوطلحہ نے انہیں اجازت دی۔ انہوں نے کھانا کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے، پھر چلے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔

''دس آدمیوں کو اجازت دو۔''

''تو انہوں نے اجازت دی۔

انہوں نے بھی کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے اور نکل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔

''دس آدمیوں کو اجازت دو۔'' ابوطلحہ نے اجازت دی، یہاں تک کہ سب لوگوں نے (دس دس کر کے سیر ہو کر کھانا کھا لیا اور یہ ستر یا اسی آدمی تھے (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ دس آدمی داخل ہوتے نکلتے رہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا جو داخل ہوا اور اس نے سیر ہو کر کھانا نہ کھایا ہو، پھر اس کھانے کو اکٹھا کیا، وہ اسی طرح تھا جیسے کھانے سے پہلے تھا۔

ایک اور روایت میں ہے۔ انہوں نے دس دس آدمیوں کی صورت میں کھانا کھایا یہاں تک کہ 80 آدمیوں نے ایسا کیا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گھر والوں نے کھایا اور (پھر بھی) بچا ہوا کھانا چھوڑا۔

ایک اور روایت میں ہے۔ پھر انہوں نے اتنا کھانا بچایا کہ وہ پڑوسیوں کو بھی پہنچایا۔

حضرت انس ہی سے ایک اور روایت میں ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ساتھیوں سے پوچھا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی کیوں باندھی ہوئی ہے؟''

''تو انہوں نے بتایا۔ بھوک کی وجہ سے۔'' چنانچہ میں حضرت ام سلیم بنت ملحان کے خاوند حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور کہا۔ ''ابا جان! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیٹ پر پٹی باندھے ہوئے دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ساتھیوں سے (اس کی بابت) پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ بھوک کی شدت سے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ میری والدہ کے پاس آئے اور کہا۔ کیا کچھ کھانے کو ہے؟'' انہوں نے کہا۔

''ہاں میرے پاس روٹی کے کچھ ٹکڑے اور چند کھجوریں ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اکیلے تشریف لائیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کر دیں گے اور اگر دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ آئے تو پھر ان کے لیے یہ کم ہو جائے گا۔ اور باقی حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

(1) اس میں بھی وہی چیزیں ہیں جو سابقہ حدیث میں گزری، البتہ اس میں ایک صراحت مزید یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گھر والوں نے کھانا سب کے بعد کھایا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ میزبانوں کو مہمانوں کے بعد کھانا چاہیے اور اسی طرح پیر و مرشد کو بھی اپنے مریدوں کو کھلانے کے بعد کھانا چاہیے۔ لیکن اب ایسے پیر و مرشد کہاں۔

(2) اس میں حضرت انس نے حضرت ابوطلحہ کو ابا جان کہہ کر پکارا، ادب و احترام کے طور پر ایسا کیا، حضرت ابوطلحہ، حضرت انس کے سوتیلے باپ تھے۔ حضرت انس کے والد، مالک بن نضر تھے۔ ان کی والدہ حضرت ام سلیم مسلمان ہوگئیں لیکن مالک نے قبول اسلام کے بجائے شام جانا پسند کیا۔ چنانچہ وہ اپنی مسلمان بیوی کو چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں فوت ہوگئے۔ اس کے بعد ام سلیم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر لیا۔

(3) اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و قناعت بلکہ فقر و فاقہ پر مبنی زندگی کے جو واقعات گزرے ہیں وہ ایسے ہیں کہ آج کل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ وہ حقائق و واقعات ہیں جو نہایت مستند طریقے سے نقل ہوئے ہیں جنہیں افسانے کہہ کر جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

اس کی توجیہہ البتہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ اس وقت کفر و اسلام کا جو معرکہ درپیش تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ لوگ دنیا اور اس کی نعمتوں سے کنارہ کش رہ کر کفر کے استیصال اور غلبہ اسلام کے لیے شب روز مصروف رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر اس گروہ قدوسیہ کے دلوں سے دنیا کی محبت نکال ڈالی اور آخرت کی محبت ڈال دی اور یوں انہوں نے دنیا کے سامنے دنیا سے بے رغبتی کا ایک بے مثال کردار پیش کیا اور اس کی ترویج و اشاعت کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ اگر وہ بھی دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو جاتے تو اسلام کا ابتدا ہی میں وہ حال ہو جاتا جو بعد میں مسلمانوں کی محبت دنیا کی وجہ سے اس کا ہوا۔

آج مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے، مال و دولت کی کثرت ہے۔ آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی ہے اور ہر طرح کے اسباب و وسائل مہیا ہیں لیکن دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہیں، ان کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ دلوں میں آخرت کے بجائے دنیا کی محبت رچ بس گئی ہے جس نے انہیں بزدل بنا دیا اور مجاہدانہ کردار ادا کرنے سے عاری کر دیا ہے۔

عورتوں کو نصیحت

ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے (ایک بار) فرمایا۔

''اے عورتوں کی جماعت! تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے۔''

ان میں ایک ہوشیار عورت بولی۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گے؟''

''آپ نے فرمایا۔ ''تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانشمند شخص پر غالب آجانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

(بخاری و مسلم، ترجمان السنۃ)

نذر

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ نذر دو قسم کی ہے۔ ایک تو وہ نذر جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کے لیے مانی جائے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس لیے یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور دوسری نذر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے لیے کی جائے۔ یہ نذر شیطان کے لیے ہے اور اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس قسم کی نذر کا کفارہ دے جو قسم کا کفارہ دیا جاتا ہے۔

www.paksociety.com

فارسی کہانیاں

ترتیب و ترجمہ: نیر مسعود

تبصرہ: آمنہ زریں

کہانی کا طلسم، ہر عمر اور ہر دور کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ طلسم، پتھر نہیں کرتا۔ اثر رکھتا ہے۔ چلتے دور کی ہر خوبی کو گہنائے ہوئے دیکھنا اور گئے وقت کی کرنوں کو سورج کرنا۔ عمومی طور پر دل پسند انسانی مشغلہ ہے۔ مگر وائے قسمت کہ یہ حال کی بدولت ہے...... جو نظر۔ سماعت اور لمس کی حد میں ہے۔

خود کو کائنات سمجھ لینا اور کائنات کا حصہ سمجھ کر زندگی گزارنے سے زندگی اور اس کے گزارنے والے۔ دونوں کو فرق پڑتا ہے۔

اکیلا ہونا صرف خدا کو زیبا ہے اور اسی لیے کوئی کتنا بھی آدم بے زار ہونے کا دعویٰ کرے۔ اکیلا نہیں رہتا۔

ہر لمحہ جو زندگی کے نام پر رواں دواں ہے۔ کہانی ہے۔

ہر آنکھ جو دیکھتی ہے۔ نکتے کی تصویر بنانے کی اہل ہے۔ مگر وہ نکتہ کہاں سے کیا اٹھاتا ہے اور تصویر کے رنگ کتنے دل پذیر ہیں۔ یہ بھی ایک منفرد صلاحیت ہے جو کہانی کاروں کو ودیعت کی جاتی ہے۔

آج کی جدید دنیا۔ حساس کیمروں اور تکنیکی مہارتوں کے سبب، ہماری منشا سے بے نیاز۔ کانوں کان خبر کیے بغیر۔ راز جاننے اور افشا کر دینے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ مگر...... اس ذہن رسا کو کیا کہیے کہ جس کی ہفت رنگی آج بھی نادر و کمیاب ہے۔

سفر کو وسیلہ ظفر سنتے آئے ہیں اور عمر کے تدریجی مراحل نے یہ سکھایا ہے کہ سفر کے ظاہری اسباب اور وسائل میسر نہ بھی ہوں تو کچھ دیگر ذرائع پھر بھی موجود رہتے ہیں۔ اب یہ آدمی کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کتنی لچک کا حامل ہے۔

تو کہانی کہنے کی کہانی کتنی پرانی ہے؟

یہ تصور کی وہ زقند ہے جو پلک جھپکتے ہی بھری جا سکتی ہے کہ کہانی ہابیل اور قابیل جتنی پرانی ہے۔

کہنے کو مرتی ہوئی ایک قوم کثیر۔ سننے کا وصف بھی کھو بیٹھی ہے اور اسی سے نفسا نفسی برپا ہے۔

خطوں کی عمر۔ روایات اور ان کی منتقلی۔ افراد اور ان کے زمانے پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینا۔ اپنی حقیقت کو جان لینے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

جس خطے کا تعارف۔ جامی، حافظ، فردوسی اور سعدی ہوں اور زبان...... زبان شیریں کہلاتی ہو۔ اس خطے پر قدم رکھنا۔ اور حواس خمسہ کو ان پر گواہ کرنا۔ اگر ہمارے لیے ممکن نہ ہو تو آیئے......

کہانی کے اڑتے ہوئے قالین پر بیٹھتے ہیں۔

پندرہ کہانیوں پر مشتمل فارسی کہانیوں کے ترجمے کی یہ پہلی جلد ہے، جن میں زیادہ تر کا بیانیہ علامتی ہے۔ علامتی طرز بیان کی نوبت کا پیش آنا دراصل خود ایک سوالیہ نشان ہے جو جواب کا سراغ لگانے کی مہمیز فراہم کرتا ہے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن کے لیے براہ راست بیانیہ اختیار نہیں کیا گیا اور وہ کیا حالات ہیں جو علامت کو اظہار بنانے پر مجبور کرتے ہیں۔

مجبور سے جبر کی صدا تو آتی ہے۔ اور جبر کسی بھی نوعیت کا ہو۔ انسانوں کا مسلط کردہ ہو۔ یا تقدیر کا۔ ہر دو صورت میں۔ سینہ سپر رہنا اعلاترین انسانی وصف کی بدولت ہے۔

تو چلتے ہیں پندرہ کہانیوں سے بنے۔ اڑتے ہوئے۔ ایرانی قالین پر۔ جہاں سے ہمیں نظر آنے

والے ہیں۔ایرانی سماج۔رہن سہن۔بول چال۔وہ
کردار۔جوزبان،لباس اور مقام کے لحاظ سے مختلف
ہو سکتے ہیں۔ مگر ضرورت۔ احساس اور غم میں
ہمارے ہی جیسے لگتے ہیں۔

پہلی کہانی ''خواب'' ہے۔

خوابوں سے عموماً سہانے تصور مانوس ہوتے
ہیں۔یا پھر تشنگی۔ناآسودگی اور حسرتیں۔

اس ''خواب'' کا دیکھنے والا مسلسل اپنے
تعاقب میں ہے اور اپنی جان لینے کے در پے۔اور
اپنے ہی قتل کے مقدمے پر سزا کا منتظر۔

مگر حقیقت کی تعبیر۔مسلط زندگی کی صورت
میں۔آموجود ہوتی ہے۔

دوسری کہانی ''ولادت'' ہے۔جسے عام انسانی
فہم معمول کی اطلاع کے طور پر وصول کرتا ہے۔مگر
اس کرب ناک تجربے سے وابستہ ایسے مہیب گھاؤ
بھی ہو سکتے ہیں۔جن کا انت خالی دامن اور خالی کوکھ
پر ہوتا ہو۔ایسے تجربوں کو بیان کرنا بھی۔دشوار
گھاٹیوں سے گزرنے کے برابر ہے۔

تیسری کہانی ''بارش اور آنسو'' ہے۔جس میں
دو عمر رسیدہ دوست ساحل سمندر کی سیر کرتے ہوئے
آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔۔اس دوران آپ کو
ساحل پر موجود سیپیاں،گھونگھے۔۔خالی بوتلیں۔اور
آسمان پر موجود بادلوں کے رنگ دیکھنے کو ملیں گے۔
مگر ساتھ ہی ساتھ۔آپ کی ہمزاد۔روح پر دستک
دیتے کچھ گزرے لمحوں کی داستان سامنے آتی ہے۔
اس کا مرکزی کردار ایک گھوڑا ہے۔

گھوڑے کی محبت۔اور جدائی کے بیچوں بیچ برپا
ہوئی جنگ۔قید اور بے بسی کی تصویر بنے قیدی۔

دونوں دوست جنگ کے جبر سے گزرے
ہوئے تھے۔دونوں نے اپنے پالتو گھوڑوں کو اپنے
سامنے جدا ہوتے دیکھا تھا۔

''تمہارا چہرہ بھیگا ہوا ہے۔روئے ہو؟''

''اس عمر کو پہنچ کر آدمی روتا نہیں۔میں نے کہا
پانی برس رہا ہے''۔

''پنجرے'' ایک ایسی علامتی کہانی ہے جو
روئے زمین پر موجود ہر ذی نفس، ہر ذی شعور پر
منطبق کی جا سکتی ہے۔ایک آفاقی حقیقت کی طرح۔
تخلیق کی صلاحیت ان دیکھے جہانوں سے آتی
ضرور ہے، نمو، اپنے اردگرد سے ہی پاتی ہے۔اس
کہانی میں پرندوں کو کردار کے طور پر پیش کیا گیا
ہے۔جنہیں پر عطا کیے گئے۔ان کا فطری مقصد اڑنا
ہے اور پنجرہ، ان کی حیات کو لاحق وہ جبر ہے جو قید کی
صورت میں ان پر مسلط ہے۔یہ حساس ترین کہانی
پرندوں کی حالت زار دیکھ کر ان کو پنجروں سے
آزادی دلانے والے ایک حساس مگر اولوالعزم
انسان کے بارے میں ہے۔ جس نے اپنی عمر،
دولت پرندوں کی مدد کرنے اور انہیں آزاد کرنے
میں گزار دی۔مگر اس سفر سے واپسی پر۔اسے معلوم
ہوا کہ دائروں کا سفر کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

بابا مقدم کے قلم سے نکلے۔حیات کے اس
ابدی نوحے پر۔سینہ کوبی کی صدا بلند نہیں ہوتی۔نہ ہی
آہوں اور سسکیوں کی آواز آتی ہے۔مگر ایک
احساس۔جو بھونچکا رہ جانے کا گواہ بن جاتا ہے۔

مشینی زندگی سے انسانی شغف اسے فطرت
سے کس طرح دور کرتا ہے اور جدیدیت کا شوق اسے
اپنے اصل درماں سے جدا کر دیتا ہے۔۔اس منفرد
اور کم اہم سمجھے جانے والے حساس موضوع پر جمال
میر صادقی کا قلم اور تخیل یکساں سبک رو ہے کہ آپ
ایک بس۔ جی ہاں۔سواریاں ڈھونے والی بس کو
مسٹر عارفی کا پیچھا کرتے لمحوں کی ہیئت کذائی پر بے
اختیار ہنس پڑتے ہیں۔لیکن حقیقت کے قہر کو لطف
سے بیان کرنا بھی۔نوادرات قلم کا حصہ ہے۔

ایرانی تہذیب کا کینوس وسیع ہے اور قصہ گوئی
اس کی ایک نمائندہ روایت ہے۔علامتی طرز بیان
کے علاوہ بھی کچھ کہانیاں ہیں جو روایتی داستان گوئی
کی طرز پر بیان کی گئی ہیں۔جیسے ''بہائے عشق''،
''روٹھنے والی''، ''مردہ سانپ'' جیسی کہانیاں ہیں۔

بہائے عشق تعلق میں سینڈھ لگنے کی روایتی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کہانی ہے جو اپنے اختصار میں بھی جامع ہے۔
روضے والی ایک ماں کی کہانی ہے۔ جو بیان میں آب رواں کی مانند ہے۔
اور ماں کے دل جیسا گداز رکھتی ہے۔
مصائب، الم سہتی ہوئی ماں کی زبان پر تو کیا۔ دل میں بھی شکوہ نہیں آتا۔ اور یہ آسان کہاں ہے؟
''چم چیچر'' کے عنوان اور آغاز سے اس کی سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اور ویسے بھی زندگی کا یہی چلن ہے۔ کہاں سے کہیں لے جائے۔ کس کو خبر؟
روایتی سخت گیر باپ کے تشدد سے ایک بچے کی کہانی شروع ہوتی ہے اور بچپن کے زخموں سے کھرنڈ اتارنے کے لیے ہر فرد ذاتی انتخاب کا حق رکھتا ہے۔ سو، اس بچے نے دوسروں کو خوف زدہ کرنے کی خوشی کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔
اس کہانی میں خوف کی حقیقت اور نفسیات سے گزرتے ہوئے کردار۔ ایک تیسرے فرد کو دلچسپ تجربے کا موقع دیتے ہیں۔
وہ تیسرا فرد کون ہے؟
قاری!
مسلسل تعاقب اور بلی چوہے کا کھیل کھیلتے ہوئے، خوف دراصل اعصابی جنگ ثابت ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ، بہر حال، خوش دلی سے تسلیم کرنے والی حقیقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔
''بلی کا خون'' بھی علامتی کہانی ہے جو سفاک تسلط اور غیر فطری جبر کا آئینہ ہے، جس میں ایرانی سماج کو درپیش حاکمانہ جبر کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ جبر کی صورت کوئی بھی ہو۔ لوگوں میں بے چینی کا باعث بنتی ہے۔ آزاد خیالی کے متوالوں نے ڈنڈے کے زور پر روشن خیالی کو عام کیا۔ اور بعد میں آنے والی جماعت نے بھی جو درست سمجھا۔ اسے ہر ایک کے لیے مخصوص کر دیا۔
بہر حال، ایرانی سماج میں کیا چل رہا ہے۔ اس کی ایک جھلک دکھلانے کو کہانیاں۔ قاصد ہیں۔
عالمی پابندیوں کے نتیجے میں پیش آنے والی معاشی ناہمواریوں سے، جاری جبر سے، تاریخ اور تہذیب کے سرچشموں کے وارث کس طرح نبٹ رہے ہیں۔ یہ ان ہی کا وصف ہے۔
''آقائے ماضی کے عجائب خواب'' بھی ایک علامتی کہانی ہے۔ بالواسطہ بیان کی گئی کہانی کا مرکزی کردار ماضی ہے۔ عجیب خوابوں کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے۔ یہ منفرد کہانی زندگی کو لاحق ماضی پرستی کی دیمک کی نشاندہی کرتی ہے۔
درخت کو مرکزی کردار بنا کر انسانی زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کرتی ہوئی آخری کہانی ''مرگ'' ہے۔
انسانی زندگی ارتقاء اور بقا کی جدوجہد کا درمیانی وقفہ ہے اور کائناتی حقیقت سب ہی پر منکشف ہو۔ یہ لازم نہیں۔
ہوتا، تو یہ دنیا فانی کیسے قرار پاتی؟
گھر میں باپ اور درخت کی بہ یک وقت موت اپنے پیمانہ میں گہری رمز سموئے ہوئے ہے۔ درخت کی انسانی زندگی میں اہمیت ڈھکی چھپی نہیں اور باپ کی تجہیز سے مماثلت اتفاقیہ بھی نہیں۔ طبیعت پر بار ڈالے بغیر۔ زندگی کے فلسفے کی گتھیاں سلجھانا صاحب علم و ادراک ہی کے قلم کی قدرت ہے۔
فرد کو کہانی سے دلچسپی ازلی ہے۔ کیونکہ اپنی ان کہی کو اکیلے لیے پھرنا۔ کہانی کے بغیر مزید دشوار لگتا ہے۔
تو۔ سماج اور تاریخ کے امتزاج سے بنے قالین پر بیٹھنا کیسا رہا؟
یہ آپ کو بیٹھنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔
☆☆

www.pakistanipoint.com

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021, 32216361

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ص۔ح.....اسلام آباد

ہم پچھلی پانچ پیڑھیوں سے دو دو بہنیں چلی آ رہی ہیں۔ میری امی بھی دو بہنیں تھیں۔ میری نانی بھی۔ میری پرنانی بھی اور میری امی کی پرنانی بھی اور اب میں اور میری چھوٹی بہن۔

پانچوں نسلوں میں روپے پیسے کی، اعلا تعلیم کی اور حسن کی ماشاء اللہ کوئی کمی نہیں رہی۔ صرف تعلیم نہیں، عقل و شعور اور ذہانت بھی اور صرف خوب صورتی ہی نہیں تہذیب اور سلیقہ اور بھی پانچ نسلوں کی ان دس خواتین میں بے مثال ہے۔ ہر دور کی دونوں بہنوں کا ایک دوسرے سے کوئی مقابلہ نہیں رہا۔

ہماری امی خواتین ڈائجسٹ کی اس کے پہلے شمارے سے قاری ہیں۔ ہمیں میٹرک کے بعد اجازت ملی۔ اور اس سے قبل جو ناول لکھے گئے۔ وہ ہمیں کتابی شکل میں منگوا کر دیے گئے۔ اس طرح ہم نے بہت سارے ناول پڑھ لیے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کی طرف بھی ہمارا رجحان ہے اور ہم مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ ہمارا ادبی گھرانہ ہے۔

جب آپ کا یہ سلسلہ شروع ہوا تو خیال آیا کہ ہم بھی شرکت کریں اور بعض اوقات تو ایک ساتھ دو قاریوں کا یہ سلسلہ شائع ہوا ہے تو یہ دیکھ کر اور بھی دل چاہا کہ ہم دونوں بہنیں بھی لکھ کر بھیجیں۔ میں نے تو سوچا تھا۔ اپنی امی اور نانی سے پوچھ کر ان کا احوال بھی آپ کو بھیجوں (ہماری نانی ماشاء اللہ حیات ہیں) مگر اکثر تو مصروفیت آڑے رہی اور پھر جب امی سے پوچھا تو وہ اداس ہو گئیں۔ پھر میں نے بھی اداس ہو کر چھوڑ دیا۔ مگر بہن کے کہنے پر میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ اگر آپ ہم دونوں بہنوں کا بھی ایک ساتھ شائع کر دیں گی تو ہمیں اچھا لگے گا، باقی آپ کے کام کرنے کا جو طریقہ ہے۔

آپ کے ذہن میں سوال اٹھا ہوگا کہ میری امی کیوں اداس ہو گئیں۔ جیسا میں نے بتایا کہ پانچ نسلوں میں دو دو بہنیں چلی آ رہی ہیں جو حسن اور تعلیم۔ ادب اور سلیقے میں ایک دوسرے پہ سبقت لے جاتی ہیں۔ مگر ہماری پانچ نسلوں کی دو دو بہنوں میں ایک اور واضح صفت بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ شادی کے بعد بڑی والی بہن ہر لحاظ سے خوش قسمت رہتی ہے اور دوسری بہن ہر لحاظ سے بدقسمت ثابت ہوتی ہے۔ میری ابھی ایک بیٹی ہے۔

اور اپنے خاندان کا یہ پہلو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں مزید بچے پیدا نہیں کروں گی۔ اور پھر اللہ کے کرم سے میرے دو بیٹے بھی ہو گئے ہیں تو ایسے میں میرا فیصلہ کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں ہے جبکہ میری چھوٹی بہن یہاں بھی مات کھا گئی۔ اس کی شروع میں ہی دو بیٹیاں ہو گئیں۔ آپ بھی دعا کریں کہ بدنصیبی کا یہ سلسلہ صرف ہماری نسل پہ ہی رک جائے۔

پہلے میں اپنا بتاتی ہوں۔

س ''شادی کب ہوئی؟''

ج ''12 نومبر 2010ء میں۔''

س ''شادی سے پہلے مصروفیات اور دلچسپیاں؟''

ج ''مجھے کوکنگ سے دلچسپی تھی۔ بیکنگ میں ماہر تھی۔ اب بھی ہوں۔ بس پڑھائی اور پھر کچن۔''

س ''اس رشتے میں آپ کی مرضی کس حد تک شامل تھی؟''

ج ''سو فیصد مرضی شامل تھی۔ ایک تو وجہ یہ تھی کہ ہمارے ہاں لڑکیوں سے ان کی مرضی معلوم کرنے کی روایت ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ میری پھپھو کے بیٹے مجھے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور وہ خود بھی

Nadeem Azam
www.pakistanipoint.com

ایسے تھے کہ انہیں مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

س "شادی سے پہلے شریک حیات کے بارے میں کیا تصور تھا؟"

ج "جیسا تھا، جو تھا میرے ہزبینڈ اس پر سو فیصد پورے اترتے ہیں۔"

س "منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے ملے یا فون پر بات ہوئی؟"

ج "باقاعدہ منگنی تو ہوئی ہی نہیں۔ بڑوں کو ہماری پسندیدگی کا علم تھا۔ بس پھر جب ان کا بزنس چل نکلا اور میں بھی پڑھنے پڑھانے سے فارغ ہوگئی تو ڈائریکٹ ہماری تاریخ طے کر دی گئی تھی۔"

س "شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں کیا خیالات تھے؟"

ج "پھپھو کے پورے گھرانے سے بہت اچھی دوستی تھی۔ آج دس سال بعد بھی بالکل ویسا ہی ہے۔"

س "کیا شادی کے لیے تعلیم کی قربانی دینی پڑی؟"

ج "جی نہیں، ماسٹرز مکمل ہو گیا تھا میرا۔"

س "شادی کی رسموں میں کوئی جھگڑا وغیرہ ہوا؟"

ج "کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ساری رسمیں بہت ہی شاندار ہوئیں۔ سب کو بہت مزہ آیا۔ خود ہم دولہا دلہن نے بھی اچھا خاصا انجوائے کیا تھا۔"

س "شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟"

ج "تعریفیں کی تھیں۔ محبت کا اظہار کیا تھا اور ہاں ایک جملہ جو یادگار بن گیا۔ اس لحاظ سے بھی کہ اس وقت میں خوب ہنسی تھی اور جب میں نے دوسرے دن باقی سب کو بتایا۔ حتیٰ کہ اپنی امی اور پھپھو کو بھی۔ تو وہ سب بھی خوب ہنسے تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ "اب میں تمہیں جب دل چاہے گا خوب دل بھر کر دیکھا کروں گا۔"

س "شادی کے بعد زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں؟"

ج "تبدیلیاں تو اچھی خاصی آتی ہیں۔ سب ہی کچھ بدل جاتا ہے۔ اپنا خیال رکھنا بھول جاتا ہے۔

مگر میرا خیال اب میرے شوہر رکھتے ہیں۔ وہ مجھے یاد دلاتے ہیں کہ نائٹ کریم لگالو۔ ناخن فائل کرلو۔ بالوں کی کٹنگ کروالو۔ پارلر ہو آؤ۔ دودھ پی لو۔ ملٹی وٹامن لے لو۔"

س "سسرال اور میکے کے ماحول میں فرق تھا؟"

ج "ایسا کوئی غیر معمولی فرق نہیں تھا۔ بس اتنا کہ میرے اپنے گھر میں سب لوگ ایک دوسرے سے بہت زیادہ کنسرن تھے۔ سسرال میں تھوڑا ریزرو رہتے ہیں سب۔ کوئی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا۔"

س "شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"

ج "چھ مہینے بعد، شروع کا ایک مہینہ تو دعوتوں میں گزر گیا پھر ہم ملک سے باہر چلے گئے۔ دو مہینے بعد وہاں سے آئے تو گھر میں جھگڑا شروع ہو گیا کہ اپنا ملک دیکھا نہیں۔ دوسرے ملک چلے گئے۔ تو میرے سسر نے ہمیں ناردرن ایریا بھیج دیا۔ وہاں بھی دو مہینے لگا کر آئے تو میں تھکن سے بیمار پڑ گئی۔ پھر دو مہینے میں نے آرام کیا۔"

س "میکے اور سسرال کے کھانوں میں کوئی فرق محسوس ہوا؟"

ج "جہاں تک کھانا پکانے کے طریقے کی بات ہے تو فرق ہے۔ لیکن اگر بات لذت کی ہے تو پھر کوئی فرق نہیں تھا۔ میری پھپھو یعنی میری ساس بے حد لذیذ کھانا بنانے میں مشہور ہیں۔ میرے پاپا کو ان کے ہاتھوں کی پکی ہر ڈش پسند ہے۔"

س "سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی اور کن باتوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟"

ج "تعریفیں اکثر ہی معاملات میں ہوتی ہیں۔ اس کا کریڈٹ بلاشبہ میری امی کو جاتا ہے۔ انہوں نے ہمارے اندر بہت ستھری عادات ڈالی ہیں۔ ہم دونوں بہنیں بہت باادب، مہذب، سلیقہ مند اور ملنسار مشہور ہیں اور ہم دونوں بالکل اپنی امی کی طرح ہیں۔"

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

س ''سسرال میں آپ کو آپ کا جائز مقام ملا؟''

ج ''جی ہاں بالکل۔ سو فیصد۔''

س ''سسرال سے جو توقعات تھیں، وہ پوری ہوئیں یا نہیں؟''

ج ''بالکل ہوئیں۔''

س ''بچوں کی پیدائش پہ سسرال والوں کا رویہ؟''

ج ''ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں میرے۔ تینوں بچوں کی پیدائش پر میرے سسرال والے خوشی کے مارے پاگل ہوگئے تھے۔ دور نزدیک کے ہر جاننے والے کو ایک ایک کلو کا مٹھائی کا ڈبہ بھیجا۔ میگا فنکشنز ہوئے تینوں دفعہ۔ تینوں مرتبہ سونے کے سیٹ ملے امی کی طرف سے بھی ساس کی طرف سے بھی۔ بچوں کو بھی گولڈ کی چیزیں۔ تین مہینے کا مکمل آرام۔ کپڑے اور دیگر تحائف اتنے کہ ایک کمرا ہر دفعہ پورا بھر جاتا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

س ''جوائنٹ فیملی سسٹم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

ج ''بہت اچھی رائے ہے۔ میں اسی سسٹم کو سپورٹ کروں گی۔ برداشت، ادب اور تہذیب سے آپ ہزار لوگوں کو بیک وقت ڈیل کر سکتے ہیں۔ اپنا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔ ورنہ اگر زبان کڑوی ہے اور حمل نہیں تو ساتھ رہنے والا ایک شخص بھی بے زار ہو جائے گا۔''

س ''سسرال کے ماحول میں آپ کوئی تبدیلی لا سکیں؟''

ج ''ضرورت ہی نہیں تھی کسی درستگی کی۔ سب ماشاء اللہ ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ مزید کیا سنواروں انہیں۔''

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑ لیا

ش۔غ.....انک

س ''شادی کب ہوئی؟''

ج ''بروز پیر 24 دسمبر 2012ء۔''

س ''شادی سے پہلے مصروفیات اور دلچسپیاں؟''

ج ''میں ایک پرائیویٹ اسکول میں میٹرک کو اردو اور اسلامیات پڑھاتی تھی۔ شام کو انٹرمیڈیٹ کی لڑکیوں کو ٹیوشن دیتی تھی۔ یہ سب شوقیہ کرتی تھی اپنی مرضی سے۔ یہ میری مصروفیات تھیں اور دلچسپیاں ہر طرح کی کتابیں پڑھنے سے متعلق ہی تھیں۔ اس کے بعد کچھ ٹائم فیشن ڈیزائننگ کو دیتی تھی۔ اپنی بڑی بہن کی شادی کی ساری تقریبات میں اپنے، دلہن کے اور امی کے ملبوسات میں نے ڈیزائن کیے تھے۔ وہ سب نے اتنے پسند کیے کہ پھر ایک بوتیک سے مجھے آرڈر بھی ملنے لگا۔''

س ''اس رشتے میں آپ کی مرضی کس حد تک شامل تھی؟''

ج ''ہمارے ہاں لڑکی سے اس کی مرضی معلوم کرنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے میری شادی میں ان کے سارے کوائف بتا کر مجھ سے میری مرضی پوچھی گئی تھی اور پھر میں نے تصویر دیکھ کر ہاں کردی تھی۔''

س ''شادی سے پہلے شریک حیات کے بارے میں کیا تصور تھا؟''

ج ''سپنے تو ہر لڑکی سہانے ہی سجاتی ہے۔ یہ تو بعد میں پتا چلتا ہے کہ اس کی قسمت یاوری کرتی ہے یا زمین پر لاپٹختی ہے۔ شادی سے پہلے شریک حیات کے بارے میں میرے تصورات بھی بڑے چمکیلے تھے۔ بعد میں وہ چمکیلے نہیں رہے زہریلے ہوگئے۔''

س ''منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے ملے یا فون پر بات ہوئی؟''

ج ''صرف تین مہینے۔ باقاعدہ ہاں کرنے سے پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی بڑوں کے سامنے پھر فون پر بھی پانچ چھ مرتبہ بات ہوئی تھی۔ اس وقت میں سمجھتی تھی کہ وہ سنجیدہ طبیعت کے مالک ہیں۔ بعد میں پتا چلا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی بلکہ میری ساری ہی فیملی کو۔''

س ''شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں کیا خیالات تھے؟''

ج ''بہت اچھے تھے۔ دراصل جب آپ کا اپنا آپ اچھا ہو تو آپ کو سامنے والوں میں بھی برائی نظر نہیں آتی۔ مگر وہ کہتے ہیں نا

تولا کھ پڑھ پیار کے منتر ساجد
جن کی فطرت میں ہو ڈسنا وہ ڈسا کرتے ہیں۔''

س ''کیا شادی کے لیے تعلیم کی قربانی دینی پڑی؟''

ج ''جی نہیں، میں نے تعلیم مکمل ہونے کے بعد تین سال تک پڑھایا بھی ہے۔''

س ''شادی کی رسموں میں کوئی جھگڑا وغیرہ ہوا؟''

ج ''مایوں مہندی کی ساری رسمیں بہت اچھی ہوئیں۔ شادی میں بھی تقریباً۔ بس ایک آخری رسم۔ رخصتی کے وقت ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ دلہن کا بھائی گاڑی میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر دولہا اسے ٹیک دیتا ہے تو وہ اترتا ہے اور دلہن بیٹھتی ہے۔ اس رسم پر میرے شوہر کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ ایک دم چلا اٹھے کہ ''کیا بار بار رسمیں ہوئی جا رہی ہیں۔'' اس پر میری طرف کے بڑوں نے ان سے بحث کی اور پھر اس کے بعد ہم نے کوئی جسارت نہیں کی۔

س ''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟''

ج ''کہا تھا۔ آپ ویسے ہی بہت حسین ہیں۔ پھر اتنا میک اپ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آئندہ اتنا میک اپ مت کیجیے گا۔ جائیں منہ دھو کر آئیں۔ اس کے بعد ولیمے میں بیوٹیشن کو بار بار تاکید کرتی رہی کہ ہلکا میک اپ کریں اور اس نے واقعی میری بات مانی۔ اس کے باوجود میں نے اپنی لپ اسٹک اور ہلکی کرلی۔ بلکہ تھوڑی جیولری بھی اتار دی۔''

س ''شادی کے بعد زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں؟''

ج ''میری تو شاید ساری ہی زندگی بدل گئی۔ شادی سے پہلے کی ہر اچھی بری اہم غیر اہم چھوٹی بڑی عادت اور انداز اور پسند ناپسند کو تبدیل کرنا پڑا مجھے۔ اپنے حلیے رہن سہن اور انداز اور سوچ سے مجھے اب نہیں لگتا کہ یہ میں ہوں۔''

www.paksociety.com

س ''سسرال اور میکے کے ماحول میں فرق تھا؟''

ج ''بظاہر تو کوئی فرق نہیں تھا۔ بعد میں زمین آسمان کا فرق ملا۔ میرے میکے میں سب ایک دوسرے کی پروا کرتے تھے۔ خیال رکھتے تھے۔ ایک دوسرے کے معاملات کا پوری طرح علم ہوتا تھا۔ مشورے دیے جاتے تھے۔ بات مانی جاتی تھی۔ مان رکھا جاتا تھا۔ سسرال میں سب اس کے برعکس نکلے۔ کوئی کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ سمجھانے والے کے پورے خاندان کو یاد کرلیا جاتا ہے۔''

س ''شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''

ج ''دوسرے ہی دن صبح میاں کو چائے بنا کر دینی پڑی۔ انہوں نے کہا۔ آج سے ہی میرے سارے کام آپ کریں گی۔ ان کے گھر والوں نے اسی وقت ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے ولیمے کے اختتام پر بھی چائے بنائی اور برتن دھو کر رکھے تھے۔''

س ''میکے اور سسرال کے کھانوں میں کوئی فرق محسوس ہوا؟''

ج ''غیر معمولی نہیں۔ کچھ کچھ کھانے ڈفرنٹ ہیں۔ پکانے کا انداز تو سب کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ برا کھانا نہیں پکتا سسرال میں۔''

س ''سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی اور کن باتوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟''

ج ''قصداً تو کبھی تعریف نہیں کی۔ بے ساختہ البتہ کئی مرتبہ ان لوگوں کے منہ سے ستائش نکلی۔ وہ بھی برملا میری تعریف نہیں کہلائے گی۔ کسی اور کے برے کام یا بری حرکت یا بدتمیزی پہ مقابلتاً میرے لیے مثبت الفاظ ہوتے تھے وہ اور سسرال والوں نے تو پھر غیر ارادی ہی سہی تعریف کردی۔ مگر میرے شوہر نامدار نے شادی کے آٹھ برسوں میں بھول کر بھی کوئی اچھی بات نہیں کی میرے لیے۔''

س ''سسرال میں آپ کو آپ کا جائز مقام ملا؟''

ج ''انہوں نے مجھے اپنے گھر میں رہنے دیا ہوا ہے۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ جائز ناجائز مقام میرے لیے معنی نہیں رکھتا۔''

س ''سسرال سے جو توقعات تھیں، وہ پوری ہوئیں یا نہیں؟''

ج ''مجھے پتا تھا، میں چھوٹی بیٹی ہوں۔ اور ہمارے خاندان میں چھوٹی بیٹیوں کی قسمت غیر معمولی خراب ہوتی ہے۔ سو میں نے زیرو پرسنٹ بھی کبھی کوئی اچھے سہانے خواب نہیں بنے۔ ایک طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ میں ذہنی طور پر اس سب کے لیے تیار تھی مگر بہرحال انسان ہوں۔ دل دکھتا ہے۔ چوٹ لگتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔''

س ''بچوں کی پیدائش پہ سسرال والوں کا رویہ؟''

ج ''دونوں بیٹیوں کی پیدائش پہ ایسا تھا جیسے وہ میرے کسی پہلے شوہر کی بچیاں ہوں۔ شوہر نے بھی زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کیا اور سسرال والوں نے بھی نہیں۔ میری دونوں بیٹیاں آپریشن سے ہوئیں دونوں مرتبہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوکر جیسے ہی گھر آئی، کام سے لگا دیا۔ کھانا بھی پکایا۔ کپڑے بھی دھوئے۔ میری بچیوں کی پیدائش پر میرے بابا اور امی نے مٹھائی بانٹی تھی اور میرے سسرال میں بھی بھیجی تھی۔''

س ''جوائنٹ فیملی سسٹم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

ج ''جوائنٹ فیملی سسٹم کو وہ لڑکیاں برا کہتی ہوں گی جن کے سسرال والوں نے ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہوگا۔ میرے ساتھ تو میرے شوہر کا ہی رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں سسرال والوں کی وجہ سے نہیں اپنے شوہر کے رویے کی وجہ سے روزانہ رات کو رو کر سوتی ہوں۔ اپنے شوہر کے خراب رویے پر جل جل کر خود کو کوئی بی لگالی ہے میں نے۔ میں اکثر جان بوجھ کر کھانا نہیں پکاتی۔ صرف اس لیے کہ کھانا پکانے میں ایکسپرٹ ہونے کو میرے شوہر نے طعنہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کسی کے تعریف کردینے پہ میرے شوہر کمرے میں آکر بغیر کسی وجہ کے مجھے خوب ذلیل کرتے ہیں۔ میں نے تیار ہونا چھوڑ دیا ہے۔ سسرال والے تو سونے پہ سہاگے کا کام کرتے ہیں بس۔ میرے لیے جوائنٹ فیملی سسٹم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مجھے معلوم ہے۔ میں سنگل فیملی کے طور پر رہتی تو بھی اسی طرح ذلیل وخوار ہوتی۔''

س ''سسرال کے ماحول میں آپ کوئی تبدیلی لاسکیں؟''

ج ''ابھی تک تو نہیں۔ مگر عنقریب مجھے لگتا ہے میں پورے گھر کو آگ لگادوں گی۔''

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

رضیہ جمیل

خط آپ کے

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع 37 اردو بازار کراچی
Email:Shuaa@Khawateendigest.com

سلمیٰ مسرت نے راولپنڈی سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

آج سے پانچ سال پہلے شعاع کے سالگرہ نمبر کے سروے میں شرکت کی تھی اور آپ نے اسے شائع کر کے میرا دل خوش کر دیا تھا۔ اس وقت میرے والدین حیات تھے۔ شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ٹائم پر ابو مجھے میرے تمام رسالے لا کر دیتے تھے۔ میں نے ابو کو نہیں بتایا تھا کہ میں نے شعاع میں خط لکھا ہے لیکن انھوں نے فوراً پڑھ لیا اور شام کی چائے پر بلا کر مجھے سرپرائز دیا۔ شادی کے بعد ذمہ داریوں کے ایسے سلسلے شروع ہوئے کہ شعاع میں شرکت کی، فرصت ہی نہ ملی پھر میرے بھائیوں جیسے چھوٹے بہنوئی کا ایکسیڈنٹ میں دنیا چھوڑ جانا، میرے معصوم بھانجے اور بہت عزیز بہن کی ذمہ داریاں، اسی غم میں ابو اور امی بھی دائمی جدائی دے گئے۔ پھر کرونا کے باعث دو مہینے اپنے رسالوں کی شکل دیکھنے کو ترس گئی تو میں نے خواتین میں انٹری دی۔

کل کی بات لگتی ہے جب شعاع کا پہلا شمارہ نازیہ ذوہیب کی تصویر کے ساتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ نائنتھ کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی، بے تحاشا شوق، مشغلے تھے۔ شعاع میرے حسین ماضی کو تھوڑی دیر کے لیے واپس لے آتا ہے، آج جب پڑھا کہ پینتیس سال ہو گئے تو ایک لمحے کے لیے سکتہ سا ہو گیا۔ اتنے ڈھیر سارے سال کیسے گزر گئے اور ہمارا پیار دیکھیں جیسے بھی حالات تھے، خواتین، شعاع کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایک بھی شمارہ مس نہیں کیا۔ آپ کے سارے سلسلے شان دار ہیں۔ ”شعاع کے ساتھ ساتھ“ دوبارہ شروع کریں، مجھ جیسی بے شمار بہنیں اس میں شرکت کی خواہش مند ہیں۔ ”تجھ سے ناتا جوڑا“ ہے اس میں ان شاء اللہ میں ضرور شرکت کروں گی، ایک تو ہم جیسی بہنوں کا دل ہلکا ہو جاتا ہے، دوسرے اس سے ہماری بچیوں کو بہت رہنمائی ملتی ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ آپ دوسری طرف کے سسرالی رشتوں کو بھی دعوت دیں کیونکہ اس طرح اس زندگی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ہم سب کا رول دن میں کتنی مرتبہ بدلتا ہے، بحیثیت ماں، بہن، بیوی، دوست، ہمسایہ، اہل وطن اور بے شمار روپ جن میں ہمارے اخلاق کردار اور فرائض کا امتحان ہے۔ ہر رول میں توازن رکھنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ پرانی رائٹرز کچھ ٹی وی پر مصروف ہیں، کچھ ریسٹ کر رہی ہیں لیکن نئی آنے والی رائٹرز نے رسالے کے معیار کو اسی طرح بلند رکھا ہے اور اس میں یقیناً آپ کے ادارے کی محنت قابل قدر ہے۔ نعیمہ ناز نے جولائی کے شمارے میں آج کے حالات کی جو جھلک دی ہے، وہ موتی جیسے الفاظ میری ڈائری میں منتقل ہو چکے ہیں۔ ”وہ نازنین“ بلوچ کلچر کے بیک گراؤنڈ میں بہت اچھا لگ رہا ہے، مجھے اپنے وطن کے سرائیکی، پنجابی، سندھ اور بلوچی تمام رنگ بہت خوب صورت لگتے ہیں۔ میں نے سب کو بہت قریب سے دیکھا ہے، ابو آرمی میں تھے، اس لیے سارا ملک گھومے ہیں۔ بارہ سال کا عرصہ کراچی میں منورہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے خوب صورت جزیرے میں بہت گولڈن گزرا۔ شادی کے بعد پنڈی میں مستقل قیام ہے۔ لاہور سسرال ہے۔ منڈی بہاؤ الدین گجرات ددھیال ہے۔ جھنگ میں ننھیال ہے تو پورا ملک میرا گھر ہے۔ اس لیے میں ہر قاری بہن کا خط بہت شوق سے اپنا سمجھ کر پڑھتی ہوں۔

☆ پیاری مسرت! بہت اچھا لکھا ہے آپ نے۔ آپ نا تا جوڑا ہے اور شعاع کے ساتھ ساتھ کہ سلسلے میں ضرور لکھیں اور شعاع، خواتین کے دوسرے سلسلوں میں بھی حصہ لیں۔ آپ میں صلاحیت ہے، اچھا لکھ سکتی ہیں تو اتنا طویل عرصہ خاموشی میں کیوں گزار دیا۔ کتنی اچھی بات لکھی ہے آپ نے کہ ہر رول میں توازن رکھنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کی مغفرت فرمائے، آمین۔

تسنیم کوثر کراچی سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

افسانوں پر بات کی جائے تو زارا منجرا کا ''واہ مزا آ گیا'' اسی طرح عمارہ جہاں کا ''مشکلیں مجھ پر'' نے بھی ذائقہ دار مزا دیا۔ ناولٹ میں میمونہ صدف نے ''خالی ہاتھ'' شان دار لکھا۔ مکمل اور جان دار اسٹوری نہایت قابل تعریف ہے اور دوسرا ناول ''سلیقہ بی بی'' کی بھی کیا بات ہے۔ گل ارباب دلی مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اور زرقا سکندر کے ''عید بکرا اور کلیجی'' نے تو حیران و پریشان کر دیا۔ اف کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے یعنی نادر شاہی چوروں ڈاکوؤں کی انتہا ہی نہیں، ویسے بڑا مزا آیا اس دلچسپ اسٹوری میں۔ رخسانہ نگار عدنان کی ''شام کی حویلی'' ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دل سے پسند آئی۔ بس ذرا کہانی کو اور آگے تو بڑھائیں۔ اسی طرح فرح بخاری کی ''وہ نازنین'' بھی خوب صورتی سے بڑھ رہی ہے۔ بس ذرا کردار زیادہ ہونے کی وجہ سے گھپلا ہو جاتا ہے مگر خیر ہے اور ''جب تجھ سے نا تا جوڑا'' میں جس لڑکی نے اپنے آپ بیتی بیان کی، نہایت عمدہ لگی۔ اس نے کتنے اچھے انداز میں ایک نہایت بہترین میسج رقم کیا۔ اچھا برا کچھ نہیں کہا، بلکہ خود کو اچھا ثابت کر دیا، ماشاء اللہ۔

اس بار ''موسم کے پکوان'' بہت اچھے لگے اور خاص طور پر ''تاریخ کے جھروکوں'' میں خیزران بے حد اچھا لگا۔ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سب آنکھوں کے سامنے منظر اور کہانی گزر رہی ہے اور خاص طور ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' دل کو چھو گئیں۔ اتنی عمدہ اسلامی معلومات سے سب کو فائدہ ہوگا، جزاک اللہ۔

☆ پیاری تسنیم! آپ تو ہمیشہ ہی بہت اچھا تبصرہ کرتی ہیں۔

بہت شکریہ ہماری محفل میں شرکت کرنے کے لیے اور اچھا تبصرہ کرنے کے لیے۔ سلامت رہیں، خوش رہیں۔

زہرا ممتاز، امتیاز بی بی، شمیم عاشق، خالدہ عزیز اینڈ خدیجہ نے ڈی جی خان سے شرکت کی ہے، لکھا ہے

''پہلی شعاع'' میں آپ نے صحیح کہا ہم کچھ پا لیتے ہیں تو کبھی کچھ کھو دیتے ہیں۔ واؤ شعاع مبارک ہو آپ کے اجرا کو پینتیس سال ہو گئے ہیں۔ ''حمد و نعت'' سے فیض یاب ہوئے۔

''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ معروف شیف عرفان واسطی سے ملاقات بھی بیسٹ رہی۔ فریال کا خط نہ پا کر بہت دکھ ہوا۔ فریال ناراض ہو کیا ہم سے؟ اقرا سرور آپ خط بہت اچھے لکھتی ہیں۔ زینب نور تم مجھے سوئٹ سی لگتی ہو۔ سوری ہم نے افسانہ نہیں مکمل ناول بھیجا تھا۔

''شام کی حویلی'' یہ اسٹوری بہت زبردست جا رہی ہے۔ ناولٹ ''سلیقہ بی بی'' گل ارباب کا بہت ہی پسند آیا۔ ویسے راز کی بات بتاؤں، ہمارے گھر بھی ہے ایک مرچیں تیز ڈالنے والی ہے۔ مکمل ناول ''دل آباد'' اس میں زمان اور ثانیہ کا کردار بہت اچھا تھا۔ ''وہ نازنین'' یہ ناولٹ پورے رسالے کی جان ہے۔ رباب اچھا نہیں کر رہی پلیز فرح بخاری اسے روکیں۔ ''خالی ہاتھ'' ناولٹ بہت ہی اچھا تھا اور اب آتے ہیں افسانوں کی طرف، اس ماہ تو افسانے پانچوں ہی اچھے تھے۔ ''غزل'' احمد ندیم قاسمی کی نمبر لے گئی۔

☆ زہرا، امتیاز، شمیم، خالدہ اور خدیجہ! پیاری بہنو

Waqar Azeem www.paksitanipoint.com

آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی، بہت خوشی ہوئی۔

ڈاکٹر فریال تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، ہوسکتا ہے ڈاکٹر صاحبہ مصروف ہوں، اس لیے خط نہ لکھ پائی ہوں۔ ناراض کیوں ہوں گی، بھلا اپنوں سے بھی کوئی ناراض ہوتا ہے۔ کہاں ہیں، آپ ڈاکٹر صاحبہ! ہم آپ کی کمی محسوس کررہے ہیں۔

عائشہ گوندل نے للیانی سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

ماڈل بس ٹھیک ہی لگی۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، اپنے اردگرد ناولوں اور کتابوں کو ہی پایا۔ رسالے امی نے بانٹ دیے تھے۔ میری امی رسالوں اور ناولوں کی بہت شوقین ہیں، ان کا یہ شوق ہمیں بھی آن لگا۔ چوتھی جماعت تک تقریباً ہم نے گھر میں موجود تمام کتابیں، رسالے اور ناول دیمک کی طرح چاٹ لیے۔ عرفان واسطی سے ملاقات اچھی لگی۔ آگے بڑھے تو ''شہر تمنا'' پہ چھلانگ لگائی۔ ''ذوہیب کا عائشہ کو سپورٹ کرنا اچھا لگا۔ مانی آخر کب تک اپنے جذبات عائشہ سے چھپائے گا۔ آخری قسط پڑھ کر دل اداس سا ہوگیا۔ بہت اچھی تحریر ہے، نعیمہ ناز کی، پھر واپسی کا سفر طے کرکے ''شام کی حویلی'' کے پاس آکر دم لیا یہ آخر کر کیا رہا ہے۔ موحد (گدھا کہیں کا)۔ سارے ناولٹ اور افسانوں میں ''سلیقہ بی بی'' اور ''خالی ہاتھ'' اور سبق آموز تحریریں تھیں۔ آپی ''شہر تمنا'' کی جگہ عمیرہ احمد یا نمرہ احمد سے کوئی ناول لکھوائیں۔

☆ پیاری عائشہ! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کی امی بھی مطالعہ کا ذوق رکھتی ہیں اور ہمارے پرچے باقاعدگی سے پڑھتی رہی ہیں۔

عمیرہ احمد اور نمرہ احمد نے شعاع کے لیے ناول لکھا تو ہم ضرور شائع کریں گے۔

آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ اب باقاعدگی سے لکھتی رہیے گا۔

عاصمہ یاسین ملک نے دریا خان بھکر سے لکھا ہے

شعاع ہمیشہ خواتین سے پہلے ملتا ہے اور اس کے ٹائٹلز بھی خواتین سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں، اب کی بار ٹائٹل کافی منفرد تھا۔ قسط وار ناولز چاہے بن پاکھی ہو یا شہر زاد۔ سیاہ حاشیہ ہو یا خواب شیشے کا ہمیشہ زبردست ہوتے ہیں۔ ''وہ نازنین'' بھی زبردست جارہا ہے پر یہ نازی کے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ رئیس کا بھی بہت دکھ ہوا اور پشمینہ بے چاری اف میں جہاں کرداروں کے ساتھ ہنستی ہوں تو بہن بھائی کہتے ہیں دیکھو اور بتاؤ کبھی پاگل دیکھے ہیں نہ محفل دیکھتے ہیں اور نہ تنہائی۔ ہنستے ہیں تو ہنستے ہی چلے جاتے ہیں اور جب کسی جگہ روتی ہوں تو چھپ کر روتی ہوں کہ کبھی اصلی پاگل کا ٹھپہ نہ لگ جائے ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ عطیہ خالد، قرۃ العین سکندر، زارا عنجر اُ زرقا سکندر بہت اچھے افسانے لکھتی ہیں۔ افشین نعیم پلیز پہلے جتنا مزاحیہ لکھا کریں ورنہ میری طرف سے کٹی (ہاں)۔ ''شہر تمنا'' ٹھیک ہے پر کردار زیادہ ہونے کی وجہ سے سلو لگتا ہے۔ ''شام کی حویلی میں'' ناول اتنا اچھا نہیں ہے جتنا اس کا نام خوب صورت ہے۔ گل ارباب ایک وقت آئے گا۔ جب آپ زبردست لکھیں گی، شعاع کے ساتھ ساتھ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے اور شاعری بھی لیکن ناتا اور تاریخ کے جھروکے کچھ اچھے نہیں لگتے۔ ''یار دل دار'' نہ ہو تو بس منہ لٹک جاتا ہے۔ ''آپ کا باورچی خانہ'' کبھی ضرور لکھیں کے جگہ ملے گی کیا؟ ویسے شعاع بہت زبردست بلکہ پیپسی سٹف کہنا ہے (ہاں بھئی فنٹاسٹک تو ہر کوئی کہتا ہے نا)۔

☆ پیاری عاصمہ! ہنسنا بری بات تو نہیں۔ ہمیں تو ہنستے مسکراتے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے، اسے رو دھو کر کیوں ضائع کیا جائے۔ بہت اچھا کرتی ہیں کہ آپ دوسروں کے سامنے نہیں روتیں۔ روتے دھوتے لوگوں کو تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

ویسے بھی اچھی حس مزاح ذہانت کی نشانی ہے۔

ناتا اور تاریخ کے جھروکے آپ کو پسند نہیں۔ یہ ہماری قارئین کے پسندیدہ سلسلے ہیں پھر بھی اگر دیگر قارئین نے آپ کی تائید کی تو ہم یہ سلسلے بند کرنے پہ غور کریں گے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔

انیلا قصر گل نے پیرووال خانیوال سے لکھا ہے

www.paksociety.com

ہمارے رسالے والے نے کہا کہ عید کے بعد پھر سے لاک ڈاؤن لگ رہا ہے تو عین ممکن ہے کہ اگست کے شمارے نہ آئیں۔ یہ سن کر مجھے تو سخت شاک لگا۔ پہلے ہی دو ماہ کی غیر حاضری بری طرح کھلی تھی اب پھر سے......

ناقابل برداشت۔ تو حل یہی نظر آیا فوراً ادارے کے واٹس ایپ پر رابطہ کر کے پرچوں کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اگست کا شمارہ مارکیٹ میں آچکا ہے (جو کہ حسب روایت ہمیں تو، دو تین تاریخ سے پہلے کبھی نہ ملا۔ حال خواتین ندارد حالانکہ آج دس تاریخ ہے) عید کے بعد باجی دوائی لینے خانیوال جارہی تھیں، میں نے کہا باجی شعاع لیتی آیئے گا۔ آرام سے بولیں ''وہ تو کل منگوالیا۔ منیب ، حسیب (بھانجے) سے۔'' (اندازہ لگائیں میرے احساسات کیا ہوں گے اس وقت)۔ شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے اپنا پسندیدہ ترین سلسلے وار ناول ''شہر تمنا'' پڑھا۔ صد شکر کہ سب کلیئر تو ہوا۔ ''شام کی حویلی'' میں رخسانہ آپی رفتار تیز کردیں تھوڑی سی اور اسے پلیز صائم اور عزہ حالم کی کہانی کی طرح لمبا نہ کیجیے گا۔ ''وہ نازنین'' حسب روایت اچھا تھا۔ افسانوں میں بسمہ شانزے کا ''عید، ماہا اور تہذیب'' ایویں تھا۔ بس مجھے تو ذرا پسند نہ آیا۔ ہاں ''حاجی صاحب کا بیل'' اچھی کاوش تھی۔ ''عید، بکرا اور کلیجی'' پڑھ کر ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا۔ صد شکر کہ ایسے حادثے ہمارے ہاں نہیں ہوتے۔ ''واہ مزا آگیا'' پڑھ کر سچ میں مزا آگیا۔ ''خط آپ کے'' میرا پسندیدہ سلسلہ ہے بلکہ آپ کے جوابات زیادہ پسند آتے ہیں، میں تو اکثر خطوط آپ کے جوابات پڑھ کر پڑھتی ہوں۔ جس خط کا جواب اچھا ہو وہ پہلے پڑھ لیتی ہوں۔ بخاری سسٹرز کبیر والہ سے کہوں گی کہ آپ کی جس دوست کی شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں اور سسرال والے کہتے ہیں، رسالے چھوڑو تو علاج کروائیں گے۔ انہیں میری طرف سے کہہ دیں کہ بی بی! یہ رسالے بہت اچھے ہیں۔ زندگی جینا بھی سکھاتے ہیں لیکن زندگی نہیں ہیں یہ۔ بچے زیادہ اہم ہیں رسالوں سے (ویسے بھی جو سسرال والے علاج نہ کروانے کی اتنی بونگی وجہ دیں، وہ کتنے اچھے ہوں گے۔ آپ بہتر جانتی ہیں مجھ سے)۔ میرے شوہر بھی پسند نہیں کرتے تھے میرا رسالہ پڑھنا، اب خود لا بھی دیتے ہیں اور پڑھ بھی لیتے ہیں۔ ''سلیقہ بی بی'' اچھا ناولٹ تھا گو کہ سلیقہ کے کیک سے ہمارا حال بھی شہریار جیسا ہی ہوا کچھ کچھ۔ (اب ہر کوئی ابراہیم ابدال تو نہیں ہوتا نا)۔ اب بات کروں گی اس کہانی کی جس نے مجھے سستی بھگانے پر مجبور کیا۔ ہاں جی قلم اٹھانے پر نہیں سستی بھگانے پر۔ دراصل میں قریباً بیس سال سے خواتین شعاع پڑھ رہی ہوں۔ بہت سی کہانیوں نے مجبور کیا کہ قلم اٹھایا جائے اور آپ کو بتایا جائے کہ بہت زبردست کہانی تھی لیکن سستی کی وجہ سے نہیں لکھ پاتی تو اب ''دل آباد'' نے سستی بھگانے پر مجبور کیا۔ بہت زبردست کہانی تھی۔ بالکل منفرد آئیڈیا۔ یقین کریں اپیا میرے تو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اپیا آپ سے گزارش کرنی تھی، ایک وہ یہ کہ پلیز رسالے میں ''دجال'' کے بارے میں تفصیل سے شائع کردیں۔

☆ پیاری انیلا! آپ کا مشورہ ہم بخاری سسٹرز کی دوست تک پہنچارہے ہیں۔ پیاری بہن! اگر من میں کھوٹ ہو تو بہانے ہزار...... علاج نہ کرانے کے لیے یہ بہانا بنایا گیا ہے۔ ورنہ رسالوں سے اس کا کیا تعلق۔ آج کل تو ٹی وی اور موبائل پر جو کچھ دکھایا جارہا ہے، اس کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں۔ بہر حال آپ نے مشورہ بہت اچھا دیا ہے۔ ان خاتون کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ کچھ وقت کے لیے ان کی بات مان لیں۔ خواتین شعاع کے بعد آتا ہے، اس لیے آپ تک لیٹ پہنچتا ہے۔ لاک ڈاؤن کا فی الحال تو کوئی امکان نہیں۔ دعا کریں دنیا بھر سے اس بیماری کا خاتمہ ہوجائے۔

فرحانہ مہناز اسلام آباد سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

خوب صورت سرورق کے ساتھ شعاع ہاتھ میں لیا۔ ''پہلی شعاع'' پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوا کہ محمود ریاض صاحب نے بہت صاف ستھری پالیسی کے ساتھ شعاع پیش کیا کہ ہم پڑھ کر رسالہ میز پر رکھ دیں اور کوئی اچانک آکر پڑھنے لگے تو شعاع کے لیے ہمیں شرمندگی نہیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوگی بلکہ فخر محسوس ہوگا۔

یہی ڈائجسٹ کا معیار اور تعریف ہے۔ پیارے نبی ﷺ کی طہارت اور وضو کے بارے میں باتیں ہمارے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔

''تجھ سے ناتا جوڑا'' میں بہن رش نے گریجویشن کیا لیکن ان کی باتوں سے لگتا تھا کہ بہت پڑھی لکھی ہیں۔ یہ صرف ان کی کتابوں سے محبت کا ثبوت ہے۔ گل آپ نے پوچھا کہ میں عید اسلام آباد میں مناتی ہوں، جی میں نے عید سروے میں لکھا تھا کہ عید الفطر یہاں مناتی ہوں کیونکہ تقریباً پچھلے چھ سال سے عید الفطر گرمیوں کی چھٹیوں میں آتی ہے اور ہم گرمیوں کی چھٹیاں ادھر گزارتے ہیں اور اب مستقل شفٹ ہوگئے۔ دعا کریں اسکول کھلیں اور میرے بچوں کے ایڈمیشن خیریت سے ہوجائیں۔

''سلیقہ بی بی'' بہت پسند آیا۔ ''دل آباد'' ماہ طلعت نے زمان اور زرمینے کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ زمان نے قربانی دے کر اپنی بہنوں کی زندگی بنائی، بہت اچھا بھائی تھا۔

عمارہ جہاں آپ نے ہمیں اپنے پسندیدہ کرداروں سے ملوایا، اچھا لگا ان سے مل کر۔ ''وہ نازنین'' فرح بخاری جی سب کردار کو ہنسی خوشی ملادیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے۔

''خالی ہاتھ'' میمونہ صدف نے رحمت سے بہت اچھا فیصلہ کروایا۔ ''شہر تمنا'' نعیمہ ناز جی حیران ہی کردیا کہانی کو سمیٹ کر۔ عائشہ اور مانی پسند تھے ہمیں۔ ''عید ماہا اور تہذیب'' معذرت کے ساتھ پسند نہیں آیا۔ ''حاجی صاحب کا بیل'' بیسٹ افسانہ تھا۔ ''مسکراہٹیں'' ذرا بھی مسکراہٹ نہ بکھیر سکیں۔ باقی تمام سلسلے بے حد اچھے تھے۔

☆ پیاری فرحانہ! آپ کی تعریف و تنقید متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔ شام کی حویلی میں کہانی آگے بڑھ رہی ہے، دراصل قسط وار کہانیوں میں عام طور پر شروع کی اقساط میں کرداروں کا تعارف ہوتا ہے اس کے بعد کہانی کھل کر سامنے آتی ہے۔ دعا گو ہیں کہ نئے شہر میں آسانی سے ایڈجسٹ ہوجائیں۔

صدف ناصر نے گوجرانوالہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں ٹائٹل بس ٹھیک تھا۔ عید اور سالگرہ نمبر کے حساب سے زبردست سا ہوتا تو اچھا تھا۔ ''پہلی شعاع'' میں دستک دی۔ ''حمد و نعت'' کی طرف بڑھے۔ ماشاء اللہ، جزاک اللہ۔ نعت شان دار رہی۔ ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' پڑھ کر اپنی بہت سی غلطیوں، کوتاہیوں کو درست کیا۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' میں بہتر۔ ش سے ہیلو ہائے کی۔ کچھ دکھ کی کچھ سکھ کی سنیں۔ میرا بچپن بھی بالکل 'ز' بہن جیسا گزرا۔ گھر کا ماحول بھی ایک سا۔ ان کا انتخاب کسی بہترین افسانے جیسا لگا۔ مطلب رائٹر بن سکتی ہیں۔ ''دستک'' میں سمیعہ بخش سے ملاقات پسند آئی۔ دیوانگی کی ہیروئن حبہ کا انٹرویو لیں۔ ''خط آپ کے'' پسندیدہ ترین سلسلہ۔ ریحانہ چوہدری کا خط پڑھ کر خوش ہوئے۔ ریحانہ آپی! اگلی تحریر کے شدت سے منتظر ہیں۔ اپنا خط شائع نہیں ہوا، دل بہت اداس رہا۔ کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ ماریہ نذیر، ڈاکٹر فریال، ثمینہ اکرم، کوثر خالد وغیرہ وغیرہ واپس آجائیں۔ اقراء سرور، طوبیٰ ممتاز، گل مردان نے اچھا لکھا۔ ''دل آباد'' ماہ طلعت کہاں سے جلوہ گر ہوئیں۔ پورے سالگرہ نمبر کی جان یہ ناول رہا۔ اس قدر پختگی، روانی، شائستہ کریکٹر ''زمان اور زرمینے'' نام بھی کمال۔ ان دونوں کے ساتھ ہماری بھی آنکھیں بھیگتی رہیں۔ رائٹر نے اتنے زبردست جملے لکھے، مدتوں یاد رہیں گے۔

ناولٹ اس دفعہ دونوں ہی اچھے رہے۔ میمونہ صدف عرصہ بعد واپس آئیں، بلاشبہ بہتری اسٹوری ہے۔ گل ارباب ''سلیقہ بی بی'' کو ساتھ لائیں۔ کیا کمال کا کیک بنایا سلیقہ نے۔ افسانے تو پچاس ہوں تو بھی دل نہ بھرے۔ یہ تو پھر بھی صرف چھ عدد تھے۔ ''عید بکرا اور کلچی'' زرقا سکندر نے قہقہے چھڑا دیے۔ زارا منجرا ''واہ مزا آگیا'' تھوڑا پرانا ٹاپک مگر نئی طرز پر لکھا۔ عمارہ جہاں مشکلیں مجھ پر۔ ویری سوری۔ اچھا نہیں لگا بلکہ بہت بہت اچھا لگا۔

''عید ماہا اور تہذیب'' سر سے گزر گیا، کیسا افسانہ تھا یہ؟ ''حاجی صاحب کا بیل'' حمیرا شفیق نے کمال لکھا۔

www.paksociety.com

واقعی اب تو بس نمود و نمائش رہ گئی ہے۔ اصل مقصد تو ختم ہوتا جارہا ہے قربانی کا۔ شکر ہے اللہ کا اس مرتبہ نظمیں غزلیں اچھی ہیں۔ خاص طور پر عبدالحمید عدم، تین دفعہ پڑھ کر سکون آیا۔

☆ پیاری صدف! پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہیں ہوسکا، اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ تبصرہ بہت اچھا کیا ہے آپ نے، بہت دلچسپ ہے۔ پڑھ کر مزا آیا۔

سندس مصطفیٰ بخاری خیر پور میرس سے
شریک محفل ہیں لکھا ہے

سب سے پہلے میں ماہ طلعت جی کی کہانی کے بارے میں بات کروں گی ''دل آباد'' جو مجھے بہت بہت پسند آئی ہے۔ مجھے اس کہانی میں نور شاہ اور زمان شاہ کے کردار بہت پسند آئے اور فرح آپی کی کہانی ''وہ نازنین'' کی تو بات ہی الگ ہے۔ وہ نازنین کے لیے کیا کہوں میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ''سلیقہ بی بی'' گل ارباب کا ناولٹ بہت پسند آیا۔ میمونہ صدف کا ''خالی ہاتھ'' تھی بہت اچھا تھا۔ باقی افسانے بھی سارے اچھے تھے مگر سب سے زیادہ مجھے ''حاجی صاحب کا بیل'' میرا شفیع کا بہت پسند آیا۔

اب آتے ہیں میری پیاری نعیمہ ناز جی کی کہانی ''شہر تمنا'' کی طرف۔ آپی کچھ تو بتائیں۔ اینڈ ہونے والا ہے بہت دکھ ہوا پڑھ کر۔ ''شام کی حویلی میں'' پڑھتی نہیں ہوں۔ غزل مجھے احمد ندیم قاسمی بہت پسند آئی ہے۔ ''جب تجھ سے نا نا'' ر۔ ش بہن کا پڑھ کر بہت مزا آیا۔ اگر جوائنٹ فیملی میں پیار ہے تو بہت اچھا ورنہ نہیں۔ عرفان واسطی سے مل کر اچھا لگا۔ ''دستک'' میں سمیعہ بخش سے مل کر بہت ہی مزا آیا۔ ''حمد و نعت'' بہت پسند آئی۔ ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ ''خط آپ کے'' بھئی ہے ہی گلاب کے پھول جیسا سلسلہ۔ بلال عباس خان (چیخ ڈرامہ کا وجیہہ) کا انٹرویو کریں۔ ہمارے خاندان کی ساری لڑکیاں حیرت کرتی ہیں کہ بھئی پڑھنے کی بات الگ ہے مگر سندس اور دعا کے بابا ان کے خط بھی پوسٹ کروانے جاتے ہیں۔ بھئی یہ اللہ کا کرم ہے، بابا جانی ہمیں منع نہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے بابا جانی کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین)۔ مجھے کراچی آنے کا بہت شوق ہے سب سے زیادہ آپ لوگوں کے آفس۔ پلان تو روز کرتی ہوں کہ اس دفعہ چاچو کے گھر کراچی جاؤں گی۔ آپی میری رائٹنگ اچھی ہے یا بری۔ گھر میں سب کہتے ہیں کہ سندس کی رائٹنگ سب سے بری ہے۔ اب آپ ہی بتائیں بری ہے۔

☆ پیاری سندس! ہمارے لیے تو یہی بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ہمیں خط لکھا۔ ویسے آپ کی رائٹنگ بھی بہت اچھی ہے اور آپ کے بابا بھی بہت اچھے ہیں۔ جو آپ کا خط پوسٹ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت مند خوش و خرام رکھے۔ آمین۔ تبصرہ بھی آپ نے بہت اچھا لکھا ہے۔ یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ''شام کی حویلی میں'' کیوں نہیں پڑھتی ہیں؟

رضوانہ وقاص ہری پور سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

میں آپ سے ناراض ہوں۔ آپ نے میرا خط شائع نہیں کیا۔ میں جمعہ والے دن اپنے شوہر کے ساتھ ہری پور گئی تو کہا پتا کر کے دیں۔ کتاب آگئی ہوگی پتا کر کے دیں۔ میں گاڑی میں ہی تھی انہوں نے کتاب لاکر دی۔ تو پہلے بات کی جائے ماڈل ہانیہ کی مجھے بہت ہی پیاری لگی ہاتھوں میں گلدستہ لیے ہوئے دل خوش ہوگیا، میرے سے صبر نہیں ہوا۔ گاڑی میں ہی پڑھنا شروع کیا۔ پہلے تو اپنا خط دیکھا۔ لیکن بہت دل مایوس ہوا، خط نہیں آیا۔ ''پہلی شعاع'' پڑھی واقعی رضیہ آپا نے صحیح لکھا ہے۔ وقت گزرتا جارہا ہے۔ کچھ پتا ہی نہیں چل رہا۔ ''حمد و نعت'' پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں نے گاڑی میں ہی ''شام کی حویلی'' پڑھ لی۔ پلیز کشف کے ساتھ مزید برا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن کشف کو بھی زینب سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ میں نے پوری کہانی گاڑی میں ہی پڑھی۔ کہ صبر نہیں ہوسکتا ''شہر تمنا'' اب اختتام کی طرف ہے۔ یہ شاہ میر نائلہ کا بھائی ہوگا۔ نائلہ اپنی نانی کے پاس پہنچ گئی ہے۔ چلیں دیکھتے ہیں کیا

www.pakistanipoint.com

دنا ہے آگے۔ ''وہ نازنین'' کی بات ہو جائے تو رباب زلی کی باتوں میں آ گئی، وہ واسع سے اپنے باغ لینے کا بدلہ ضرور لے گا لیکن پلیز فرح جی واسع اور نازنین کی جوڑی اچھی رہے گی۔ ناولٹ ''خالی ہاتھ'' میمونہ صدف کا بہت پسند آیا کیونکہ علی نے افزا کی محبت کی قدر نہیں کی۔ مجھے ایسے مرد عورتیں سخت زہر لگتے ہے۔ جو اپنی بیوی اور شوہر کے ہوتے ہوئے دوسری عورت اور مرد کے پیچھے خوار ہوتے ہیں۔ یہ اب ہر گھر کا مسئلہ ہو گیا ہے میں یہ بات سوچ سوچ کر پریشان ہوتی ہوں۔

''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' بہت ہی اچھی ہیں۔ اس طرح جس بات کا علم نہیں ہوتا، پتا چل جاتا ہے۔ انسان اپنی طرف سے بھی چاہتا ہے۔ چاہے وہ وضو ہو نماز ہو کوئی غلطی نہ ہو۔ دستک میں سمیعہ بخش کا انٹرویو پسند آیا۔ پلیز شاہین رشید آپ سے درخواست ہے کہ یہ سلسلہ رکھیں کہ آپ بتا دیا کریں کہ اگلے ماہ اس فنکار کا انٹرویو لیں گے۔ ہم بھی ان سے سوال کر سکیں۔ اب آپ دوستوں سے درخواست کی اپیل ہے کہ میرے شوہر کی پروموشن کے لیے اور میرے کزن جنید کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

پیاری رضوانہ! پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہیں ہو سکا اس کے لیے معذرت۔ شعاع آپ کو پسند آیا یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے کزن کو صحت و تندرستی عطا کرے اور آپ کے شوہر کی پروموشن کے لیے ضرور دعا کریں گے لیکن ایک وعدہ کریں پروموشن کے بعد ہمیں مٹھائی ضرور کھلائیں گی۔

حدیقہ ثناء اللہ نے میرپور خاص سندھ سے
شرکت کی ہے۔ لکھتی ہے

میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ میری تحریر لازمی شائع کریں۔ میں بس کہنا چاہتی ہوں کہ جیسے سمیرا حمید کہتی ہیں۔ ''اگر آپ پرندہ ہوتیں تو سارے آسمان پر آپ کا راج ہوتا۔ آپ زمین پر ہیں تو ازل سے سانس لیتی ان کہانیوں کو آپ کا آسمان میسر ہے۔'' بس آپ اپنے وسیع آسمان میں میرے اس نومولود پرندے کو بھی اڑان بھرنے کا ایک موقع دیجیے، ہو سکتا ہے۔ اس میں اتنی اونچی اڑان بھرنے کی ہمت نہ ہو، مگر لگن اتنی ہی ضرور ہے۔

پیاری خدیجہ! ہمیں ہر ماہ بڑی تعداد میں کہانیاں موصول ہوتی ہیں اگر کسی کہانی میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ تو ہم اس کی رائٹر کو ضرور موقع دیتے ہیں۔ کسی رائٹر کی صلاحیت سامنے آئے، اس کو خود کو منوانے کا موقع ملے، اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے ہمارے لیے۔

ابھرتی ہوئی مصنفہ مدیحہ نے لکھا ہے کو خط لکھنے سے قبل سوچنا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ لکھی جائے جو آپ کو ناگوار گزرے، سوری پیشگی معذرت خواہ ہوں اگر ایسا کچھ ہو جائے تو۔ جب شعاع نہیں آ رہا تھا تو جو میری فیلنگز تھیں ان کو قاری بہنوں نے زبان دے دی، دعا ہے کہ آئندہ زندگی میں کبھی یہ رابطہ نہ ٹوٹے آمین۔

سلسلے وار ناولز میں نعیمہ ناز اچھا لکھ رہی ہیں۔ ''شہر تمنا'' کے دو کردار مجھے پسند ہیں عائشہ اور شاہ میر تو دعا ہے ان کے پاٹنرز انہیں جلد مل جائیں۔

اب بات ہو جائے رسالے کی جان موسٹ فیورٹ کہانی ''وہ نازنین'' زبردست کہانی کے علاوہ سب ہی کردار بہت مزے کے ہیں۔ یار دل دار، زبردست مگر افشین نعیم ناولز بالکل اچھے نہیں لکھتیں۔ مجھے عجیب سی الجھن ہوتی ہے ان کے مکمل ناول پڑھ کر زبردستی کا مزاح لکھنے کی شعوری کوشش کرتی ہیں۔ ان سے کہیں اپنے اصل انداز میں لکھا کریں نیچرل، پلیز سمیرا حمید سے کچھ لکھوائیں ناں، کتنے ماہ ہو گئے انہیں پڑھے۔ فرزانہ کھرل کو بھی لکھنے کے لیے کہیں۔ فرح بخاری، فرح خان بھٹو اور سحرش بھٹو بھی اچھا لکھتی ہیں۔ ان کی کہانی بھی زیادہ دیا کریں۔ پلیز آپ مجھے بتائیں ناں ''خط آپ کے'' میں شرکت کر سکتی ہوں کیا؟ شاہین آپا سے کہیں فرحت اشتیاق اور عمیرہ احمد کا انٹرویو ضرور لیں۔ اور زبیر احمد (ایکٹر) کا بھی۔ فوزیہ ثمر بٹ چاہے لیٹ خط بھیجیں آپ اسے سنبھال کر رکھ لیا کریں اور اگلے پرچے میں شائع کر دیا کریں مجھے وہ بہت اپنی اور اچھی لگتی ہیں۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

پلیز آپ لوگ میرے لیے دعا کریں میری طبیعت بہت خراب ہے۔ زکام بگڑ گیا ہے سر کی ایک جانب بہت درد ہوتا ہے اور ٹائیفائڈ بخار بھی بگڑ گیا ہے جس کی وجہ سے پورے جسم میں درد ہوتا ہے۔

پیاری مدیحہ! آپ کی بیماری اور تکلیف کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔ آپ کو ڈاکٹر کے علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا تو آپ حکیمی علاج پر توجہ دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین سے بھی درخواست ہے کہ اس پیاری سی رائٹر کے لیے دعا کریں کہ جلد ٹھیک ہو جائے اور ہمارے لیے اچھی اچھی کہانیاں لکھے۔

مدیحہ! یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ آپ خط ضرور لکھیں۔ ہمیں خوشی ہوگی۔ اور اپنے ارسلان بھائی کو بتا دیں، آپ کی لکھائی بہت اچھی ہے اور ہمیں پڑھنے میں قطعاً کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

طوبیٰ عبدالجبار نے دریا خان مری سے شرکت کی ہے لکھی ہیں

ہمارا اور شعاع کا ساتھ یاد نہیں کب سے ہے ویسے کافی پرانا ہے۔ چچی جان ہر ماہ لیتی ہیں۔ ہم بھی وہیں سے لے کر پڑھتے ہیں۔ ہمارا اور چچی جان کا گھر ایک ہی ہے پورشن الگ الگ ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے مدرسے کے پیپر ہو رہے تھے مجھے پتا تھا اب رسالہ ملنا تھوڑا مشکل ہے۔ مگر دل کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ڈرتے ڈرتے وہاں گئی میں نے جا کے چچی جان کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیں۔ چچی ہنسنے لگیں "بیٹا کیا چاہیے" میں نے کہا "وہ رسالہ!" تو چچی کہیں پیپر کا پڑھ لیا ہم نے فوراً جواب دیا "جی جی سارا یاد کر لیا" تو چچی کہیں سناؤ مجھے ہاہاہا، خیر وہاں سے رسالہ لے کر الٹے پاؤں بھاگے۔

میں کیا بتاؤں، کیسے میں پورا رسالہ پڑھتی ہوں رات لائٹ آف ہوتی تھی اور میں موبائل کی روشنی سے سخت گرمیوں میں کمرے میں گھس کے پڑھتی جب تک رات کو کوئی کہانی نہ پڑھ لوں نیند نہیں آتی۔

"محبت کے رنگ" کہانی بہت اچھی لگی بہت ہی مزاحیہ لکھی افشین آپی نے۔ جب رضا، ہادی کو لے کر جاتا ہے ہانیہ سے ملوانے تو ہادی کی نظر دادی پر پڑ جاتی ہے۔ پڑھ کر بہت ہنسی جب ہنس کے فارغ ہوئی تو ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے۔ "وہ نازنین" بھی بہت ناول جا رہا ہے۔ "زرینہ" ناول بہت اچھا لگا۔ وہاں سے بہت ہنسی آئی جہان ایمل کہتا ہے۔ "تم لوگ جب کٹنگ کے لیے پارلر جاتی ہو تو اس اسٹائل کو جھٹکا اسٹائل کہہ کر بال کٹواتی ہو" یہ والا سین میں نے سب کو سنایا۔ میری کزنز نہیں رہی تھیں میں نے زبردستی سنایا۔ میری کزنز کہتی ہیں ویسے نیند سے بھری رہتی ہے جب کہانیاں ناول کا نام آئے تو دیکھو کیسے کرنٹ کی طرح اٹھتی ہے اور باقی سارے افسانے اور ناول بھی بہت اچھے تھے۔

پیاری طوبیٰ! پہلے تو ہم آپ کی چچی جان کا شکریہ ادا کریں گے جو ہر ماہ شعاع منگواتی ہیں اور ان کی وجہ سے شعاع آپ تک پہنچتا ہے۔ آپ انہیں ہمارا اسلام پہنچا دیں شعاع کے حصول سے لے کر مطالعہ تک آپ جس قدر تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اس سے شعاع سے آپ کی محبت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

دعا مصطفیٰ نے خیر پور میرس سے لکھا ہے

سب سے پہلے ٹائٹل لیڈی کی بات ہو تو اس کے گجرے ایئر رنگ پسند آئے۔ ویسے آپی میری ایک چھوٹی سی فرمائش ہے کہ علیزے شاہ کو ٹائٹل پر لگائیں۔ اس کے بعد "پہلی شعاع" مجھے بہت ہی اہم لگی۔ انٹرویو میں نے نہیں پڑھا اور نہ ہی پڑھوں گی، دستک میں سمیعہ بخش سے ملاقات اچھی لگی۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے، واہ بھئی پڑھ کر مانو دل خوش ہو گیا۔ مجھے..... باجی بہت ہی سادہ اور مخلص لگیں اللہ کرے وہ ہمیشہ اپنے گھر میں خوش رہیں آباد رہیں۔ ماہ طلعت کا ناول بہت اچھا تھا بالکل حقیقت پر مبنی، ماہ طلعت جی لگتا ہے نئی رائٹر ہیں اور اتنا اچھا لکھا سو اسٹرنج۔ (سلیقہ بی بی) ویری نائس، (خالی ہاتھ) مجھے بڑا غصہ آیا علی پر اور پھر رمیض پر بھی اتنا ہی پیار آیا۔ افسانے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ابھی پڑھے نہیں ''خط آپ کے'' سب بہنوں کے خط پڑھے، بہت سی بہنوں کے خطوں میں ان کی فیملیز کو اعتراض ہے کہ یہ رسالے اچھے نہیں ہوتے بھئی بڑی حیرانی ہوئی۔ اب میرے والدین کو دیکھ لیں بھلے سے ہم سید ہیں، وہ بھی بخاری لیکن اللہ کا کرم ہے کہ میرے ابا کی سوچ بہت اچھی ہے۔ وہ لبرل خیالات کے مالک ہیں۔ سچ میں ان کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ماں کے مقابلے میں خاص کر میں اپنے ابا جانی سے زیادہ اٹیچ ہوں۔ باتوں سے خوشبو آئے یہ سلسلہ میرا من پسند ہے۔ آخر میں تین چھوٹی سی فرمائشیں کہ نورینہ امتیاز نعت خواں اور اداکارہ علیزے شاہ کا، کومل عزیز وہ بھی اداکارہ ہیں ان کا تفصیلی انٹرویو کریں۔

پیاری دعا! آپ کی فرمائشیں شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔

آپ کے ابا واقعی بہت اچھے ہیں۔ انہیں ہمارا سلام پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ آپ کے سر پر سلامت رکھے۔ آمین۔

مسکان نور نے لاڑکانہ سے لکھا ہے

ٹائٹل زبردست تھا۔ ''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' بہت اچھی لگیں پھر پہنچی خط آپ کے۔ میں صدف ناصر کا خط پڑھ کر ہنسی کے ساتھ آپ پر بہت پیار بھی آیا تھا۔

''شام کی حویلی میں'' یہ قسط بھی اچھی لگی۔ کشف کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ ''شبو کا دولہا'' حمیرا اشفیع بہت پیاری کہانی لکھی آپ نے۔ ''ساجی کی کہانی''، مایوسیاں انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں لیکن جو لوگ اللہ سے مایوس نہیں ہوتے وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ محبت کے رنگ، فشین نعیم آپی! آپ بہت اچھا لکھنے لگی ہیں۔ آج کی اکبریٰ، ویری ویری نائس اسٹوری لگیں۔

جویریہ مریم نے بھی بہت پیارا لکھا۔ شکستہ پا، شمیم رانی آپی جس موضوع پر بھی لکھتی ہیں کمال کا لکھتی ہیں۔ زرینہ، بہت خوب صورت تحریر تھی۔ مالا مال، کمال کی اسٹوری تھی۔ ''پانچواں قصہ'' اچھی لگی۔ امی میں صدیقہ انور آنٹی کی شکر کرنے والی عادت مجھے بہت پسند آئی۔

☆ پیاری مسکان! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں گئیں۔ جولائی کے شمارے کیلئے لکھا خط ہم اس ماہ شامل کر رہے ہیں۔

کلی چشتی نے میاں چنوں سے لکھا ہے

اگست کا شعاع بہت اچھا لگا۔ ''دل آباد'' ناقابل یقین لگا۔ افسانے سارے کمال تھے۔

ناولٹ میں ''سلیقہ بی بی'' فضول تھا۔ باقی تمام سلسلے بہت اچھے جیسا کہ ہمیشہ ہوتے ہیں۔

12 اگست کو میری بیٹی اسما احمد رضا چشتی کی سالگرہ ہوتی ہے آپ اس کو وش کر دیں۔

افتخار ٹھاکر کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا کہ وہ تعلیم یافتہ ہیں۔ خیر لگتے نہیں وہ اور بات ہے۔

☆ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ، پیاری بیٹی اسماء کو سالگرہ کی مبارک باد اور دعائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔

نہیدہ جاوید ملتان سے لکھتی ہیں

شعاع میں پہلا خط ہے امید کرتی ہوں آپ شائع کریں گی اور ایڈٹ کم کریں گی، میری تجاویز پر عمل بھی کریں گی۔

اداریہ ہمیشہ دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے۔ احادیث کا سلسلہ قابل تعریف ہے۔ معذرت کے ساتھ شعاع کا سالگرہ نمبر بالکل پسند نہیں آیا۔ کوئی انفرادیت یا کچھ نیا نہیں تھا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ سالگرہ نمبر میں کسی بڑی مصنفہ کا دھماکہ دار انٹرویو کریں۔ رسالے کے فرنٹ کے سائز اور اسٹائل میں تبدیلی کریں اور رسالے کی گرافک ڈیزائننگ میں نیا پن ہو۔ کتنے سالوں سے ایک جیسا ہی اندر سے شعاع ہوتا ہے۔ پلیز ناتا جوڑا کا سلسلہ ختم کریں، ہر بار ایک طرح کے سوال و جواب، کوئی اور سلسلہ شروع کریں۔ پتا نہیں کیوں آپ تبدیلی نہیں کرتیں۔ ''شعاع کے ساتھ'' کا سلسلہ ہر ماہ دیا کریں اور اس کے سوالات کو زیادہ اور دلچسپ کر کے سوالات کو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کہانیوں کا معیار کم

Nawar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوتا جارہا ہے ہر سلسلے وار کہانی میں طوائف کا کردار ہوتا ہے اور مکمل ناول بھی یہاں تک کہ ناولٹ بھی صرف عشق اور محبت کی کہانیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ رائٹرز سے کہیں کہ پیار اور محبت کے علاوہ بھی بہت موضوعات زیر بحث لائے جائیں۔ کشمیر کے موضوع پر کچھ لکھیں۔ ایسا سلسلے وار ناول شروع کریں جس میں مرد و عورت کو وطن کی محبت کی طرف راغب کیا جائے۔ پولیس اور ہسپتال کے ماحول اور اس میں ہونے والی باتوں اور سرگرمیوں کو کہانیوں میں زیر بحث لایا جائے۔ جیل میں مقیم مرد یا عورت کی کہانی، کسی وادی کی منظر کشی کی کہانی اور بھی مختلف موضوعات ہیں جو زیر بحث کہانیوں میں لائے جائیں اب رائیٹرز سے کہیں کہ ان عنوانات پر لکھیں اور کچھ بھی لکھیں اس میں انفرادیت آئے۔ صرف پیار، محبت اور ساس بہو اور نندوں اور سسرال پر نہ لکھیں۔ شعاع میں خطوط بہت کم ہوتے ہیں زیادہ خطوط دیا کریں۔ اور ہاں خدارا ''آئینہ خانے میں'' کا سلسلہ بند کردیں ہر جگہ اداکاروں پر بحث اف اللہ! یہ صفحات خطوط یا کسی نئے سلسلے میں لگائیں۔ رائٹرز کے طویل پانچ یا زیادہ صفحات کے انٹرویوز شائع کریں یا کوئی سلسلہ شروع کریں کہ قاری بہن رائٹرز سے سوالات کریں۔ پلیز مرحومین رائٹرز کے کبھی ناول یا افسانے یا انٹرویوز یا کوئی سروے شائع کریں کبھی تو کریں سالگرہ یا سال نومبر میں ہی کتنی بار قاری بہنوں نے فرمائش کی ہے جس میں انتہائی تفصیل سے پتا چلے کہ شعاع پورے مہینے میں ابتدا سے تکمیلی مرحلے تک کیسے تیار ہوتا ہے۔ کیسے آفس میں کون کون کس طرح کیا اور کب کون سا کام کرتا ہے۔ ادارے کے معاونین کی تصاویر دیں۔ سرورق پر کبھی منظر کشی والا بھی سرورق دیں۔ کافی عرصے سے آپ نے دلہن والا سرورق نہیں دیا۔ رضیہ جی آپ، نادرہ خاتون، شاہین رشید، امت الصبور اور دوسری بھی کبھی اپنے دیدار سے فیض یاب فرمادیں شعاع میں ہم ہم ہم ..... 1993ء اور اس کے بعد کے رسالوں میں بہت ہی دلچسپ انٹرویوز رائٹرز کے ہوتے تھے سروے کے ساتھ ساتھ مگر اب ایسا نہیں ہوتا۔ ''فرینہ سے ملاقات کروائیں۔ نگہت عبداللہ، نگہت سیما، آسیہ مرزا، شبانہ شوکت، راحت اور فرحت جبیں، عالیہ، ثمرہ، فرح ان کا بھی انتہائی تفصیل سے قسط وار اور یا پھر پانچ سے سات صفحات کا انٹرویو کریں۔ کہانیاں بھی توجہ کی مستحق ہیں۔ پلیز کبھی کوئی تاریخی کہانی بھی دیا کریں۔ رائٹرز کو تاریخی کہانیاں لکھنے کا کہیں۔ مہر نزاکت مہری، سحر تبسم سحری، جیتا اور کوثر خالد آپ ہر ماہ خط لکھا کریں۔ مہر نزاکت مہری اور ماہا بشیر حسین میری پسندیدہ تبصرہ نگار ہیں۔ یہ بلاوجہ مکھن اور دیسی گھی نہیں لگاتیں جو دل میں ہے وہ کہتی ہیں۔

ج: پیاری بہن! شعاع کی قارئین کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ ہمارے پرچے کو ہر عمر اور ہر مزاج کی خواتین پڑھتی ہیں۔ اس لیے ہم پرچے میں ہر طرح کی تحریریں شامل کرتے ہیں۔ گھریلو بھی، معاشرتی اور مذہب سے متعلق بھی لیکن ملکی مسائل اور حالات کا ذکر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں میں قوت برداشت اور رواداری کا جذبہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ اگر ہم کسی لیڈر کا کام بھی لکھ دیں تو کچھ قارئین کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا ہے۔ ایک خاتون نے باقاعدہ فون کرکے کہا کہ آپ نے کہانی میں سڑک کی تعریف کی تو آپ کا اشارہ فلاں لیڈر کی طرف تھا۔ اس لیے ہم اس طرح کے موضوعات سے دور ہی رہتے ہیں۔

جہاں تک شعاع کی ظاہری شکل و صورت کا تعلق ہے تو ہر پرچے کی ایک پہچان اور شناخت ہوتی ہے جو اس کی کتابت، طباعت کے آؤٹ اور تصاویر سے بنتی ہے۔ صرف تبدیلی کے لیے اس شناخت کو بدلا نہیں جاسکتا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہماری قارئین اس تبدیلی کو پسند بھی کریں یوں بھی ضروری نہیں کہ ہر تبدیلی خوش گوار ثابت ہو۔ ہاں رائٹرز کے انٹرویو کا مشورہ بہت اچھا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ سے ہم رائٹرز کے انٹرویو بھی دیں گے۔

ماتا جوڑا ہے کا سلسلہ قارئین کو بے حد پسند ہے اگر دیگر قارئین نے بھی آپ کی تائید کی تو پھر ہم اس سلسلہ کو بند کرسکتے ہیں ہمیں ہر ماہ تعریفی یا تنقیدی جو بھی خطوط موصول ہوتے ہیں وہ ہم شامل کرتے ہیں۔ ماہا بشیر حسین اور مہر نزاکت مہری کے خطوں میں تنقید ہوتی ہے لیکن وہ جگہ پاتے ہیں۔

www.pakistanipoint.com

کراچی سے ماہ نور انجم لکھتی ہیں

کئی ماہ بعد محفل میں شرکت کر رہے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ آپ تھوڑی سی جگہ ضرور عنایت فرمائیں گی۔ ٹائٹل کا مجموعی تاثر اچھا تھا۔ پہلی شعاع پڑھ کر سلسلہ وار کہانیوں کی جانب بڑھے۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے لیکن زرقا سکندر کا افسانہ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ اب آتے ہیں افسانہ آف دی منتھ پر تو یہ سہرا بلاشبہ عمارہ خان کے مشکلیں مجھ پر کو جاتا ہے۔ اتنا خوب صورت اور رواں انداز، واہ بھئی کیا کہنے۔ عمارہ خان اب آپ کی اگلی شاندار تحریر کا انتظار ہے۔ ''دل آباد'' سر پر سے گزر رہا تھا، مطلب بامشکل چار صفحے پڑھے اور بس ہمت جواب دے گئی۔ سلیقہ بی بی میں کافی جھول محسوس ہوئے، تحریر نے اپنے ساتھ باندھا نہیں۔ البتہ خالی ہاتھ کافی پسند آئی۔ پسند آنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کہانی کھینچنے کے بجائے بالکل درست انداز سے اختتام تک پہنچایا اور دوسری اہم وجہ کہ اکثر کہانیوں اور ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ جب کوئی پچھتاوے کا شکار ہو کر پلٹے تو اسے معاف کر کے جو اچھا ہو اسے چھوڑ کر پلٹ جاتے ہیں۔ اب ذرا بات ہو جائے وہ نازنین ں و فرح بخاری نے ہر قسط میں کوئی نہ کوئی جھٹکا ضرور دینا۔ ہر ماہ کسی سنسنی خیز موڑ پہ قسط کا اختتام کر دیتی ہیں۔ ہم معصوم قاری بہنوں کے نازک دلوں کا کچھ تو خیال کیجیے (آنکھوں میں پانی بھی آ گیا ہے) بہرحال کہانی جاندار شاندار طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے بس زیادہ لمبا مت کھینچیے گا (درخواست ہے) اور ہاں ٹریجک اینڈ کیجیے گا کیونکہ اس ناول کا ہیپی اینڈ کچھ مزہ نہیں دے گا۔ ''تاریخ کے جھروکے'' اس بار بھی بہت حیرت انگیز لیکن دلچسپ معلومات پر مبنی تھا۔ اس ماہ مسکراہٹیں سب ہی تقریباً پرانی تھیں۔

انٹرویو میں عائزہ، عروہ حسین اور فرحان سعید کے تفصیلی انٹرویو شائع کریں۔

ج: پیاری ماہ نور! آپ نے کئی ماہ بعد شرکت فرمائی اگر آپ ہر ماہ بھی شرکت کریں تو ہم آپ کو جگہ ضرور دیں گے۔ ہر ماہ شرکت کرنے والی بہنوں سے ہمیں زیادہ اپنائیت محسوس ہوتی ہے شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ ٹریجک اینڈ ہماری نازک دل قارئین برداشت نہیں کر پائیں گی اور سچ بات تو یہ ہے کہ ہمیں بھی رونا دھونا بالکل پسند نہیں۔

زینب نور جہانیاں سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

کب سے ہاتھ میں کاغذ پینسل پکڑے بیٹھی ہوں۔ لکھوں یا نہ لکھوں؟ جولائی کے شمارے پر تبصرہ۔ وہ بھی اس وقت جب میری بہنیں اگست کے شمارے پر تبصرہ کر رہی ہوں گی۔ آخر کار ہاں نے ناں کو مات دے دی۔

ٹائٹل گرل کے بیٹھنے کا انداز بہت اچھا تھا۔ مگر کپڑے ایسے تھے جیسے کسی کی امی کے بری یا جہیز کے ٹرنکوں سے نکال کر پہنے ہوں۔ حمد و نعت سے مسرور اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے اور آگے بڑھے۔ سب سے پہلے شہر تمنا پڑھا، شکر ہے نعیمہ صاحبہ نے کہانی کو آگے سرکایا۔ جھکا جان اور سید صاحب بہن بھائی ..... واٹ؟ واہ کہاں جا کے پیوند لگایا ہے۔ ''وہ بہترین وقت تھا'' سے لے کر ہم کتنے خوش نصیب ہیں اور بدنصیب بھی'' تک پورا پیراگراف کہیں بیسیوں بار پڑھا۔ بہت زبردست پیراگراف تھا۔

''شام کی حویلی'' اس قسط نے مزا نہیں دیا۔ افشین نعیم کا ناول کچھ خاص نہیں لگا یا دل دار کی کمی بہت شدت سے محسوس کی۔ گل ارباب کا ناول زرینہ لاجواب تھا۔ واقعی اصل ہیروئن تو زرینہ ہی تھی۔ ناولٹ نازنین ہمیں پہلے سے پتا تھا کہ فرح بخاری نے واسع کو اگلے جرگے کے لیے وقت کیوں دیا ہے۔ واسع کو باغ جو جیتنا تھا۔

اور اس مہینے کی سب سے اعلا تحریر ''مالا مال'' قانتہ رابعہ جی بہت زبردست لکھا۔ آگے افسانوں والی گلی میں چلیے ذرا..... یہ دیکھیں یہاں کا سب سے بہترین افسانہ پانچواں قصہ منعم ملک آپ کو پورے تین بار سلام، دوسرے نمبر پر حمیرا شفیع کا پاریچ میں سب کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے آج تک اپنے خاندان کی کسی عورت کو ساڑھی پہنے نہیں دیکھا۔ لیکن حمیرا جی ایک بات کہوں؟ شبو کی ماں کی پابندیاں بے جا نہیں تھیں۔ لوگ خود چاہے

www.pakistanipoint.com

جو مرضی کریں مگر کسی عالم، امام مسجد کے بچوں کو فرشتہ بنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری بات اکثر ہی کہی سنی جاتی ہے کہ عورت گھر میں رہ کر جو مرضی کرے مگر یہ بھی تو دیکھیے کہ دوپٹہ عورت کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اب باپ بھائیوں کے سامنے ساڑھی پہن کے تو نہیں نہ پھرا جاتا اور نہ ہی سج سنور کے سامنے آیا جاتا ہے۔ شوہر کے لیے تیار ہوں اور اسلام نے یہ حق دیا ہے عورت کو۔ لیکن اتنی سی بات کا دھیان ضرور رکھیں کہ سسرال میں سسر بھی ہوتا ہے اور دیور جیٹھ بھی جن کے بارے میں حدیث ہے ''یور تو موت ہے'' تو پیاری بہنوں اس بات کا خیال ضرور رکھیے گا۔

ہمارے ہاں بالکل بند ماحول نہیں ہے۔ بڑی بہنوں نے شادی کے بعد تیار ہونا شروع کیا ہے۔ امی کسی عید شادی کے موقع پر ہمیں کہہ سکتی ہیں کہ ہلکی سی لپ اسٹک ہی لگا لو مگر..... ہم کاجل لگا، دوپٹے کا حجاب بنا کے چلتے بنتے ہیں۔ البتہ چھوٹی بہنیں ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر سلیقے سے دوپٹہ اوڑھ کر ہر فنکشن میں سب سے مختلف سادہ اور بہت پیاری لگتی ہیں۔

سچ بتاؤں تو گھر کے اصولوں سے ہٹنے کو کبھی دل ہی نہیں چاہا۔ ہمیں یہ سب ہی اچھا لگتا ہے شاید پانی کی دھار کو پتا ہوتا ہے کہ کس رخ بہنا ہے۔ اللہ جی..... یہ ٹاپک تو بہت لمبا کر دیا میں نے باقی افسانے بھی اچھے لگے۔

''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' شازیہ اکرم کا انداز تحریر بہت پسند آیا۔ شازیہ اپیا..... اٹیچڈ باتھ روم نہ ہونا، کچن میں سنک نہ ہونا، یہ کوئی برائی تو نہیں ہے۔ مانا کہ آپ کو ایڈجسٹمنٹ میں بہت مشکل ہوتی ہوگی کیونکہ آپ عادی نہیں ہیں۔ مگر آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو تو پتا ہوگا ناں کہ گاؤں میں چیدہ چیدہ گھروں میں ہی ایسا ہوتا ہے ورنہ سب گھروں میں ایک کونے میں روم تو دوسرے کونے میں باتھ روم..... ہم گاؤں والیوں کا کچن میں گرمی سے دم گھٹتا ہے اس لیے گرمیوں میں تو صحن میں ہی چولہا رکھتے ہیں۔

''خط آپ کے'' آہ..... پیاری فائزہ کہاں تھیں آپ اتنے عرصے سے.....؟؟ آپ کے بھائیوں جیسے کزن کی صفات کا پڑھا۔ حقیقی معنوں میں آنسو پلکوں پہ آن ٹھہرے۔ اللہ پاک جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ماہا بہنا میں نے وہ بات خدانخواستہ طنزاً نہیں کہی تھی۔ مذاقاً ایسا کہا تھا اگر آپ کو برا لگا تو معذرت چاہتی ہوں اور اللہ پاک بھی مجھے معاف فرمائے۔ تنقید واقعی آپ کا حق ہے مگر صرف تحریروں پر۔ نہ اللہ پر اور نہ ادارے پر..... آپ کا انداز تحریر ویسے پسند ہے مجھے۔

تبسم چندا آپ تو اب بہت اپنی اپنی سی لگنے لگی ہیں۔'' اللہ پاک آپ کو اتنی ڈھیر ساری خوشیاں دے۔ خواتین میں آپ کا سروے پڑھا تو احساس ہوا کہ آپ اور ماہا کو اللہ پاک نے صبر کے اعلیٰ منبر پر بٹھا رکھا ہے۔ اللہ پاک آگے کی زندگی سہل فرمائے۔

تاریخ کے جھروکے اعلا ترین سلسلہ ہے۔ یہ کبھی بھی مس نہیں ہونا چاہیے۔

آخر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اگر میری کسی بات سے کسی بہن کی دل آزاری ہوتی ہے تو برائے مہربانی مجھے بتا دیا کریں تاکہ آئندہ ایسی بات کہنے سے بچ سکوں۔

ج: پیاری زینب! ہمیں اندازہ ہے کہ پرچا آپ کو تاخیر سے ملتا ہے اس لیے ہم آپ کا جولائی کے شمارے کے لیے لکھا تبصرہ شامل کر رہے ہیں۔ آپ کا تبصرہ بہت اچھا ہے اور جو باتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ بہت حد تک درست ہیں سچ تو یہ ہے کہ مڈل کلاس میں زندگی رشتوں کو نبھاتے اور سمجھوتے کرتے ہی گزرتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت کی خوشیاں بھی ان ہی رشتوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ عورت کی فطرت میں اللہ نے اتنی لچک رکھی ہے کہ وہ جس ماحول میں جاتی ہے اسی میں ڈھل جاتی ہے۔ آپ بہت نیک، بہت پیاری بچی ہیں۔ بہت اچھے دل کی مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں دے۔

زینب آپ دیہاتی زندگی پر اور دیہاتی کے ماحول پر لکھیں۔ وہاں کے ماحول اور رہن سہن پر۔ ہمیں یقین ہے آپ بہت اچھا لکھیں گی۔

☆☆

www.pakistanipoint.com

ماہنامہ کرن

ستمبر 2020ء کے شمارے کی ایک جھلک

- اداکار ''عرفان کھوسٹ'' سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ ''ماہ نور خان'' کہتی ہیں ''میری بھی سنیے''،
- اس ماہ ''شکیلہ سہیل حسن'' کے ''مقابل ہے آئینہ''،
- ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت عبداللہ کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط،
- ''کنارِ خواب جو'' فرح بخاری کا مکمل ناول،
- ''ہجر اثاثہ رہ جاتا ہے'' قرۃ العین سکندر کا مکمل ناول،
- ''الٹی ہوگئی سب تدبیریں'' فوزیہ احسان رانا کا مکمل ناول،
- ''کانچ سے سائبان'' مصباح علی سید کا ناولٹ،
- ''جاہل'' میمونہ صدف کا ناولٹ،
- عائشہ تنویر، صدف آصف، صبا بہار اور تانیہ چوہدری کے افسانے اور مستقل سلسلے،

''کرن کتاب''

تلسی بڑھائے بیوٹی، افغان جیولری زیورات کا نیا اسٹائل، کچن کو صاف رکھیں مگر کیسے؟
ہمیشہ ساس کیوں غلط ہوتی ہے؟ کچن اور آپ، کرن کا دسترخوان۔

ستمبر 2020ء کا شمارہ شائع ہوگیا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

رخسانہ نگار عدنان

کشف اپنے پرانے طرز کے گھر سے شدید بے زار ہے اور وہ اپنی آنی سے ہزار بار کہہ چکی ہے کہ وہ اس گھر سے جان چھڑالیں لیکن وہ ہر بار اس کی بات ہنس کر ٹال دیتی ہیں۔ کشف گلیوں سے گزرتے خوانچا فروشوں سے بھی سخت بے زار رہتی ہے اور انہیں حسب توفیق بد دعاؤں سے نوازتی رہتی ہے۔

طاہرہ بیگم کا اپنے گھر پر کافی ہولڈ ہے۔ ان کی بہو سونیا اور بیٹا آزر دونوں ہی ان کے فرماں بردار ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی پوتی کا رشتہ ان کی مرضی سے طے ہو۔

جبکہ ردا اپنے آفس میں کام کرنے والے جبران سے محبت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ وہ اس کا رشتہ لے کر آئے۔

دوسری جانب کشف کا پڑوسی اسے چھیڑتا ہے اور وہ اس کے پاؤں پر اینٹ دے مارتی ہے۔ بعد میں اسی لڑکے کی ماں سے بھی خوب جھگڑا کرتی ہے۔

زینب شاعری کرتی ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں بھی پڑھاتی ہے وہ اپنا مسودہ حیدر کے پاس لے کر جاتی ہے تاکہ وہ سرفراز سے بات کر کے اسے چھپوا سکیں۔

آفس سے واپسی پر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور وہیں تیز برستی بارش میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہے جہاں ڈاکٹر موحد تین بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے لیکچر

pakistanipoint.com

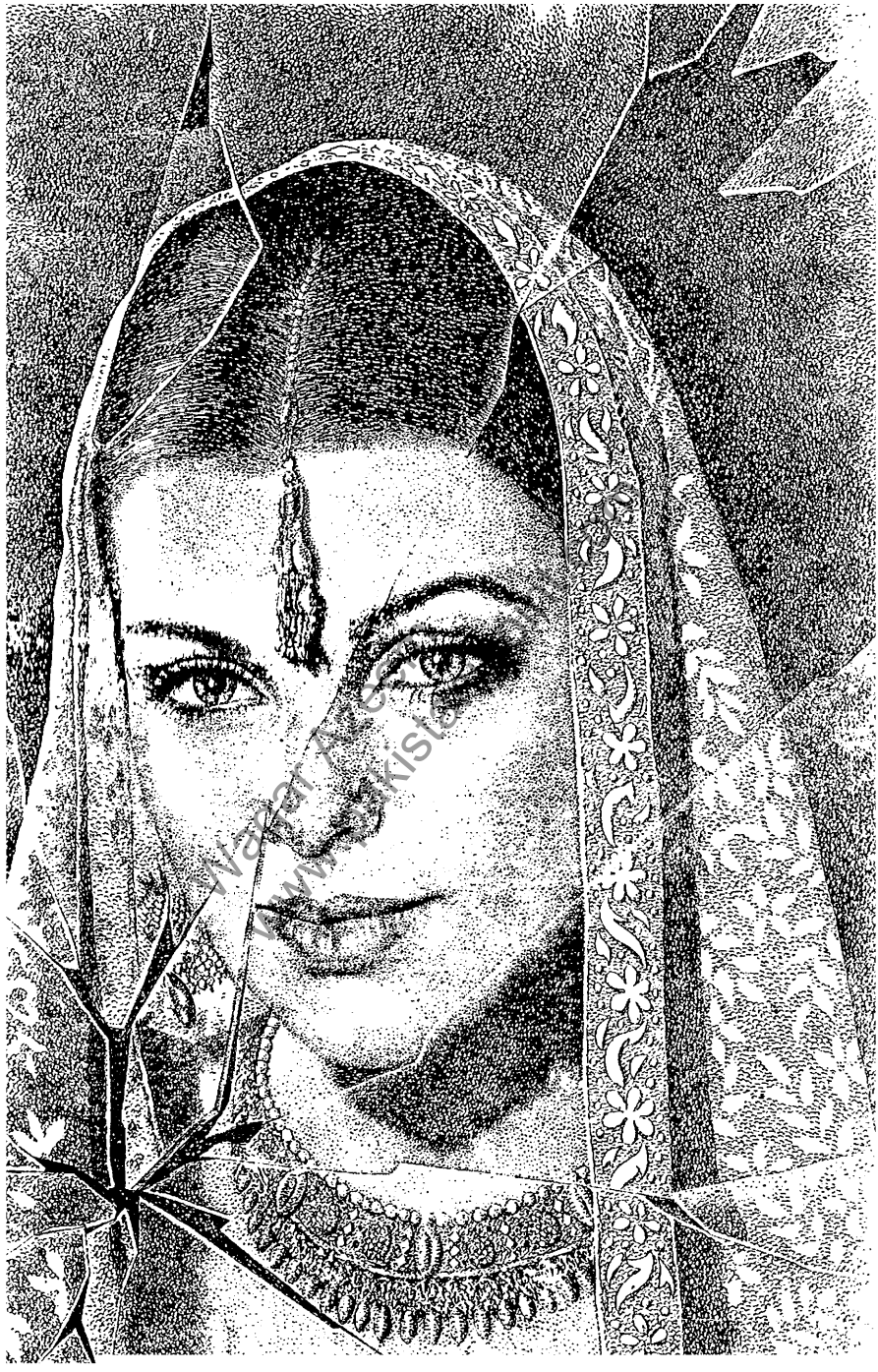

دے رہے ہیں۔ اور ہال میں تمام لوگ ساکت ہو کر سن رہے ہیں۔
کشف، ناہید کو دیکھ کر اس سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ ناہید کو زینب کی فکر ستاتی ہے اور وہ بارش سے بھی خوف زدہ ہیں۔ کشف انہیں کہتی ہے کہ زینب فون نہیں اٹھا رہی۔ ناہید اس سے بتول خالہ سے کیے گئے جھگڑے کے بارے میں پوچھتی ہیں اور اسے سمجھاتی ہیں۔
میر وخزاں کے موسم میں اپنی گاڑی میں موجود ہے اور کسی کی یاد ہے جو اسے گھیرے ہوئی ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے اگر کبھی ناراض ہوئی تو میرو اسے منالے۔ وہ ان سوچوں میں الجھا چلتا چلا جاتا ہے۔
موحد راستے میں رش دیکھ کر اترتا ہے اور سامنے بے ہوش پڑی زینب کو دیکھ کر اسے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔
آذر کو ایک فون کال آتی ہے اور وہ عجلت میں آفس سے باہر نکلتا ہے۔ زینب کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہ پا کر کشف شدید پریشان ہو جاتی ہے۔ سہیل اپنے طور پر پتا کروالیتا ہے اور اسکول بھی چکر لگا آتا ہے۔ لیکن وہ وہاں بھی موجود نہیں ہوتی۔ وہ حیدر کو فون کرتی ہے وہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کے فون پر موحد کی کال آتی ہے۔ اور وہ اسے زینب کے بارے میں بتاتا ہے۔
دوسری طرف زینب کو ہوش آتا ہے اور موحد اسے جانا پہچانا لگتا ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہے اور گھر جانے کا کہتی ہے۔ اور موحد سے اس کے باپ کا نام بھی پوچھ لیتی ہے۔ موحد اسے اس کے گھر چھوڑ کر آتا ہے۔ جہاں کشف کے ساتھ بلال بھی موجود ہوتا ہے۔ باتوں کے دوران بتول خالہ آجاتی ہیں اور ماں بیٹی کے کردار پر الزام تراشیاں کرتی بکتی جھکتی بلال کے ڈرانے پر گھر سے نکل جاتی ہیں۔
آذر، ردا کو لے کر گھر پہنچتا ہے جہاں پورا گھر ردا کی غیر حاضری کے باعث پریشان ہے۔ ردا اپنے کمرے میں جاتی ہے جہاں رمشا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیتی ہے۔ سونیا اس کے کمرے میں آتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہے کہ کیا ہوا ہے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ ردا حیران رہ جاتی ہے۔
میرو دیوار میں کیل ٹھونک رہا ہوتا ہے جب وہ عورت چیختے ہوئے آتی ہے اور اس سے جھگڑتی ہے۔ اس حسین عورت کی طرف میرو شرمندگی سے دیکھتا اس کی بدزبانی سنتا ہے۔ تبھی ان کی بیٹی آتی ہے اور اس کا سرخ لباس دیکھ کر وہ عورت پھر سے چیخنا چلانا اور آخر میں رونا شروع کر دیتی ہے۔
وہ نوجوان لڑکی ماں کی اس حالت سے شدید الرجک ہے اور کہتی ہے کہ اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔ جبکہ وہ عورت چلاتے چلاتے میرو کے گریبان میں چہرہ چھپا لیتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس سے دور نہ جائے۔
دادی، شائستہ کو فون کر کے کہتی ہیں کہ آذر اور سونیا کو اس رشتے پر اعتراض نہیں۔ وہ بیس دن بعد نکاح رخصتی کی تاریخ رکھ لیتی ہیں جبکہ دروازے میں کھڑا آذر یہ سن کر ساکت رہ جاتا ہے۔
آذر اپنی ماں سے کہتا ہے کہ انہیں رشتہ طے کرنے سے پہلے کم از کم ردا کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔ لیکن وہ بات کو یوں گھماتی ہیں کہ آذر چپ رہ جاتا ہے۔
کشف آنی سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے۔ وہ اسے ساری تفصیل بتاتی ہے۔ میر منصور باہر گیا اور وہاں جا کر دوسری شادی کرلی۔ کشف ضدی لہجے میں کہتی ہے کہ وہ ان سے ضرور ملے گی۔
سونیا، ردا سے پوچھتی ہے کہ برسات میں کیا ہوا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور جبران سے ہی شادی کرے گی۔ سونیا اسے زوردار تھپڑ مارتی ہے۔ سونیا، آذر کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی شادی کے لیے راضی نہیں۔
حیدر، زینب سے ملتا ہے تو وہ اسے کشف کے رویے کے بارے میں بتاتی ہے۔
کشف خیالوں میں گم بس میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔ اڈے پر پہنچ کر وہ چونکتی ہے اور گھبرا کر رہائشی علاقے کی طرف آجاتی ہے۔ جہاں حمزہ اسے سونیا کے گھر ڈراپ کر دیتا ہے۔ کشف کی موجودگی سے آذر بے سکون ہوتا ہے۔
میر منصور، ایما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بدتمیزی کرتی ہے جوابا وہ اسے تھپڑ مار دیتا ہے۔ ایما پولیس بلا لیتی ہے۔ گھر پر اس کی ماں ایک پر تکلف ڈنر تیار کر کے اس کا انتظار کرتی ہے۔ ایما ماں کو خوشی خوشی بتاتی ہے کہ اس نے باپ کو

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ں کے حوالے کر دیا ہے۔
کشف سونیا سے بھی اپنے باپ کے بارے میں پوچھتی ہے اور اس کے سامنے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ضرور یلہ جائے گی۔
زینب، بتول خالہ سے معافی مانگنے جاتی ہے جہاں وہ اسے کشف کی شادی کا مشورہ دیتی ہیں۔
ڈاکٹر موحد گاؤں میں ہونے والی ایک فوتگی پر جاتے ہیں اور وہاں نہ صرف جنازے میں شریک ہوتے ہیں بلکہ قبر ودنے میں بھی مدد کرتے ہیں جس پر گاؤں کے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔
سونیا زینب کو فون پر کشف کی وجہ سے بہت ستاتی ہیں۔ زینب کشف سے اس بارے میں پوچھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ ں وہ سونیا کے پاس اپنے باپ کی معلومات لینے گئی تھی۔ اسے سونیا کا عجیب رویہ یاد آتا ہے۔
آزر جبران سے ملتا ہے اور اسے بے عزت کرتا ہے، رداغصے سے باہر نکل جاتی ہے۔
کشف کچن میں ردا کو دیکھ کر ایک کپ کافی کا کہتی ہے۔ باتوں باتوں میں وہ ردا سے کہتی ہے کہ وہ اس شادی سے ں نہیں کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ ردا یہ سن کر چراغ پا ہو جاتی ہے۔ سونیا ردا کو آ کر تھپڑ مارتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس ں ماں کی وجہ سے آج تم اس گھر میں ہو اور آج ہماری عزت رہ گئی ہے۔
ہاسپٹل سے میر منصور زینب کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاتا ہے اور اسے زینی کے نام سے بلاتا ہے۔ زینب کہتی ہے کہ اس کا م زینی نہیں زینب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم جس سے محبت کرتی ہو وہ میں تھا یا کوئی اس کی خاطر میری بات سن لو۔ زینب کہتی ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی اور کبھی نہیں تھا۔ میر منصور اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ موحد کے پہنچنے پر زرین بہت خوش ہوتی ہے۔ زرین کو برے حالوں میں دیکھ کر موحد کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایما کی وجہ سے اس حال میں ہیں، میں ان کا کچھ نہیں۔
میر منصور کی یہ بات سن کر زینب حیران رہ جاتی ہے کہ زینب نے بے وفائی میں پہل کر کے شادی کر لی۔ دونوں ایک سرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ منصور یہ سن کر پریشان ہو جاتا ہے کہ تیئس سال سے اکیلی رہ رہی ہے۔
کشف زینب سے فون پر کہتی ہے کہ وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے زینب منع کر دیتی ہے۔
کشف کی آنکھ ایک ڈراؤنے خواب سے کھلتی ہے۔ وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھتی ہے نائم دیکھتی ہے۔ ابھی تو بارہ بھی نہیں جے تھے۔ پانی پی کر وہ خالی گلاس لے کر باہر جاتی ہے۔ کچن میں اندھیرا ہوتا ہے۔ وہ ڈسپنسر سے پانی لینے آگے بڑھتی ہے۔ کہ اس کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹ جاتا ہے۔ کسی نے اس کو بری طرح اپنے بازوؤں میں لے کر جھنجھوڑا تھا۔ اس نے چیخنا چاہا تو کسی نے اس کے منہ کو پوری قوت سے بھینچ دیا۔
کشف پر حملہ کرنے والا کوئی اور نہیں آزر تھا۔ سونیا آزر سے پوچھتی ہے۔ اس کی چیخ و پکار سن کر رمشا، ردا اور طاہرہ بھی آجاتے ہیں۔ آزر ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ میں نے صرف اپنے بیٹے کو اس سے بچانے کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے سے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ حمزہ یہ سن لیتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پاتا۔ طاہرہ بیگم آزر کی حمایت کرتی ہیں۔
حیدر کشف کو سمجھاتا ہے کہ وہ گھر کے اندر آجائے۔ بلال ثمینہ کو اس کے کمرے میں لے جاتا ہے۔ ماں کو کمرے میں وڑ کر بلال کشف کو اندر صالحہ کے کمرے میں لے آتا ہے لیکن کشف وہاں رکنے پر تیار نہیں ہوتی صالحہ اسے کہتی ہیں کہ صبح خود اس کے ساتھ اس کے گھر چلیں گی۔
ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے کہ اسے طلاق چاہیے۔ بلال سمجھاتا ہے تو وہ کہتی کہ بلال اپنے باپ کی حمایت کرتا ہے۔ وہ پنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے۔
موحد ایما سے ملنے ہاسپٹل آتا ہے جہاں زریں اسے کہتی ہے کہ وہ منصور کو چھوڑ دے گی بس موحد اس کے پاس آجائے۔ منصور کو ن کر احساس زیاں ہوتا ہے وہ زینب کے پاس جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ کشف صالحہ بیگم کے ساتھ اپنے گھر آجاتی ہے۔
موحد کے پاکستان واپس جانے کا سن کر زریں بہت دکھی ہوتی ہے۔ دیتی اپنے بچے کے ساتھ جورات جنگل میں ارتی ہے اس سے اس میں اتنی ہمت آجاتی ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے تنہا جینے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ زینب اس کی کہانی ے بہت متاثر ہوتی ہے۔
آزر ہاں اور بیوی کے ساتھ رمشا کو بھی لے کر ایئر پورٹ جاتا ہے گھر میں ردا اکیلی ہے۔ اچانک وہاں وہ ایک جانی پہچانی آواز سنتی ہے۔ زینب سے ملنے کے لیے منصور ہوٹل آتا ہے۔ وہیں اس کی ملاقات موحد سے ہوتی ہے۔ وہ اس غیر

www.pakistanipoint.com

متوقع صورت حال پر حیرانی سے اسے دیکھتا ہے۔
ردا گھر میں اکیلی ہوتی ہے فرحان آکر اسے اکساتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ چلے ردا کے انکار پر اسے غصہ آجاتا ہے اور وہ بد نیتی پر اتر آتا ہے۔ ردا اپنے آپ کو زخمی کر لیتی ہے فرحان بھاگ جاتا ہے۔ حمزہ آکر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے۔
منصور زینب سے ملنے آتا ہے تو وہاں موحد بھی پہنچ جاتا ہے موحد حیران ہوتا ہے کہ زینب سے منصور کا کیا تعلق ہے منصور بتاتا ہے کہ وہ اس کی فرسٹ کزن ہے۔
زینب کا شاپنگ پر جانا تھا منصور اسے اس کے والد کا واسطہ دے کر کہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ پر چلے۔ اسے سونیا اور اس کی بیٹیوں کے لیے شاپنگ کرنی تھی۔ منصور اس کے لیے ایک ساڑھی گفٹ لیتا ہے۔ زینب کو ماضی یاد آتا ہے کہ وہ سونیا کی شادی میں اس کے لیے ساڑھی لایا تھا۔ وہ اس کی دی ہوئی ساڑھی ریسپشن پر چھوڑ جاتی ہے۔ منصور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔
بلال کشف سے ملنے آتا ہے کشف اس سے رکھائی سے پیش آتی ہے۔ اس کے یہ پوچھنے پر کہ وہ سونیا کے گھر سے رات میں کیوں آئی کشف ناراض ہو جاتی تھی۔
سونیا ردا کی حالت دیکھ کر پریشان ہے کہ اس کے سسرال والے آچکے ہیں اور کسی وقت بھی ہوٹل سے گھر ملنے آسکتے ہیں۔ ردا کہتی ہے کہ وہ چکرآنے پر گر پڑی تھی۔ موحد کے جانے کے بعد زرین منصور سے معافی مانگتی ہے منصور کے نہ ماننے پر کپ توڑ دیتی ہے۔
سونیا آکر کشف سے معافی مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ زینب یا کسی کو پتا نہ چلے۔
زینب پاکستان آکر حیدر کے ساتھ آتی ہے وہ یہ جان کر حیرت زدہ ہے کہ کشف سونیا کے گھر نہیں بلکہ اپنے گھر میں ہے۔ حیدر یہ جان کر کہ زینب منصور سے کینیڈا میں مل چکی ہے، چونک جاتا ہے۔
سونیا اور آذر نے شائستہ اور سلیمان کی دعوت اپنے گھر میں رکھی تھی جس میں ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ رمشا ردا کو تیار کرتی ہے۔ ردا رمشا سے محبت کے حوالے سے بات کر رہی ہوتی ہے کہ دروازے میں سلیمان کو کھڑا دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔
موحد کو زینب ڈنر پر انوائیٹ کرتی ہے۔ کشف کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈنر پر موحد سے بدتمیزی کرتی ہے۔ میر وجیل میں بیٹھا شدید غم میں ہوتا ہے۔ اسے اپنی بیٹی سے اس حرکت کی توقع نہیں ہوتی۔ ردا کو جبران الزام دیتا ہے۔ اور پھر اسے کہتا ہے کہ وہ کل ہر اس صورت اس سے ملاقات کرلے جبران ردا کو ایک انجان جگہ لے جاتا ہے۔
حیدر، زینب کو میر منصور کا کینیڈا کا ایڈریس دینا بھول جاتا ہے۔ رمشا، کشف کے آنے پر بہت خوش ہوتی ہے۔ طاہرہ بیگم ان سے اجازت لیے بغیر کشف کے وہاں آنے کا بہت زیادہ برا مناتی ہیں۔ کشف کو لگتا ہے کہ وہ مرجائے گی۔ وہ سونیا سے وہاں سے جانے کی ضد کرتی ہے۔
میر منصور کے گھر فون آتا ہے کہ ایمان بلڈنگ سے گر کر انتہائی زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ زینب کی وہاں بہت پذیرائی ہوئی ہے۔
موحد کو ایمان کے زخمی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ وہ پریشان ہوتا ہے۔ منصور اور زرین میں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے۔ منصور کو اپنی ماں کی بات یاد آتی ہے کہ انہوں نے زینب کی شادی کر دی ہے۔
طاہرہ بیگم سونیا کو سخت سست سناتی ہیں۔ آزر کو بھی کشف کا وہاں رہنا پسند نہیں آتا۔
کشف گھبرا کر موحد کے پاس جاتی ہے وہ اپنی پریشانی میں الجھا ہوتا ہے۔ کشف کو ناگوار گزرتا ہے۔ زینب فون پر کشف کو ڈانٹتی ہے کہ وہ بغیر بتائے سونیا کے گھر سے کیوں نکل آئی۔ زینب کے ساتھ آئے ایک شاعر کو دل کا دورہ پڑتا ہے اور سب کے ساتھ زینب بھی انہیں دیکھنے اسپتال جاتی ہے۔ جہاں اس کا سامنا میر منصور سے ہوتا ہے۔ وہ دونوں حیران رہ جاتے ہیں۔
موحد کے کینیڈا جانے کا سن کر کشف موحد سے کہتی ہے کہ وہ بتا کر جاتا تو وہ اپنے باپ کا اتا پتا معلوم کروا لیتی اس سے۔ موحد کہتا ہے کہ تمہاری آپی کا بھی تو کینیڈا میں رابطہ ہے ان کے کزن ہیں وہاں۔ کشف کی حیرانی پر پوچھتا ہے کہ زینب کی اجازت کے بغیر اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ کشف سے اس کے والد کا نام پوچھتا ہے اور منصور احمد کا نام سن کر پتھر ہو جاتا ہے۔

Waqar Azeem www.paksitanipoint.com

سلیمان کو دیکھ کر رمشا جلدی سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ ردا کی چوٹ دیکھ کر استفسار کرتا ہے۔ رمشا اور ردا یہ جاننے کے لیے بے چین تھیں کہ کہیں سلیمان نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں۔

کشف زینب سے شکایت کرتی ہے کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں گئی۔ زینب پریشان ہوتی ہے کشف کی حالت دیکھ کر۔ وہ اس سلسلے میں صالحہ بانو سے بھی بات کرتی ہے۔

ردا شاپنگ پر جانے سے انکاری ہے، ماں کے سمجھانے پر سلیمان اس کی والدہ رمشا اور سونیا کے ساتھ وہ چلی جاتی ہے، وہاں وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سلیمان اور ردا کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں، فرحان اسے سلیمان کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ اسے دس پندرہ دن کے لیے پاکستان جانا ہے، اس کی بھانجی کی شادی ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے کہ سونیا کے ہاں ایسا کیا ہوا جو وہ وہاں سے آگئی۔ کشف کہتی ہے کہ وہ ایک شرط پر بتائے گی کہ زینب اسے بتائے کہ زینب منصور سے کینیڈا میں ملی ہے اور یہ بات اسے ڈاکٹر موحد نے بتائی ہے۔

سونیا نکاح والے دن زینب کو بتاتی ہے کہ منصور پاکستان نہیں آرہا۔

حمزہ ردا کے نکاح والے دن کشف سے ملنے جاتا ہے۔ کشف اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ اس سے معافی مانگتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ کشف اسے معاف کردے۔

منصور زرین سے کہتا ہے کہ وہ پاکستان اس لیے جا رہا ہے کہ وہ اپنا گھر بیچ کر اس کا قرض اتارے۔ لیکن زرین اس کی بات پر یقین نہیں کرتی کہ تم وہاں جا کر ہمارے رشتے سے مکر سکتے ہو۔ جس پر منصور اسے بتاتا ہے کہ زرین کے والد نے اس کی خوشامد کرکے اسے زرین سے شادی پر مجبور کیا تھا۔

ردا سلیمان کو پا کر محسوس کرتی ہے کہ یہ اس کی ماں باپ کی فرمانبرداری کا انعام ہے۔

کشف، فائقہ کے ساتھ ورکشاپ اٹینڈ کرنے آتی ہے تو اس کی ملاقات وہاں موحد سے ہوتی ہے۔ موحد اسے نظر انداز کردیتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کھانے پینے کا انتظام اچھے سے کروا دیتا ہے۔ کشف کو بہت محسوس ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں وہ اس کی وضاحت کردیتا ہے۔

زینب کشف کی وجہ سے پریشان ہے۔ وہ حیدر کے آفس جاتی ہے۔ وہاں اس نے کشف کے رشتے کی بات کرتی ہے وہ بلال کی بات کرتا ہے۔ وہاں ثمینہ آجاتی ہے اور ان دونوں کو خوب ذلیل کرتی ہے۔ حیدر ثمینہ کو لے جاتا ہے۔ زینب وہاں سن بیٹھی رہ جاتی ہے چوکیدار آکے اسے جانے کا کہتا ہے۔

کشف، ڈاکٹر موحد سے ملتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں تو میری ماں سے میرا ہاتھ مانگیں اور مجھ سے شادی کرلیں۔

فرحان، سلیمان کے ہوٹل پہنچ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ ردا کا بوائے فرینڈ اور سابقہ محبوب ہے۔

موحد کشف سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ حمزہ باپ سے ناراض ہے۔ آزر غصے میں حمزہ کو گھر سے نکل جانے کو کہتا ہے۔

فرحان سلیمان سے مل کر اسے اپنے اور ردا کے تعلق کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ سلیمان، ردا کی کال ریسیو نہیں کرتا۔

ثمینہ حیدر سے لڑتی ہے۔ اور بہت غلط زبان استعمال کرتی ہے بلال اسے روکتا ہے تو وہ اسے بھی لتاڑتی ہے۔

کشف کے حوالے سے کہتی ہے کہ وہ اسے کبھی بہو نہیں بنائے گی کشف یہ سب سن لیتی ہے۔ اور روتی ہوئی گھر چلی جاتی ہے۔ سلیمان، ردا سے فرحان کے متعلق سوال کرتا ہے۔

اکیسویں قسط

سونیا نے بے اختیار زینب کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''معاف کردوناں مجھے زینب۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

زینب بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

کشف منصور کے پاس بے حرکت، بے یقین سی بیٹھی تھی۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

اس کا ہاتھ منصور کے دونوں ہاتھوں میں تھا، دونوں شاید ایک دوسرے کے ہونے کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''لگتا ہے، آج خوش خبریوں کا دن ہے۔'' کشف دل میں گنگنائی۔

''پہلے وہ مدثر والا حادثہ۔'' وہ خوش ہوتے ہوتے ٹھٹکی ''اللہ معاف کرے بے چارے کو کچھ نہ ہو۔ میں نے ایسی بددعا تو نہیں دی تھی اسے۔''

وہ فوراً دل میں اللہ سے توبہ کرنے لگی۔

''اور اب بابا۔'' اس نے محبت پاش نظروں سے اتنے پاس بیٹھے، اتنے گریس فل، اتنے شان دار باپ کو دیکھا۔

''آنی کے پاس تو آپ کی بس دو یا تین تصویریں تھیں اور ان میں آپ بالکل مختلف تھے۔ اب جیسے نہیں۔'' وہ منصور پر نظریں ٹکائے جیسے سرگوشی میں منصور کو اطلاع فراہم کر رہی تھی۔

''اور کیا آپ کے پاس میری ایک بھی پک نہیں تھی؟'' وہ اب معصومیت بھرے انداز میں باپ سے گلہ کر رہی تھی۔

''زینب کی ضد جو پہلے دن سے تھی۔'' وہ تلخی سے مسکرا کر بولا جیسے اس کا گلا درد کر رہا تھا۔

''وہ تو آپ کے بارے میں بات کرنے پہ، کچھ پوچھنے پر بھی مجھ سے ناراض ہو جاتی تھیں۔'' وہ آج ہی باپ سے ماں کی ساری شکایتیں لگا دینا چاہتی تھی۔ پھر بھی وہ خوش تھی۔ جیسا ردعمل اسے زینب سے متوقع تھا منصور کو دیکھ کر۔ زینب اس کے بالکل برعکس تھی۔

''بھائی! آپ کہیں ناں زینب سے۔ یہ مجھے معاف کر دے، پتا نہیں کیوں ناراض ہے مجھ سے۔'' سونیا نے زینب کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر مدد کے لیے منصور کو پکارا۔

''زینب! کیا ناراضی ہے تم دونوں میں؟'' منصور نرمی سے اس سے یوں پوچھ رہا تھا جیسے وہ مدتوں سے ساتھ ہی رہتے چلے آ رہے ہیں اور زینب، فٹ سے وجہ بتا دے گی۔

''مجھ سے نہیں، یہ آپ کشف سے پوچھیں، انہیں کے درمیان کچھ ہے۔ میری اب کسی سے کوئی ناراضی نہیں ہے۔''

زینب نے بے تاثر انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے گویا اعلان کیا۔ صالحہ نے نظر بھر کر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

''میری بچی! میں جانتی ہوں۔ تم نے اپنے دل میں کیسے طوفانوں کو زیر کیا ہے اور یہ بات کہنے کے قابل ہوئی ہو۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ مختصر سی زندگی میں کسی سے خواہ مخواہ کی ناراضی رکھنا بھی نہیں چاہیے۔'' منصور نے ٹھنڈے ٹھلے جو لہجے میں کہا تو زینب نے تڑپ کر اس بے حس شخص کو دیکھا جو اتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ رہا تھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' سونیا بھائی کے ساتھ دینے پر نہال ہو گئی۔

''لو کشف کون سی پرائی ہے۔ میری بیٹی ہے ردا، رمشا کی طرح اگر یہ مجھ سے خفا ہے تو میں اس کے بھی آگے ہاتھ جوڑ لیتی ہوں معافی مانگ لیتی ہوں۔''

سونیا آج ہر حال میں ہر معاملہ سیٹ کرنا چاہ رہی تھی۔

اس نے کشف کے پاس آ کر اس کے سامنے ہاتھ باندھ دیے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کشف۔'' منصور نے باپ والا حق استعمال کیا۔
''نہیں پھپھو! آپ جانتی ہیں، میں آپ سے ناراض نہیں۔'' وہ آہستگی سے اس کے ہاتھ تھام کر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔
''جس سے بھی ناراض ہو اپنے بابا کے ملنے کی خوشی میں پلیز معاف کر دو۔ رنجش کو بھلا کر بس جلدی سے تیار ہو جاؤ، مہندی ہے آج ردا کی اور دیکھو اس نے خود بڑی تاکید کی ہے مجھے آتے ہوئے بھی کہ مما کشف کو ضرور ساتھ لے کر آنا ہے اور میں اس سے وعدہ کر کے آئی ہوں۔'' سونیا جلدی جلدی بتاتی چلی گئی۔
کشف نے بے بسی سے ماں کو دیکھا۔
''میں چائے لے کر آتی ہوں۔ آپ لوگ باتیں کریں۔'' زینب صاف دامن بچا کر باہر جانے لگی۔
''آنی! میں چائے بنا رہی ہوں۔ آپ بیٹھیں یہاں آ کر۔'' کشف زینب کے باہر جانے سے بھی پہلے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔
''اور پھپھو! میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ دروازے کے پاس جا کر اونچی آواز میں بولی تو سونیا کا خجالت سے سیاہ پڑتا چہرہ کھل اٹھا تھا۔
زینب بھی سر ہلا کر صالحہ کے دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی۔
منصور اسے گہری نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔
لیکن جانے کیا بات تھی، یہ گہری نظریں اب زینب پر اثر نہیں کر رہی تھیں، وہ سپاٹ چہرہ لیے سونیا سے شادی کی تیاریوں کی تفصیل جاننے میں لگی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''تم آ گئی ہو ناں۔ ہم بس اب واپس چلیں گے۔'' زریں بے چین سی کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ ایما کے ہاتھ روم سے نکل کر آتے ہی فوراً فیصلہ کن لہجے میں بولی۔
اور ایما گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹتی ٹھٹک کر رک گئی۔
''ماما! یہ کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ الجھ کر بولی۔
''پتا نہیں تمہیں، کیا کچھ ہو رہا ہے یہاں ہمارے ساتھ۔ تمہارا غائب ہونا اور منصور نے مجھے بتایا بھی نہیں، اگر تم یہاں کھو جاتیں ایما! میں تو مر ہی جاتی اور یہ عجیب سے لوگ، یہاں اتنا رش ہے میرا دل گھبراتا ہے بس ہم ایک دو دن میں چلے جائیں گے۔''
ایما ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔
اگر اس نے بلال کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید وہ بھی ماں کے اس فیصلے پر فوراً آمنا صدقنا کہہ ڈالتی۔
مگر اب جانے کا سن کر اس کا دل جیسے بیٹھنے لگا تھا۔
''بھائی! یہاں ہیں ماما! کیا انہیں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔''
اس نے ماما کی واحد کمزوری کا ذکر کیا۔
زری کا چہرہ بجھ سا گیا، شاید اس نے موحد کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔
''اسے کون سی ہماری پرواہ ہے اور مجھے تو لگتا ہے، وہ خود بھی ہماری وجہ سے یہاں سے چلا جائے گا۔'' وہ بجھے ہوئے انداز میں بولی۔
''کہاں؟'' پریشانی سے ایما کے منہ سے نکلا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کہیں بھی جہاں ہم یا ہمارا سایہ تک نہ ہو۔'' زریں افسردہ تھی۔
''وہ ایسے نہیں ہیں ماما صرف..... پاپا کی وجہ سے۔'' ایمارک کر موحد کے گریز کی وجہ بتانے لگی۔
''میں منصور کو نہیں چھوڑ سکتی۔ مر کر بھی نہیں۔'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ درشتی سے بولی۔
ایماماں کو دیکھ کر رہ گئی۔
اس کا فون بج رہا تھا۔
''شاید بھائی کی کال ہے۔'' وہ خوشی بھرے لہجے میں کہتی تکیے کے نیچے پڑے فون پہ جھپٹی۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔
وہ لمحہ بھر کو سوچ میں پڑی پھر مسلسل بجتی رنگ ٹون نے اسے کال ریسیو کرنے پر مجبور کر دیا۔
''موحد کا فون ہے تو میری بات کراؤ۔'' زریں الماری میں کپڑے رکھتے ہوئے کچھ کوفت سے کہہ رہی تھی۔
''سوری۔ میں نے نہیں پہچانا۔'' دوسری طرف موجود عورت کی آواز سن کر ایما کچھ کنفیوز سی ہوگئی۔
''اوہ ثمینہ آنٹی!'' تعارف کرانے پر وہ جیسے خوشی سے کھل اٹھی۔ زریں نے ذرا سی گردن موڑ کر اس کی چہکار کو سنا اور پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔
''سوری میں آپ کا نمبر Save (محفوظ) کرنا بھول گئی تھی۔ کیسی ہیں آپ۔''
''میں بالکل ٹھیک، یہ مناسب تو نہیں تھا کہ فوراً سے فون کرتی جبکہ ہمیں ملے زیادہ ٹائم نہیں ہوا مگر میں رہ نہیں سکی۔'' ثمینہ کچھ جھجکے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔
''مجھے بہت زیادہ اچھا لگا ہے آپ کا فون کرنا۔ آپ بہت نائس ہیں۔ بہت لونگ کیئرنگ اینڈ بیوٹی فل۔ سچ میں آئی ریئلی امپریس۔'' زریں نے اسے گھور کر دیکھا، وہ جس نک چڑھی عورت کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہی تھی۔ وہ عورت زریں کو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔
''شاید دلوں کے معاملے دو طرفہ ہوتے ہیں۔ میں بھی اس پیاری سی بیٹی کے لیے یہی سب کچھ محسوس کر رہی تھی۔'' ثمینہ لگاوٹ سے بولی۔ ''اس لیے تو رہ نہیں سکی اور تمہیں کال کر ڈالی۔''
''بہت اچھا کیا اور مجھے بہت اچھا لگا۔ آپ رات کے فنکشن میں آ رہی ہیں نا۔'' وہ کچھ جھجک کر وہ بات پوچھنے لگی جو ثمینہ کو پہچانتے ہی اس کے دل میں آئی تھی۔
''رات میں تو مشکل ہے۔ کل بارات میں کوشش کروں گی۔'' ثمینہ کچھ بن کر بولی۔
''مجھے بہت اچھا لگتا اگر آپ رات میں بھی آتیں بلکہ انکل اور بلال کو بھی لے کر آتیں۔'' اس نے جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے اصل مدعا کہہ ڈالا۔
ثمینہ اس کے یوں بے جھجک کہنے پر لمحہ بھر کو چپ سی رہ گئی۔
گویا اس کے دل کی مراد خود بخود بر آنے والی ہے۔
''آپ کو شاید اچھی نہیں لگی میری بات۔ سوری۔''
ایما اس کی خاموشی کو ناراضی سمجھ کر فوراً معذرت کرنے لگی۔ زریں زور سے الماری بند کرتی باہر نکل گئی۔
''پتا نہیں یہ ایما باپ کی طرح غیر متعلقہ لوگوں سے کیوں اتنی فرینک ہو جاتی ہے۔'' زریں کو غصہ سا آنے لگا۔ اس لیے وہ جی جلانے کے بجائے کمرے سے باہر نکل گئی۔
''نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں اور سچ پوچھو تو شاید دلوں کے معاملے دو طرفہ ہوتے ہیں۔ جس طرح تم مجھے پہلی نظر میں اچھی لگیں، اسی طرح شاید تمہارا دل بھی ہماری طرف کھنچا ہے۔'' ایما دھک دھک کرتے دل کے

www.paksociety.com

ساتھ ثمینہ کی بات سن رہی تھی۔

"اینی دے۔ میں ٹرائی کروں گی رات میں آنے کی اور اگر بلال بھی میرے ساتھ آسکے بلکہ یوں کرتی ہوں میں تمہیں بلال کا نمبر فارورڈ کرتی ہوں۔ تم خود اس سے بات کرلو یا میسج کردو، اسے اچھا لگے گا۔" ثمینہ نے فیصلہ کن انداز میں آگے بڑھنے کا طے کرلیا۔

"میں آنٹی!" ایما جھجکی۔ اسے بلال کا لیا دیا انداز یاد آیا تھا اور جس سرسری انداز میں اس نے ایما کو دیکھا تھا۔

"مجھے تم اچھی لگی ہو۔ بلال میرا بیٹا ہے، تھوڑا ریزرو ہے لیکن وہ بھی تمہیں جب سمجھنے لگے گا تو یقیناً پسند بھی کرے گا۔ مطلب فرینڈ شپ کے لیے۔ یو نو۔" اتنی بڑی بات کہہ کر ثمینہ فوراً ہی جیسے صفائی دینے لگی۔

"تو یقینا پسند بھی کرے گا۔" ایما کے کانوں میں یہ لفظ جھنکار سی بجانے لگے۔ ثمینہ نے مزید کیا کہا، وہ سن نہیں پارہی تھی۔

"چلو بھئی۔ تم یہاں کمرے میں گھسی ہوئی ہو۔ چلو ناں اتنے کام ہیں۔"

رشنا اسے کھینچنے لگی۔ وہ غیر دماغی کے ساتھ چل پڑی۔

☆☆☆

"یہ منصور میرے باپ کا قاتل ہے۔" وہ بے دھیان سی چائے کے پاس کھڑی تھی جب موحد کی نفرت بھری سرگوشی اس کے کانوں میں گونجی۔

"سس!" ذرا سی چائے اس کے پیر پر گرگئی تھی۔

وہ جھک کر اپنا پاؤں دیکھنے لگی۔ لمحہ بھر میں وہاں سے جلد سرخ ہوکر دہکنے لگی تھی۔

"اور مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں سوجھی موحد اور بابا میں اگر دشمنی ہے تو پھر میں کہاں کھڑی ہوں گی۔" وہ الجھ سی گئی۔

"تو اسی لیے موحد نے یوں چھپ کر مجھ سے نکاح کیا، شاید وہ ضد میں بابا سے بدلہ لینے کے لیے یہ سب کر رہا تھا اور میں نے آذر انکل اور ثمینہ آنٹی کی ضد میں اتنا بڑا اقدام اٹھالیا۔"

"اس کے بعد جو کچھ ہوگا، وہ اس سے بھی برا، بہت برا ہوگا۔" وہ حقیقی معنوں میں پریشان ہوگئی تھی۔

"کشف! اب یہ کیسی ضد ہے تمہاری۔" زینب جھلائی ہوئی اس کے پیچھے آکر بولی تھی۔ کشف خالی نظروں سے بس دیکھ کر رہ گئی۔

"بڑا شوق تھا تمہیں اپنے فادر سے ملنے کا۔ اب وہ تم سے کہہ رہے ہیں شادی میں چلنے کا تو کیوں اس طرح منہ پھاڑ کر انکار کررہی ہو۔"

"مجھے وہاں نہیں جانا۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

زینب اس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

"وجہ بتاؤ۔ مجھے صرف وجہ جاننی ہے۔" اس بار وہ سختی سے پوچھ رہی تھی۔ کشف کو غصہ آنے لگا۔

"کیا کوئی ایک بات بھی میں اپنی مرضی سے نہیں کرسکتی۔" اس نے غصے میں چولہا بند کردیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تمہارا باپ اور پھوپھی باہر منتظر بیٹھے ہیں۔ یہی جواب جاکر انہیں دے دو۔ میں اب مزید پیغام رسانی نہیں کرسکتی اگر کسی نے میری بات ماننی یا سننی نہیں تو۔"

وہ روٹھ کر باہر چل دی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''مجھ سے تو نہ ناراض ہوں آنی! آپ تو مجھے سمجھتی ہیں۔'' زینب کی ناراضی اس کے لیے بہت معنی رکھتی تھی فوراً اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

''یہی تو دکھ ہے مجھے جو تمہیں آج تک سمجھتی رہی، تم وہ نہیں ہو اصل میں کشف!'' زینب کے لہجے میں کیسا ٹوٹا ہوا مان تھا۔

''یہ میں کیا کر رہی ہوں، اپنی ماں کو دکھ دیتی جا رہی ہوں۔'' کشف کے دل کو دھکا سا لگا۔ زینب کا اترا چہرہ دیکھ کر۔

''ٹھیک ہے، آپ کہتی ہیں تو میں ہو جاتی ہوں تیار مگر میں وہاں زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔'' وہ دل پر پتھر رکھ کر بمشکل خود کو منا کر بولی۔

زینب اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''زیادہ اچھا ہوتا اگر تم مجھ سے وہاں نہ جانے کی وجہ شیئر کرتیں اس طرح بوجھل دل سے ماننے کے بجائے۔'' زینب اسے جتا کر باہر نکل گئی۔ کشف وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہ گئی۔

☆☆☆

''نشنلٹی ہے اس لڑکی کے پاس وہاں کی، یہاں چند ہزار کی جاب کرنے کے بجائے وہاں جا کر سیٹل ہو جاؤ گے۔''

''اور تمہیں کیا چاہیے بلال!'' ثمینہ جو اتنے پیار سے اس کے لیے سوپ بنا کر لائی تھی اور اب اسے خود اپنے ہاتھوں سے چمچ بھر بھر پلا رہی تھی تو اس لگاوٹ کی وجہ بھی کھل ہی گئی۔

بلال کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔

اس نے منہ کی طرف آتا چمچ پرے کر دیا۔

''میں نے آپ سے کب کہا کہ مجھے ایسا کچھ چاہیے۔'' وہ تلخی سے رخ پھیر کر بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

''میں ماں ہوں، کیا میری خواہش نہیں بلال کہ تم شان دار زندگی گزارو میرے بیٹے کے پاس زندگی کی ہر آسائش، ہر سہولت، ہر خوشی ہو۔'' ثمینہ کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

''تم اپنے باپ جیسی کیڑے مکوڑوں جیسی ذلت بھری زندگی نہ گزارو۔'' اس کے لہجے میں حیدر کے لیے کتنی تحقیر تھی۔ غصے کے باوجود بلال کو اس عورت پر غصے کے بجائے ترس آیا۔

''کیا شان دار زندگی صرف اچھے لائف اسٹائل سے آتی ہے۔'' وہ کڑوے پن سے بولا۔

''آف کورس، میری جان دنیا بھی اس کو سلام کرتی ہے جس کے قدموں میں دولت اور عہدہ لوٹتا ہو۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی۔

بلال آسائشوں کی طلب گار اس پسماندہ ذہن عورت کو دیکھتا رہ گیا جو بدقسمتی سے بہرحال اس کی ''ماں'' تھی۔

''مجھے یہ سب نہیں چاہیے ماما۔'' اس نے بڑی مشکل سے خود کو تلخ ہونے سے روکا اور نرمی سے کہا۔

''اگر یہ میری خواہش، میری خوشی ہو تو بھی نہیں۔''

وہ عجیب سے لہجے میں بولی جس میں فرمائش سے زیادہ تحکم تھا۔

''مجھے بابا جیسی سادہ، بناوٹ سے عاری لائف اسٹائل پسند ہے میری بہت زیادہ خواہشیں نہیں ہیں۔ مجھے زندگی سے بہت کچھ نہیں چاہیے۔'' اس نے حتی الامکان نرم مختصر الفاظ میں ماں کو اپنے دل کی

WaqarAzeem www.pakistanipoint.com

ت بتانی چاہی۔
جواسے تیز نظروں سے دیکھتی جارہی تھی۔
''اگر تم ابھی بھی کشف کے بارے میں سوچ رہے ہو تو مت بھولو کہ مجھے اس سے نفرت ہے اگر تم اس کا وچو گے بھی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔'' ثمینہ کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا۔
''میں اس کے بارے میں نہیں سوچ رہا نہ سوچنا چاہتا ہوں۔ یوں بھی وہ مجھے انکار کر چکی ہے کیونکہ اسے ی آپ سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی آپ کو اس سے ہے۔'' ثمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
''تو وہ معاملہ ختم..... ہے ناں۔'' وہ گویا ہاتھ جھاڑ کر بولی۔
بلال نے ہونٹ بھینچ لیے۔
وہ کیا کہتا، وہ ماں ہو کر اسے اس کے دل کو نہیں سمجھ پا رہی تھی تو وہ اسے کیا سمجھا تا۔
''جی، ختم۔'' اس نے آنکھیں موند لیں۔
ان دو لفظوں نے ثمینہ کے چہرے پر کیسی شادمانی بکھیری تھی۔ بلال آنکھیں کھول کر دیکھتا تو شاید اپنے ظوں سے پھر جاتا۔
''تو اب تم ریسٹ کرو۔ رات میں ہمیں سونیا کی بیٹی کی مہندی میں جانا ہے، اس وقت تک تم فریش ہو جاؤ وڑا آرام کر کے۔'' وہ اٹھتے ہوئے خود ہی پلان کرتے ہوئے بولی۔
''مجھے کہیں نہیں جانا اور آپ مجھے مجبور نہیں کریں گی۔'' وہ تڑپ کر بولا۔
''میرا دل نہیں کہیں جانے کا اور میری طبیعت بھی اچھی نہیں ہے۔'' وہ ثمینہ کی متوقع خفگی کے خیال سے فوراً ا۔
''اسی لیے کہہ رہی ہوں ناں، ابھی ٹائم ہے تم ویٹ کر لو اٹھو گے تو فریش ہو گے پھر ہم دونوں ساتھ چلیں ے میری جان۔'' ثمینہ لہجے بدلنے میں ماہر تھی، جھک کر اس کا ماتھا چومتی بال سلجھا کر محبت سے بولی تھی۔
بلال مزید کچھ بول ہی نہیں سکا۔
یوں بھی اب بولنے کو رہ کیا گیا تھا۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔
☆☆☆
کیسی بے چینی، کیسی بے قراری تھی۔ موحد کو خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
زریں کی کال نے اسے اور مضطرب کر دیا تھا۔
وہ اسے شادی کے فنکشن میں بلا رہی تھی، شاید وہ اس سے کچھ اور بات بھی کرنا چاہتی تھی۔
مگر اس وقت اسے زریں سے زیادہ کشف کے خیال نے الجھا رکھا تھا۔
وہ گاڑی لیے بے مقصد سڑکوں پر پھرتا رہا۔
پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب کشف سے بات کرنے اس کے گھر کی گلی کی طرف مڑا تو وہیں ٹھٹک گیا۔
سونیا اور منصور اس گھر کے آگے کھڑے تھے۔
اور ذرا دیر میں گھر کے اندر چلے گئے۔
تو وہ وقت، وہ گھڑی آ گئی تھی جس کے لیے اس نے یہ ساری بساط بچھائی تھی۔
منصور سے انتقام لینے کا وقت!
مگر اب اس کا اپنا دل بے ایمان ہوا جا رہا تھا۔
اس نے تو یہی سوچ کر کشف کو ٹریپ کیا تھا کہ وہ اس سے نکاح کر کے منصور کی ذلت کا سامان کرے گا مگر

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

یہاں تو جیسے سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔
وہ کشف کو کیا ٹریپ کرتا، اسے لگ رہا تھا وہ خود ٹریپ ہو گیا ہے۔
کشف کی متوقع منگنی نے جس طرح اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کو ہلایا تھا، اسے تو اس بات کا گمان بھی نہیں تھا۔
''یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ؟'' اس کا دل اپنے بال نوچنے کو چاہ رہا تھا۔
اسے غصہ، رونا اور ہنسی آ رہی تھی۔
غصہ اور بے بسی اپنی حالت پر اور ہنسی اس انتقام پر جو وہ کسی اور سے لینے جا رہا تھا اور اب لگتا تھا وہ خود اس کا نشانہ بنتا جا رہا ہے۔
''ٹھیک ہے، انتقام لینے کا صرف یہی طریقہ تو نہیں۔ مجھے کچھ اور بھی سوچنا چاہیے بہت ٹھنڈے دل سے۔''
وہ جو مسلسل کسی آگ میں جل رہا تھا، یہ خیال کسی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی طرح آیا تھا۔
''منصور کو وہاں سے چوٹ لگے جہاں مجھے لگی تھی اور کشف کو بھی اسی درد کا احساس ہو، جو میں اتنے سالوں سے جھیلتا آ رہا ہوں۔'' وہ گہری سوچ میں گم بہت کچھ سوچنا چاہ رہا تھا۔
اس نے فون اٹھا کر زریں کا نمبر ملانا شروع کیا۔
اسے اب کیا کرنا ہے، وہ سوچ چکا تھا۔

☆☆☆

''کیسی طبیعت ہے اب مدثر کی۔ کچھ کنڈیشن اسٹیبل ہوئی اس کی۔'' کشف تیار ہو کر اپنے دوپٹے کا پلو پھیلاتی ہوئی کمرے سے نکلنے لگی تو زینب کی سرگوشی میں کی ہوئی بات سن کر ٹھٹکی۔
''نہیں، اوہ۔'' وہ فون کال میں گم تھی۔ شاید وہ فرح سے بات کر رہی تھی۔
''کیا رشتہ ہی ختم کر دیا۔ کشف منحوس۔ ایکسیڈنٹ اس کی نحوست کی وجہ سے ہوا، میرے خدا۔'' زینب کی حالت خراب ہونے لگی فرح کی بات سن کر!
اور کشف کو لگا جیسے وہ ہلکی پھلکی ہو کر ہواؤں میں اڑنے لگی ہے۔
''میں تو پھر اللہ کا شکر ہی ادا کروں گی جو ایسے تو ہم پرست لوگوں میں میری بیٹی کا رشتہ ہوتے ہوتے رہ گیا اچھا کیا فرح! تم نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔ میرے دل میں جو ملال تھا، وہ بھی دھل گیا۔'' وہ اب بیٹھ گئی تھی۔
''اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس نے میری بیٹی کا نصیب ایسی کسی جگہ طے کر رکھا ہے جو واقعی میری کشف کے قدر دان ہوں گے، حق دار ہوں گے میری بیٹی اتنی نصیبوں والی ہے یہ میں جانتی ہوں یا میرا رب۔''
زینب جذب کی کیفیت میں کہہ رہی تھی اور کشف کا دل موم کی طرح پگھلنے لگا اس کی بات سن کر۔
وہ بے اختیار پیچھے سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئی۔
''میری پیاری ماں۔'' وہ زینب کو چومتی خود کو روک نہ سکی۔
''تو تم نے سن لیا.....؟'' زینب نے کچھ ٹھٹک کر فون بند کر دیا۔
''آپ پریشان ہیں آنی۔''
وہ سیدھی ہو کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔
اور زینب جذباتی کیفیت میں تیار کشف کو دیکھتی رہ گئی پھر بے اختیار اس کی پیشانی چوم کر اپنی آنکھیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

صاف کرنے لگی۔
''بالکل بھی پریشان ہوں نہ دکھی، میری بیٹی میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہاں اس رشتے میں ضرور کوئی کمی ہوگی ..دروازے پہ آتے آتے مڑ گیا یہ اور دیکھو ذرا غور کرو اللہ تعالیٰ فوراً وہ کمی سامنے لے بھی آیا۔''
پتا نہیں زینب کشف کو تسلی دے رہی تھی یا خود کو۔
''ایسے تو ہم پرست لوگ اللہ نے بچالیا ہمیں کشف۔'' کشف نے ماں کے چہرے پر طمانیت دیکھی تو یونہی سر ہلا کر رہ گئی۔
''تم تیار ہو تو چلیں۔'' زینب اٹھتے ہوئے بولی۔
''آئی! آپ خوش نہیں پاپا کے آنے سے۔'' زینب کا اٹھتا اگلا قدم کشف کے سوال پر رک سا گیا۔
''کیوں خوش نہیں ہوں گی میں، جب میری کشف اتنی خوش ہے اب تو مجھ سے ناراض نہیں۔'' کشف ماں کے پل پل بدلتے رنگ جو اس کے چہرے سے عیاں تھے، دیکھتی رہ گئی۔
''میں صرف آپ کی وجہ سے جانے کے لیے تیار ہوئی ہوں۔ چلیں۔'' وہ ماں کا سوال ٹال کر اسے ساتھ لگائے اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

مہندی کا فنکشن بہت شان دار تھا۔
کچھ تو گھر کی پہلی خوشی تھی، اس لیے بھی آزر نے سارے ارمان پورے کیے۔ کچھ طاہرہ بیگم اور آزر میں شوآف کی بھی بڑی تمنا تھی، جو آج پوری ہونے جارہی تھی۔
اور اس میں دو رائے کوئی نہیں تھی کہ اپنا پرایا ہر کوئی تقریب کے اعلا انتظامات پہ تعریف تو کر رہا تھا۔
ردا اپنی سہیلیوں کے ساتھ سرخ جوڑے میں ملبوس گجرے بالیاں پہنے کسی دیس کی شہزادی لگ رہی تھی۔
اس کے چہرے پہ جتنی چمک تھی سونیا نے جتنی بار بھی اسے دیکھنا چاہا اس کی نظریں ٹھہر نہیں سکیں۔
کئی بار وہ چپکے چپکے بیٹی کی نظر اتار چکی تھی۔
منصور کو تو جیسے ساری محفل میں زینب کے سوا کوئی اور نظر آ ہی نہیں رہا تھا ہلکے ستاروں بھری ساڑھی میں وہ آج بھی اتنی ہی خوب صورت لگ رہی تھی جتنی سالوں پہلے سونیا کی شادی پہ اس نے پہلی بار ساڑھی باندھی تھی تو منصور اس سے نظر پس ہٹانا بھول گیا تھا۔
زینب اس کی نظروں کے حصار کو محسوس کر رہی تھی یا نہیں، اس کے چہرے سے کچھ بھی ظاہر نہیں تھا۔
کشف ابھی منصور سے مل کر ردا اور رشنا کے پاس گئی تھی جہاں اس کا ایمان سے تعارف کرایا جارہا تھا۔
''یہ منصور ماموں کی بیٹی ایمان تمہاری اسٹیپ سسٹر کشف!'' رمشا نے تعارف کراتے ہوئے کشف کو کہنی سے ٹہوکا دیا تھا۔
''ہائے مجھے یہاں آنے سے پہلے بالکل بھی پتا نہیں تھا کہ میری کوئی بہن بھی ہے۔'' وہ کشف کو کچھ جتاتے ہوئے بڑے فارمل انداز میں ذرا سا اس سے لگی اور الگ ہوئی تھی۔
''یہ میری مام ہیں اور آف کورس یور اسٹیپ مدر'' زریں کسی دھیان میں گم ایما کے پاس آئی تھی کہ اس نے جھٹ سے کشف کا تعارف کرادیا۔ کشف نے بجھے ہوئے لہجے میں سلام کیا۔
زریں نے اس پر ایسی سرسری نظر ڈالی جیسے ایمان نے کسی راہ چلتی کا تعارف کرایا ہو، وہ اچٹتی نظر اس پر ال کر ایمان سے مدھم لہجے میں کچھ کہنے لگی تھی۔ کشف رخ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور ٹھٹک کر رہ گئی۔
ثمینہ بہت اسٹائلش ڈریس میں اپنے رنگے ہوئے میچنگ بالوں جوتوں، جیولری کے ساتھ بڑی نزاکت

WaqarAzeem.com www.pakistanipoint.com

سے قدم اٹھاتی بلال کے ساتھ آ رہی تھی۔
کشف کسی بت کی طرح کھڑی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔
بلال نے بھی شاید اسے دیکھ لیا تھا اور اب اس کی طرف آ رہا تھا۔
بلال اسے بہت کمزور اور بیمار سا لگا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس سے ملنے کی خواہش مند نہیں تھی، جو کچھ ثمینہ نے اس کے اور زینب کے لیے کہا تھا اس کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔
وہ اس کے بے حد قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
میوزک کے شور میں اس کے لباس سے اٹھتی مانوس سی مسحور کن خوشبو کشف کو کنفیوز کر رہی تھی۔
''ہائے!'' وہ ہولے سے بولا تھا۔
کشف کے چہرے پر تناؤ سا ابھر آیا۔
وہ کوئی سخت جواب دینے کے لیے مڑی اور ساکت رہ گئی۔
بلال کشف کے بالکل پیچھے کھڑی ایما کے ساتھ بڑے والہانہ انداز میں ملتے ہوئے اسی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔
ثمینہ کے چہرے پر دبا دبا جوش اور خوشی تھی۔
''کیسی ہو کشف تم؟'' وہ یوں اس سے مخاطب تھی جیسے ان کے درمیان کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
''بہت خوش اس لیے بھی کہ انسان جو چاہتا ہے، اللہ اس کو ویسا ضرور عطا کرتا ہے جس کا وہ حق دار ہو۔'' بلال پر نظریں جمائے اس نے طنز سے ایمان کی طرف دیکھا۔
جو صرف بلال کی طرف متوجہ و مگن تھی۔
کشف جو اپنے طیش کو دبا کر سر جھٹکتی ذرا سی آگے آئی تھی کہ سامنے کھڑے موحد کو دیکھ کر اسے واقعی میں کرنٹ لگا تھا۔
کم از کم اس بے وفا کے یہاں ملنے کی امید اسے ایک فیصد بھی نہیں تھی۔
''کیسی ہو؟'' وہ اس پر نظریں جمائے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''بہت خوش۔'' وہ چبا کر بولی۔
''ہاں۔ وہ تو نظر آ رہا ہے بلکہ شاید ضرورت سے زیادہ خوش ہو شاید مجھے دیکھ کر، اپنے شوہر کو۔''
وہ کمینگی سے اسے دیکھتا ذرا سا اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ لمحہ بھر کو کشف کا رنگ اڑ سا گیا۔
''کسی کے بھی کان میں اس شخص کی بکواس پڑ گئی تو۔''
''میری جان! آ گئے تم آئی ایم سو ہیپی مائی ڈارلنگ۔'' زریں تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا رہی تھی۔
اور کشف کچھ الجھی، گم صم سی کھڑی تھی۔
''صرف آپ کے اصرار پر آیا ہوں، وہ بھی بہت تھوڑے ٹائم کے لیے۔ مجھے ایک بہت امپورٹنٹ کام سے جانا ہے آدھے گھنٹے میں۔'' اس کے فارمل انداز اور خواہ مخواہ اپنی اہمیت جتانے والی عادت تو یوں بھی زہر لگتی تھی لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص یہاں اپنی ماں کے سامنے بھی ایسی گفتگو کرے گا۔ اس وقت سونیا جو زینب کے ساتھ اندر جا رہی تھی رک گئی۔
زریں بڑے فخریہ انداز میں اپنے قابل بیٹے کا تعارف کروا رہی تھی۔ سونیا کے لبوں پر بڑی معنی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

خیز مسکراہٹ تھی۔

''کیسی ہیں آنی آپ؟'' موحد بظاہر بڑی فرماں برداری سے زینب کے قریب ذرا سا جھک کر اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

''کتنا بڑا منافق ہے یہ شخص۔'' کشف کو اس پر غصے سے زیادہ کوفت ہونے لگی۔

''اللہ کا شکر ہے، آپ کیسے ہیں۔'' زینب کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کی نظریں ثمینہ، بلال اور ایمان پر تھیں۔

''گویا آپ سب کا انٹرو ہو گیا۔ میری ضرورت تو نہیں کسی کو بھی متعارف کرانے کی۔'' میر منصور بڑی شوخی سے سب کے بیچ آ کر بولے تھے۔ موحد کا چہرہ لمحہ بھر میں رنگ بدل گیا۔

اسے پتا نہیں تھا کوئی اس کے چہرے پر مسلسل نظریں گاڑے ہوئے ہے۔

''میں چاہتی ہوں، یہیں سب کے بیچ ہم اپنا موجودہ تعارف کرا دیں تو بہت اچھا ہوگا۔'' وہ اس کے کان کے قریب بظاہر اسے متوجہ کیے بغیر سرگوشی میں بولی۔

''گڈ آئیڈیا تو چلو اناؤنس کرتے ہیں۔'' اس نے بھی جواباً کسی کو محسوس کرائے بغیر بے حد آہستگی سے کشف کا ہاتھ اپنے آہنی ہاتھ میں جکڑا تھا، بظاہر چہرہ اٹھائے وہ سب کی طرف متوجہ لگ رہا تھا۔

''زریں بھابھی! یہ زینب ہے میں نے بتایا تھا ناں، آپ کو کشف کی ماما۔'' سونیا نے جس طرح زینب کا تعارف زریں سے کرایا کشف کو اس میں ادھورا پن سا لگا۔

اس نے گردن موڑ کر منصور کو دیکھا جس کے چہرے پر کچھ گریز کے تاثرات تھے اسے بہت برا لگا تھا۔

''پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' وہ دبے لہجے میں غرائی۔ سلور اور بیلو کامدانی دوپٹے کی چمک میں اس کا چہرہ غصے سے کچھ اور بھی دمکنے لگا تھا۔

''ہمت ہے تو چھڑا کر دکھاؤ اور میں تمہیں بتاؤں، یہ شخص تمہاری ماں کو کبھی دنیا کے سامنے اون نہیں کرے گا جس پر تمہیں اتنی تپ چڑھی ہے۔''

نظریں صرف کشف نے اس پر نہیں جما رکھی تھیں، وہ بھی مسلسل اسے ٹارگٹ پر لیے ہوئے تھا۔

''شٹ اپ۔'' اس نے گرفت میں آئے ہاتھ سے موحد کے ہاتھ پہ پورا زور لگا کر چٹکی کاٹی تھی۔

''آئی لو یو!'' وہ بالکل اس کے کان میں بولا تھا۔

''یاد آیا سوری آج تو تمہاری انگیجمنٹ بھی تھی، پہنی لی انگوٹھی۔''

وہ کیسی خوب صورتی سے اس کے جذبات کے ساتھ بھری محفل میں کھیل رہا تھا اور وہ جو یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ بے بس کھڑی تھی!

''میں ذرا دادا سے مل لوں آؤ کشف۔'' زریں کی سرد نظروں میں بہت اجنبیت اور بڑی گہری عداوت تھی زینب جو آج سارا دن خود کو بہت مضبوط ظاہر کرتی رہی تھی اس کی نظروں سے جیسے ٹوٹنے لگی۔

اس نے کشف کو اشارہ کرتے ہوئے بلایا تو موحد نے میکانکی انداز میں اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس لمحے منصور نے موحد کی اس حرکت کو دیکھ لیا تھا اس کی پیشانی پر گہرے بل پڑے تھے۔ اور موحد کو اس کے نوٹس کرنے پر دلی خوشی ہوئی۔

اس شو کا اصل مقصد پورا ہو گیا تھا۔

وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے فاصلے پر جاتی کشف کو دیکھتے ہوئے بظاہر زریں کو سن رہا تھا مگر جو تشویش اور فکر مندی اسے منصور کے چہرے پر چاہیے تھی، موحد اور کشف کے درمیان کسی تعلق کے جاننے پر۔ وہ پریشانی موجود تھی اور جیسے لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تو اس کا پلان کامیاب رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔

☆☆☆

مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا۔

سلیمان بھی اپنی ماں اور دوسرے فیملی کے لوگوں کے ساتھ تھا۔ شام میں ہی فیصلہ کیا تھا۔ مہندی میں ''لڑکے'' کو بھی بلایا جائے۔

ورنہ پہلے سونیا اس بات کے سخت مخالف تھی۔ طاہرہ کی مرضی کے باوجود! مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا۔

جب سے پولیس کو انوالو کیا گیا تھا، فرحان کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ ردا کو یا سلیمان کو بلیک میل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ سونیا کو جیسے بہت وقت کے بعد اطمینان اور خوشی کے یہ لمحے نصیب ہوئے تھے اور اب ردا اور سلیمان کو اکٹھے مہندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے دیکھ کر وہ نہال تھی۔ منصور بظاہر زریں کے ساتھ بیٹھا تھا لیکن اس کی بے چین نظریں صرف زینب کے گرد گھوم رہی تھیں جو منصور سے بالکل ہی لاتعلق تھی۔

بلال اور ایمان ایک طرف ذرا اکیلی سی جگہ پر بیٹھے تھے، بظاہر دونوں خاموش تھے لیکن ان کے انداز سے لگ رہا تھا، وہ دونوں یہاں اس طرح اکٹھے اپنی مرضی سے بیٹھے ہیں۔

ایک طرف جانی کشف بے اختیار ٹھٹکی تھی۔

''مبارک ہو، بہت جلدی تمہیں فائنلی تمہیں وہ منظور نظر مل ہی گیا جو تمہیں اور تمہاری سویٹ ماما کو چاہیے تھا۔ گڈ لک۔''

وہ اس کے قریب رک کر مبارک دینے سے خود کو روک نہ سکی۔

جلتی بجھتی روشنیوں میں بلال کا چہرہ دھندلا سا پڑ گیا تھا۔

''مبارک باد تو تم بھی ڈیزرو کرتی ہو۔'' اس نے جواباً اسے گھور کر دیکھا تھا۔ کشف کے چہرے پر غصے کی لہر سی ابھری تھی۔

''وہ بات جو تمہیں سن کر بہت انسلٹنگ لگا تھا کہ میں تم پر الزام لگا رہا ہوں یا اپنی طرف سے بہتان گھڑ رہا ہوں وہ سچ ہی نکلا ناں۔'' بلال کا اشارہ کس طرف تھا، کشف سمجھ چکی تھی لیکن اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''مگر دکھ مجھے صرف اس بات کا ہے مجھ سے پیچھا چھڑنے کے لیے تم نے بہت بھونڈا طریقہ اختیار کیا، اتنی دوستی تو تھی ہم میں تم مجھ سے صاف میرے منہ پر کہہ سکتی تھیں کہ میں رستے سے ہٹ جاؤں کیونکہ تمہیں رستے کے لیے نیا ہمسفر جو مل گیا ہے۔'' وہ اپنا غم بھولا نہیں تھا اور کیسے چاہ سکتا تھا کہ اسے غم دینے والی یوں خوشی خوشی پھرے۔

''چلو اگر تم خود کو یونہی بہلا سکتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' کشف کے طنز بھرے انداز میں بہت کچھ تھا جن نظروں سے اس نے ایمان کو دیکھا، بلال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تمہارا خیال ہے میں دل بہلا رہا تھا تم سے یا.....'' وہ چبا کر بولا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا اور نہ تم کچھ ایسا ویسا سوچو۔ مجھے اس بات کی خوشی تو ہے تمہاری زندگی میں میری خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی بہت جلد آ گیا۔ اب تمہیں بھی اس حقیقت کو مان لینا چاہیے کہ بس ہم دونوں کے بیچ جو کچھ بھی تھا۔ بس یہیں تک ہی تھا۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔''

''ایکسکیوزمی!'' اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے بلال کو کھونے کا غم نہیں تھا۔ لیکن اس غم سے بڑا احساس اس توہین اور نفرت کا تھا جو ثمینہ کی زبان سے اگلتے زہریلے الفاظ نے اس کی جھولی میں ڈالا، جسے وہ چاہ کر بھی نہ بھلا سکتی تھی نہ جھٹک سکتی تھی۔

www.pakistanipoint.com

تو بہتر تھا وہ، جلدی سے یہ الوداعی جملے بول ہی ڈالے۔

''بھئی۔ جلدی کرو کیا ہو گیا ہے سب یہیں اکٹھے ہو وہاں بار بی کیو کون تیار کروا رہا ہے۔ لیٹ نہیں ہونا چاہیے۔ پھر بھی آیا آزر کی مصروف آواز کے ساتھ جیسے ہی وہ کشف کے سامنے آیا اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلا اٹھیں۔''

وہ بھی لمحہ بھر کو اس کے سامنے ٹھٹکا تھا۔

مگر کوئی ندامت، تاسف، دکھ کچھ بھی تو نہیں تھا، وہاں۔ وہ اسے دیکھ کر اسی نخوت سے پلٹ گیا تھا۔

وہ اندھا دھند بیرونی گیٹ کی طرف تیز تیز جانے لگی تھی۔

''کشف! کشف! رکو کیا ہوا ہے؟ کہاں جا رہی ہو۔'' کوئی اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

مگر اس کے کانوں میں تو سائیں سائیں سیٹیاں بجتی جا رہی تھیں، اسے کسی کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

آنکھوں کے سامنے پانی کی دیوار آ گئی تھی۔

اس سے پہلے وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتی، کسی نے اسے سختی سے تھام لیا تھا۔ وہ خود کو چھڑا رہی تھی۔

چیخنا چاہتی تھی مگر حلق میں جیسے پھندے پڑ گئے تھے۔

موحد بمشکل اسے سنبھالتا گاڑی تک لے کر آیا تھا۔

وہ ابھی بھی دروازہ کھول کر باہر جانے کے لیے مزاحمت کر رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے، ہوش میں آؤ۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ بتاؤ مجھے۔'' وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔

''میں قتل کر ڈالوں گی اس شخص کو۔ مار دوں گی۔ اس کی وجہ سے۔ مجھے اپنے آپ سے گھن آ رہی ہے۔ میں۔'' وہ اب موحد کو مار رہی تھی۔

''سنبھالو خود کو۔ کیا ہوا ہے کس سے جھگڑا کر کے آ رہی ہو۔'' موحد اسے سنبھال نہیں پا رہا تھا۔

''لاوارث نہیں ہوں میں۔ اسے بتانا چاہتی تھی میں، مگر.....'' وہ جیسے ضبط کھو کر موحد کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

طوفان کو رستہ مل گیا تھا۔

موحد نے چپ چاپ اسے رونے دیا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔ پلیز مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔'' ذرا سی دیر میں ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

خود ہی ٹشو سے چہرہ صاف کرتی رخ پھیر کر وہ بوجھل آواز میں بولی۔ تو موحد نے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

''میں جانتا ہوں اماں! آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' حیدر نے شرمندہ لہجے میں ماں کی پائنتی بیٹھتے ہوئے ان کے پاؤں ہولے ہولے دبانے شروع کر دیے۔ صالحہ نے محبت بھری نظر بیٹے کے شرمندہ چہرے پر ڈالی۔

''ہاں۔ ناراض تو ہوں میں تجھ سے اور اس بوڑھی ماں کا اتنا حق تو ہے ناں۔'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولیں۔

''اماں! مت ناراض ہوں مجھ سے۔ میں تو پہلے ہی لگتا ہے، سارے زمانے کا ٹھکرایا ہوا ہوں۔'' وہ حد سے زیادہ ٹوٹا ہوا تھا۔

اسے پتا تھا اس وقت کوئی بھی گھر میں نہیں ہے، موقع مناسب تھا جا کر ماں سے معافی مانگنے کا!

''اتنے دنوں بعد اپنی صورت دکھاؤ گے تو کیا میں ناراض بھی نہیں ہوں گی۔ کتنا ترسی ہوں حیدر تجھے دیکھنے کے لیے۔'' وہ بیٹے کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے چوم رہی تھیں اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے ماں کے دل کو، اس کے بڑے پن کو دیکھتا رہ گیا۔

''اتنے دنوں میں اگر میں گزر جاتی تو۔'' وہ کانپتی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

''اللہ نہ کرے اماں! میں تو جیتے جی مر جاتا۔''

وہ تڑپ کر رہ گیا۔

''میرے بچے، میری بھی بچی کھچی عمر تجھے لگ جائے۔ ایسی بری بات آئندہ، منہ سے نہیں نکالنا۔'' انہوں نے حیدر کے سر منہ کو چوم کر کہا۔

''آپ یہاں ہیں اور مجھے اس گھر میں ایک پل کو چین نہیں آتا، اپنے آپ کو کوستا ہوں۔ نفرت کرتا ہوں خود سے، اپنی بزدلی سے۔'' بہت دنوں بعد اسے یہ سب کہنے کا موقع مل رہا تھا اور اب وہ کچھ چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا جتنا وہ تھک گیا تھا، یہ تھکن صرف ماں کی گود میں اس کے شفقت بھرے لمس سے ہی اتر سکتی تھی۔

''نہ بول ایسے، تیرا گھر ہے اللہ اسے ہنستا بستا رکھے تو اپنے بیٹے کی خوشیاں دیکھے، میں یہاں بیٹھی پل پل تیرے لیے دعائیں کرتی ہوں۔'' وہ نثار ہو جانے والے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

اور وہ عقیدت سے تکے جا رہا تھا۔

''اور یہ شرمندگی نہ رکھ دل میں کہ میں کسی غیر کے گھر میں ہوں یا تو اپنا حق ادا نہیں کر رہا، حیدر! میں اپنی بہن کے گھر میں ہوں اور بہت خوش ہوں، دکھ صرف ایک ہے کہ تو مجھ سے ملنے نہیں آتا۔ آج میرے مالک نے یہ خوشی بھی دکھا دی۔ مجھے اور کیا چاہیے۔'' وہ شکر کرتی اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

حیدر عقیدت اور محبت سے ماں کے دل کی وسعت کو دیکھ کر رہ گیا اور بڑی خاموشی سے اس نے اپنا سر اماں کی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ دونوں کے جذبوں کو تکمیل مل گئی۔

دونوں کو اب کچھ بھی ایک دوسرے سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

''میں آیا تھا شام میں، اس سوکالڈ انگیجمنٹ کو رکوانے۔ بلیوی۔'' بہت وقت خاموشی سے گزرا تو موحد کو خیال آیا کہ اسے اپنی صفائی میں کچھ تو کہنا چاہیے۔

کشف یوں بیٹھی تھی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

''تمہارے گھر وہ شخص جس کی شکل مجھے نہ دکھے، میں وہ گھر، وہ ملک چھوڑ کر آ گیا۔ وہ داخل ہو رہا تھا۔'' وہ تلخی سے بولتے ہوئے رک گیا تھا۔

''تو آپ واپس مڑ گئے، ہے نا۔'' وہ کچھ طنز سے بولی۔

''ایسا کب تک ہوگا؟'' وہ سیدھی ہو کر جرح والے انداز میں بولی۔

''مطلب؟'' وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''میرا باپ ہے وہ۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''سو ہاٹ.....'' وہ ابھی بھی اسی ٹون میں تھا۔

''جس کو شرعی زبان میں ولی کہتے ہیں۔'' اس نے دوسری طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''کیونکہ شرعی کام آئی مین نکاح ہم کر چکے ہیں۔''

www.paksitanipoint.com

اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔
''اور مسز موحد! بات اگر صرف رخصتی کی ہے تو سمجھو، میں ابھی تمہیں رخصت کروا کر لے جا رہا ہوں۔'' زور دے کر بولا۔
وہ ذرا سا چونکی۔
''رخصتی اور اغوا میں فرق تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔''
وہ شاید اسے ڈرانا چاہ رہی تھی۔
''اگر شوہر اغوا کرے تو وہ رخصتی ہی ہوتا ہے۔'' وہ اس کے چہرے کے قریب چہرہ لا کر کہہ رہا تھا۔
وہ سیٹ کے بالکل کونے میں سمٹ گئی۔
''پلیز۔'' وہ خائف سی اسے دیکھنے لگی۔
''بس بہت ہو گیا کشف!'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر بولا۔
''کیا مطلب؟'' وہ اس کے انداز سے کچھ ڈری تھی۔
''یا تو تم اپنی آنی سے بات کرو یا پھر.....'' وہ رکا۔
وہ الجھن سے اسے دیکھنے لگی۔
''بھول رہے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب! بات آنی سے زیادہ آپ کو میرے فادر سے کرنی ہوگی۔'' وہ بھی اس کی کمزوری کو نشانہ بنا کر بولی۔
''تو پھر تم قیامت کا انتظار کرو۔'' وہ بھی جواباً بولا۔
''میں تو کر لوں گی۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔
''مگر میں نہیں کر سکتا۔''
''یہ آپ کا مسئلہ ہے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔
''اور تم میرا مسئلہ ہو۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہیں۔''
وہ جھلا کر بولا۔ کشف گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''آپ کیوں نہیں سمجھ رہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''جس وقت کال پر آپ نے کہا کہ کون سا نکاح اور کون سا نکاح نامہ۔ موحد! مجھے لگا جیسے مجھے کسی نے گہری قبر میں زمین کے بہت نیچے اتار دیا ہو۔ اتنا برا مذاق کرتے ہوئے آپ کو ایک لمحہ کو بھی میری فیلنگز کا، میرا خیال نہیں آیا۔''
وہ اپنا رنج بھولی نہیں تھی۔
''اتنا حق تو ہے میرا ناں سلیمان۔'' وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔
''مجھے مار ڈالنے کا۔'' وہ تلخی سے بولی۔
''وہ تو تم نے مجھے مار ڈالا ورنہ میرا پلان تو واقعی میں کچھ اور تھا۔'' پہلی بار کشف نے اسے چونک کر دیکھا۔ اتنے سارے دنوں میں آج پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ موحد نے اس سے نکاح کیوں کیا تھا۔
''آپ نے مجھ سے، میرے بابا سے انتقام لینے کے لیے یہ نکاح کیا تھا ناں۔''
وہ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی اور موحد کا چہرہ بے تاثر تھا۔

☆☆☆

''آپ خوش ہیں ناں سلیمان۔'' وہ ایک ہاتھ سے بالوں میں لگی پنیں اتارتی دوسرے ہاتھ میں فون کان

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سے لگائے بات کر رہی تھی۔

رمشا اس کے پاس سے گزری تو اس نے بیڈ پر پڑے ڈھیرے سارے بکھر وادے میں سے ہینڈ فری نکال کر ردا کے آگے کر دی۔

ردا نے مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا شکریہ ادا کیا اور ہینڈ فری لگانے لگی۔

"کیا ابھی بھی تمہیں کوئی شک ہے۔" وہ جواباً کہہ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ متذبذب سی تھی۔

"مگر مجھے کوئی شک نہیں۔ ماما کی چوائس واقعی میں لاجواب ہے۔ ردا آئی ایم لکی یار! یو آر سو پریٹی۔ اتنی انوسنٹ اور اس شیطان نے تمہاری اسی معصومیت اور سادگی کا فائدہ اٹھایا تھا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور ردا کے ہاتھ ٹھنڈے پڑنے شروع ہو گئے۔

"ہیلو ڈارلنگ۔" وہ اس وقت شوخی کے موڈ میں تھا۔

"سلیمان! ایک وعدہ کریں مجھ سے۔" وہ بہت سنجیدہ تھی۔

"ہزار وعدے لو مجھ سے، کل رات تک کے لیے صبر نہیں ہو رہا۔" وہ ہنس رہا تھا۔ "تم سے بھی ناں۔"

"آپ...... ہمارے درمیان آئندہ اس کا کبھی کوئی ذکر نہیں آئے گا۔ کبھی بھی نہیں۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی نہیں۔"

سلیمان لمحہ بھر کو بالکل چپ ہو کر رہ گیا۔

وہ اس کی خاموشی سے ڈر گئی۔

"سلیمان! میں نے کچھ غلط کہا۔" وہ خوف زدہ تھی۔

"فار گاڈ سیک ردا! اتنی بزدل، اتنی ڈرپوک کیوں ہیں آپ۔"

"نہیں۔" وہ یہی کہہ سکی۔

"کس طرح یقین دلاؤں میں آپ کو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کو مسل کر رہ گئی۔

"نہیں آئے گا کبھی بھی ہم دونوں کے درمیان۔ وہ ٹاپک یا وہ شخص۔ آئی پرامس۔" ردا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"بلکہ وہ تو سمجھو، ہمارے لیے مر گیا ناں۔" وہ شاید اسے یقین دلانا چاہ رہا تھا۔

"اچھا چھوڑیں ناں، کل کی تیاری کر لی آپ نے۔ مطلب ڈریس وغیرہ۔" وہ جلدی سے "رضا مند" کرتے ہوئے بولی۔

"ہماری تیاری کا تو پوچھیں ہی ناں بیگم صاحبہ! بس کل تو آجائے۔" وہ پٹڑی سے اُترنے لگا۔

ردا کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

"بس کل ہی بات ہو گی، آپ آؤٹ ہو رہے ہیں، اللہ حافظ۔"

"ارے سنو تو، فون تو بند نہیں کرو۔" اس کی فریاد سن کر بھی ردا نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔

تشکر کے احساس سے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس نے مطمئن ہو کر سر بیڈ کے کراؤن سے لگایا اور سکون بھرے انداز میں کچھ سوچنے لگی۔

☆☆☆

"اور اس کا باپ...... وہ کہاں ہے۔" زریں کا تفتیشی انداز منصور کو تپا رہا تھا مگر بظاہر وہ پرسکون تھا۔

"مر گیا ہو گا، آئی ڈونٹ نو یا ڈائیورس وغیرہ۔" وہ صاف نظریں چراتا الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''موحد کو تم نے بلوایا تھا فنکشن میں۔'' وہ موضوع بدلنا چاہتا تھا مگر زریں کی نظریں اس کی پشت پر جمی تھیں۔

''مگر جس طرح تم اس عورت، مطلب لڑکی کی ماں کے گرد منڈلا رہے تھے۔ یہ صرف کزن والا معاملہ تو نہیں لگ رہا تھا۔'' وہ شاید آج ہی سب کچھ جاننا چاہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔'' اس نے بھی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے زور سے الماری بند کی۔

''تو سنو پھر ملک سے باہر جانے سے پہلے اماں نے زینب سے میری انگیجمنٹ کر دی تھی اور.....''

''اور'' وہ نظریں گاڑے ہوئے تھی۔

''اور شادی میری واپسی پر رکھی گئی تھی۔'' اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔

''پھر.....کیا ہوا'' زریں نے بے چینی سے پوچھا۔

''ظاہر ہے نہ میں واپس آیا نہ میری اور زینب کی شادی ہو سکی۔ میں نے تم سے شادی کر لی اور اماں کو، زینب کو بتا دیا تو پھر اماں نے زینب کی شادی کہیں اور کر دی۔'' وہ لمحہ بھر کو رک گیا۔

''جس سے یہ بٹی ہوئی اس کی۔'' وہ جیسے کہانی مکمل کرنے کو بولا۔ زریں کی نظروں میں ہنوز شک تھا۔

''مگر تم تو شاید اچھی بھی اس کے دیوانے ہو'' وہ طنز بھرے لہجے میں کہے بغیر رہ نہ سکی۔

''ظاہر ہے۔ دل پر تو کسی کا زور نہیں۔'' اس نے بھی بغیر خوف کے کہہ دیا۔

''تو کر لو اس سے شادی اگر وہ بیوہ یا طلاق یافتہ ہے یا نہیں بھی ہے تو کروالو۔ محبت کی خاطر تو وہ بھی اتنی قربانی دے لے گی۔'' زریں اس کے ارادے اس اگلوانا چاہ رہی تھی۔

''اگر قسمت میں ایسا کچھ لکھا ہوا تو شاید ہو بھی جائے۔'' شاید یہ اپنے ملک میں آنے کا اثر تھا جو منصور یوں بے خوفی سے بات کر رہا تھا۔

''لیکن ایک مسئلہ ہو جائے گا۔ مجھ سے طلاق لیے بغیر تم ایسا کچھ نہیں کر سکو گے۔ یاد تو ہو گا تمہیں۔''

وہ زریں کیا جو موقع سے فائدہ نہ اٹھائے۔

''میں اپنا آبائی گھر بیچ رہا ہوں نا۔ رقم کی ادائیگی کر کے ہم دونوں بیٹھ کر اس مسئلے کو حل کر لیں گے۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا اور زریں سن سی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

ردا کو اس کی دوست گھر پر ہی تیار کرنے آئی تھی۔

ارسہ کا اپنا پارلر تھا۔ وہ اپنے بہترین اسٹاف کے ساتھ صبح ہی سے آ گئی تھی۔ رمشا اور ایمان کو بھی انہوں نے ہی تیار کرنا تھا۔

گھر میں شادی کی ہلچل مچی تھی۔

ہر طرف افراتفری تھی۔

ایمان کی رمشا سے اچھی دوستی ہو گئی تھی اور وہ شادی کی رونق دیکھ کر بچوں کی طرح خوش تھی۔

زریں صبح ناشتے کے بعد سے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ ایما ایک دو بار اسے بلانے گئی۔ زریں نے اس کو ٹال دیا۔

سونیا کو ایمان حمزہ کے حوالے سے اچھی لگنے لگی تھی وہ اس پر خصوصی توجہ دے رہی تھی۔

ثمینہ اور بلال کی آمد نے اسے رات ہی چونکا دیا تھا اور ثمینہ جس طرح ایمان میں دلچسپی لے رہی تھی وہ بہت کچھ سمجھ میں آ رہا تھا مگر اسے احساس تھا کہ حمزہ کو یہاں روکنے کا یہی ایک خوب

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

صورت طریقہ ہوسکتا ہے۔
حمزہ کی ناراضی اور غصہ ابھی بھی اسی طرح تھا۔
مگر ایمان کی طرف اٹھتی اس کی نظروں نے ہی سونیا کو یہ خوش کن حل سمجھایا تھا۔ شادی سے فارغ ہوتے ہی اس کا ارادہ منصور سے حمزہ اور ایمان کی بات کرنے کا تھا۔

☆☆☆

سلیمان ڈریسنگ روم میں تیار ہو رہا تھا۔
شائستہ تیار ہو چکی تھیں۔
بار بار گھڑی دیکھ کر سلیمان کو دیر ہونے کی آوازیں بھی لگاتی جا رہی تھیں بیڈ کے سائیڈ ریک پر سلیمان کے فون پر بار بار وائز نوٹ کی ٹون بجے جا رہی تھی۔
شائستہ نے جھنجلاہٹ میں اس کا فون اٹھا کر دیکھا۔
''کوئی اجنبی نمبر ہے۔ کیا پتا کوئی ضروری میسج ہو۔'' شائستہ کے دل میں خیال گزرا۔
کچھ سوچ کر انہوں نے چار چار منٹ کے وہ چھ وائس نوٹ سننے شروع کر دیے۔ ان کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوتی چلی گئی۔
فرحان نے ان وائس نوٹ میں اپنے اور ردا کے تعلقات کی ساری کہانی کو جس طرح بیان کیا تھا اور سلیمان کی غیرت کو نامردی کا نام دیا تھا۔
شائستہ کو لگا جیسے وہ کسی کیچڑ بھری دلدل میں دھنستی چلی جا رہی ہیں۔
اس کیچڑ بھری دلدل میں ردا پہلے سے موجود ہے اور انہیں اس بات کا علم نہیں تھا۔
''مگر سلیمان تو..... جانتا تھا پھر بھی.....'' ششدر سی وہ بیٹھی رہ گئیں۔
''اور اس نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے۔'' انہوں نے دل میں کڑیاں جوڑنا شروع کر دیں۔

☆☆☆

''بہت خوب صورت جڑاؤ کنگن تھے۔ سونیا کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں انہیں دیکھ کر۔
''مگر شائستہ بہن'' وہ متذبذب تھی۔
''رسم ہے سونیا بھابھی! ورنہ میں کبھی نہ آتی، میرے سسرال میں یہی رسم ہے۔ شادی سے ذرا پہلے ساس جا کر یہ کنگن اپنی بہو کو پہناتی ہے۔ مجھے میری ساس غزالہ آنٹی نے یہ کنگن پہنائے تھے اور اب مجھے ردا کو پہنانے ہیں۔'' وہ شیریں سخن تھیں۔
''وہ تیار ہو رہی ہے..... اماں ناراض ہوں گی۔'' سونیا ہچکچائی۔
''مت بتایئے گا ناں ہم دونوں سمدھنوں کا معاملہ ہے بس میں پانچ منٹ میں آئی۔'' وہ سونیا کی اجازت کو ایک طرف کرتی ردا کے کمرے میں آ گئیں جہاں اس کی بیوٹیشن اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔
''بیٹا! صرف پانچ منٹ مجھے ردا بیٹی سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہی میٹھا لہجہ۔ ارسہ اور اس کا اسٹاف فوراً باہر نکل گیا۔
ردا مسکراتی شرماتی ساس کو سلام کرتی منتظر کھڑی تھی۔
جب شائستہ نے کمرے کا دروازہ ہولے سے لاک کرتے ہوئے فرحان کے پیغام اپنے موبائل سے اسے سنانے شروع کیے۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''تو تمہیں شوق ہے سلیمان میری اترن پہننے کا، میرے لاکھ بتانے پر بھی تم باز نہیں آئے تو لو سنو جب پہلی بار میں اور ردا فلیٹ میں اکیلے تھے اور اس نے میرے سامنے اپنے سارے حجاب اتار دیے۔ وہ اس روز آفس سے رات کو بارہ بجے گئی تھی۔ میں نے جتنا لطف اس پہلی قربت میں پایا، اس سے کہیں زیادہ دوسری بار صرف تین دن بعد۔''

ردا کا رنگ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

فرحان کی شیطانی آواز اس کے اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھی۔ اس کا خوب صورت میک اپ سے سجا سرخ چہرہ اور سرخ لباس بے رنگ ہوتا جا رہا تھا۔

اس کی سماعتوں میں اب کوئی آواز نہیں تھی صرف جھکڑ تھے، طوفان تھا اور آندھیاں تھیں۔

''اور تم جھتی ہو۔ اس کے بعد بھی تم میرے بیٹے کی عزت بن سکو گی تو بھول ہے تمہاری۔ آج تمہاری رخصتی ہے۔ آج ہی تم ماتھے پر طلاق کا جھومر سجا کر اس گھر میں واپس آؤ گی ان شاء اللہ۔ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' شائستہ کے لہجے کی سرد مہری ان کی آنکھوں کی نفرت کچھ بھی تو ردا کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔

کب شائستہ دروازہ کھول کر اس کی ماں سے ملتی ہنستی مسکراتی چلی بھی گئیں کب ارسہ اندر آ کر اس کا میک اپ فریش کرتی اسے بتانے لگی کہ وہ کتنی خوب صورت لگ رہی ہے۔

اس کا دل اندر کسی ٹھنڈی برف جیسی سل میں دھنستا جا رہا تھا۔

''آنٹی دیکھیں ردا کو کیا ہوا ہے آنٹی!'' آخری آواز جو اس کی ڈوبتی سماعتوں نے سنی، وہ ارسہ کی چیخ تھی۔ اس کے اردگرد سب بھاگتے دوڑتے آ گئے۔

چیخیں۔ آوازیں۔ شور!

''بلاؤ ڈاکٹر کو۔ ایمبولینس کو کال کرو۔'' آوازیں۔ شور مگر پھر وہ شور آوازیں کم ہوتے ہوتے ختم ہوتی چلی گئیں۔ اس کا ہوش کی دنیا سے رابطہ ٹوٹ گیا..... شاید ہمیشہ کے لیے! وہ سرخ جوڑے میں تیار قیامت جیسی حسین لگ رہی تھی۔

اس کی دودھیا رنگت میں گلابیوں کے بجائے سفیدیاں اور پھر زردیاں گھلی جا رہی تھیں۔

سونیا کو غش پڑ رہے تھے۔

آزر کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

موحد جو زریں کی کال پر آیا تھا، اتنی چیخ و پکار سن کر وہیں آ گیا تھا۔

اور پہلی نظر میں بیڈ پر لیٹی ردا دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ کوئی لڑکی دلہن بن کر اتنی حسین بھی لگ سکتی ہے۔

اس کا جھومر اور ٹیکا ایک طرف کو ڈھلکا تھا۔ چھوٹی سی نازک ناک پر پڑی تار عجیب نظارہ دے رہی تھی۔

''شی از نو مور..... سوری ہارٹ فیل ہوا ہے ان کا'' اس کے اوپر جھکا ڈاکٹر جو ایمبولینس کے ساتھ آیا تھا بدھا ہو کر ڈوبتی آواز میں بولا اور جیسے ساری کائنات سانس روک کر کسی معجزے کی منتظر رہ گئی۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

زرقا سکندر

رشتے ہیں انمول

"پچھلے صحن سے لے کر باہری دروازے سے بھی باہر ٹائلوں کا فرش ایسا کہ منہ دکھے ہے اس میں اور گھر کی سجاوٹ دیکھ کر تو اللہ قسم حیرت ہوتی ہے بندے کو۔"

"اے کیا سچ میں آپا؟" فریحہ اتنا مرعوب ہوئیں کہ پوچھے بغیر نہ رہ پائیں۔

"تو اور کیا ابھی چل کے دیکھ لے میرے ساتھ خود ہی یقین آ جائے گا۔ بڑے مقدر والوں کو ملتا ہے ایسا رشتہ۔ ایک اکیلا لڑکا کوئی آگے نہ پیچھے۔ اوپر سے نوکری بھی سرکاری۔ اونچے گریڈ کا افسر۔ ہفتے میں تین دن تو دفتر جاتا ہے اور بس۔ سمجھو پورے ماہ کی تنخواہ گھر بیٹھ کے ہی وصول کرے ہے۔ ایک رشتے کی پھوپھی ہے جو اس کا رشتہ کروا رہی ہے۔"

کچن کی کھڑکی سے باہر کا منظر علیزہ کی آنکھوں میں آئی نمی سے پل بھر کو دھندلا سا گیا جہاں صحن کے بیچوں بیچ رکھی چارپائی پہ براجمان حلیمہ بی گزشتہ دو گھنٹوں سے لڑکے کے اوصاف گنوانے میں مصروف تھیں۔

"یہ حلیمہ بی بھی عجیب ہیں جب آتی ہیں امی کو پریشان کر دیتی ہیں۔"

ماں کو ان کے سامنے یوں چپ سادھے بیٹھا دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا۔

"کوئی سمجھائے تو انہیں، بھلا کہاں ملتے ہیں ایسے لڑکے، وہ بھی آج کل کے زمانے میں۔"

تیار چائے پیالیوں میں نکالتے ہوئے وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

"ہاں البتہ آرڈر پر ضرور بن جاتے ہوں گے بالکل میڈ ان چائنا جیسے۔" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنس پڑی اور ٹرے اٹھا کر باہر کو چل دی۔

"بھئی، جوڑ ملنا تو نصیب کی بات ہے پر مجھے اتنا ضرور پتا ہے کہ ان دونوں کی جوڑی جچے گی خوب ہاں تم دیکھ لینا۔"

سلام کے جواب میں سرتاپا اسے دیکھتے ہوئے حلیمہ بی نے اپنی بات پوری کی کہ علیزہ نے جھینپ کر جلدی سے ٹرے ان کے آگے رکھی اور واپسی کی راہ لی۔ تو انہوں نے بھی اس کے بنائے مزے دار شامی کبابوں اور گاجر کے گرما گرم حلوے سے انصاف کرنے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ ہاں مگر ساتھ ہی گاہے بگاہے وہ فریحہ پر بھی نظر مارنا نہ بھولتیں جو چائے کا کپ تھامے اپنی نظریں بدستور زمین پر جمائے کہیں سوچوں میں گم تھیں۔

"اب سوچتی ہی رہے گی یا مجھے کچھ بتائے گی بھی کہ کب لاؤں ان لوگوں کو تیرے گھر؟" چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ بھر کے وہ ان سے مخاطب ہوئیں۔

"تیری جگہ اگر میں ہوتی ناں تو سچ کہوں کب کی اپنی بیٹی کے لیے اس رشتے کی منظوری دے کر شادی کے دن بھی ڈلوا چکی ہوتی۔ تیسرا چکر ہے میرا یہاں لیکن ابھی تک کوئی سرا نہیں پکڑایا تو نے۔"

"شکوہ تو آپ کا بھی بالکل بجا ہے آپا مگر! کیا کروں دل مانتا نہیں ہے میرا۔ علیزہ کے ابو سے ذکر کر لوں تو پھر ایک آدھ ہفتے میں بتاتی ہوں۔"

سو سو کے کتنے ہی نئے نوٹ پرس سے نکال کر ان کی طرف بڑھا کر فریحہ ساتھ میں انہیں اپنی مجبوری بھی بتانے لگیں۔ ان لال کڑکتے نوٹوں کو پکڑتے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوئے مارے خوشی کے گرچہ حلیمہ بی کے ہاتھوں میں رعشہ سا طاری ہو گیا تھا مگر پھر بھی جھٹ پٹ انہیں بٹوے میں اڑس کر وہ خاصی راز داری سے گویا ہوئیں۔

"تسلی سے سوچ لے، فکر نہ کر، ویسے بھی لڑکے کی پھوپھی نے سب مجھ پر ہی چھوڑ رکھا ہے۔ تیری طرف سے ہاں یا ناں میں جواب لے کر ہی تو آگے چلوں گی۔ جانتی ہوں اچھے سے کہ یہ رشتہ باہر نکلا نہیں اور لوگوں نے جھپٹا نہیں۔"

اپنے بھاری بھرکم جثے کے ساتھ عبایا سنبھالتی پھر حلیمہ بی تو چل دیں لیکن پیچھے فریحہ کو اچھا خاصا الجھا گئیں۔ اس لیے وہ بھی سیدھی بستر پہ جا لیٹیں اور چادر سے منہ سر لپیٹ کر جان بوجھ کے سوتی بن گئیں۔ علیزہ انہیں پورے گھر میں ڈھونڈتی

کمرے تک آئی مگر ماں کو سوتا دیکھ کر واپس لوٹ گئی۔

☆☆☆

شوہر کے حصول روزگار کی خاطر شارجہ مقیم ہونے کے سبب دونوں بچوں علیزہ اور تیمور کے ساتھ ساتھ گھر باہر کی تمام تر ذمہ داری فریحہ کے سر پہ تھی جسے یہ حسن وخوبی وہ کئی سالوں سے سرانجام دیتی چلی آرہی تھیں۔

علیزہ کے پڑھائی مکمل کرتے ہی ان کو اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ شادی دفتروں کے چکر میں وہ پڑنا نہیں چاہتی تھیں اور نہ ہی بھانت بھانت کے لوگوں کو گھر بلوا کر بیٹی کی شناخت پریڈ کی قائل تھیں، اس لیے رشتے کروانے والی حلیمہ بی سے ان کی پرانی جان پہچان ہونے کے سبب انہیں کوئی اچھا سا رشتہ لانے کو کہا۔

وہ تو اگلے ہی روز ایک عدد رشتے کے ساتھ آن وارد ہوئیں جب کہ دوسری سلمٰی تھی جو فریحہ کی دوست کے توسط سے آج ان کی طرف آئی تھی۔

"بڑا سوہنا ہے یہ لڑکا باجی...... بالکل جیسے کوئی شہزادہ، لکھا پڑھا بھی خوب ہے اور خیر سے تنخواہ بھی اچھی لیتا ہے۔"

"خاندان تو زیادہ بڑا نہیں اس کا؟" رشتہ معقول لگنے پر فریحہ کو بھی مزید جاننے میں دلچسپی ہوئی۔

"کوئی نہیں باجی چھوٹا سا ہی تو ہے بس تین بھائی اور تین ہی بہنیں۔" سلمٰی جواب دیتے ہوئے ذرا ہچکچائی۔

"اچھا" فریحہ کے اندر تک کڑواہٹ گھل گئی تھی۔

"مگر یہ خاندان کچھ زیادہ بڑا نہیں ہے؟"

"نہیں نہیں باجی! یہ چھوٹے دو بہن بھائی ہی بیاہنے کو رہ گئے ہیں بس، بڑے والے تو سارے اپنے گھر بار بچوں والے ہیں۔"

ان کے چہرے پہ لہراتی مایوسی دیکھ کر سلمٰی نے ہمت بندھانی چاہی۔

"میری مانیں تو ایک نظر دیکھ لیں۔ کوئی حرج نہیں۔ اچھے لوگ ہیں، بچی خوش رہے گی۔" سلمٰی کے مشورے پر فریحہ جواباً نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"نہ بابا نہ...... میں کیسے اپنی ایک ہی بیٹی کو اتنے بڑے خاندان میں بیاہ دوں۔ ہمارے وقت میں تو بات اور تھی تب کنبے ہی بڑے بڑے ہوا کرتے، ماں باپ کے گھر سے کام کرتی لڑکیاں سسرال جاتے ہی چولہا چوکی کے آگے بٹھادی جاتیں۔ ذمہ داریوں کے پہاڑ تھے جوان پر لاد دیے جاتے اور کیا مجال ان کی کہ وہ چوک جائیں۔ لیکن آج کل خاندان چھوٹے ہوگئے ہیں، اس لیے زندگی بھی آسان رہتی ہے۔"

"باجی! یاد کریں گی جو یہ رشتہ بتا رہی ہوں۔ ابھی سے انکار نہ کریں۔ میں پھر کسی روز آجاؤں گی۔" سلمٰی کی اس تجویز پر فریحہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اقرار میں سر ہلانا پڑا۔

☆☆☆

"ہاشم! علیزہ کے لیے دو گھروں سے رشتے ہیں۔ انجان لوگ ہونے کی وجہ سے گھر بلاتے ہوئے بھی گھبراتی ہوں اس لیے پہلے اپنی تسلی کرنے کے بعد ہی کہ ان دونوں میں سے کون سا رشتہ زیادہ موزوں ہے ___ اسی فیملی کو گھر بلاؤں۔"

دو تین دن کی مسلسل سوچ بچار کے بعد فریحہ سے جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو انہوں نے شوہر کو فون ملالیا۔

"بیٹی کے مستقبل کا معاملہ ہے جتنا بہتر فیصلہ ہم دونوں مل کر کرسکتے ہیں وہ مجھ اکیلی کے بس کی بات نہیں۔ کسی طرح بھی اگر آپ ایک ڈیڑھ ہفتے کے لیے آجائیں تو کتنا اچھا ہو۔ میری ٹینشن بھی ختم ہوجائے گی۔"

"فریحہ! ابھی مجھے پاکستان سے واپس آئے دو ماہ ہی تو گزرے ہیں۔ اتنی جلدی ایسا ممکن نہیں ہے کوئی ایمرجنسی ہو تو الگ بات ہے۔"

"پھر بھی آپ ایک کوشش کر کے دیکھیں۔"

ہاشم کے انکار پر وہ مصر ہوئیں۔

"ایک تو ویسے ہی آج کل ہماری کمپنی کا آڈٹ چل رہا ہے، دوسرا پورے سال کی کلوزنگ کا کام بھی اسی مہینے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کے آخر میں ہے اس لیے میرا ان دنوں پاکستان آنا بہت مشکل ہے، اسے میری مجبوری سمجھو، لیکن فریحہ! مجھے تم پر مکمل بھروسا ہے یقیناً اچھا فیصلہ ہی کروگی۔ ہاں مگر رشتہ طے کرنے سے قبل لڑکے، اس کی جاب اور خاندان وغیرہ کے بارے میں اپنے طور پر میں لازماً تحقیق کراؤں گا۔“

وہ اپنی جگہ درست کہہ رہے تھے لہٰذا فریحہ بھی خاموش ہوگئیں۔

اس وقت علیزہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب فریحہ اندر چلی آئیں اور اس سے کہنے لگیں۔

”میرا سر بھاری ہو رہا ہے اس لیے اندر آرام کرنے جا رہی ہوں۔ بھائی کالج سے آئے گا تو اسے کھانا نکال دینا۔“

”جی امی! لیکن پہلے سر درد کی گولی لے لیں ساتھ چائے بھی بنا لائی ہوں۔“ وہ فکرمندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ابھی نہیں ذرا دیر سولوں تو شاید فرق پڑ جائے اور چائے بھی اٹھ کر پیتی ہوں۔“

☆☆☆

”بیٹی کے رشتے کے معاملات نے انہیں اچھا خاصا الجھا ڈالا تھا کہ ہر وقت ان ہی سوچوں کے ساتھ برسرپیکار رہنے کی وجہ سے طبیعت کی خرابی لازمی تھی لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اتنے روز کی سوچ بچار سے وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھیں۔ تب ہی تو آج صبح ناشتہ کرتے ہوئے وہ کافی بشاش نظر آئیں۔“

”علیزہ! میں نے سوچ لیا ہے کہ حلیمہ بی کو فون کرکے کہہ دوں کہ لڑکے والوں کے ساتھ کوئی ٹائم سیٹ کرکے مجھے بتا دے۔ میرے خیال سے یہ رشتہ اس لحاظ سے مناسب ہے کہ اکیلا لڑکا...... ماں باپ بھی نہیں ہیں اس کے اور نہ ہی دیور نندوں والے جھنجھٹ ہوں گے وہاں۔“

جتنی پرسکون ہوکر وہ بیٹی کو بتا رہی تھیں ان کی باتیں سن کر علیزہ اتنا ہی بے چین ہوگئی اور خود کو ماں کے سامنے بولنے سے روک نہ پائی۔

”سننے میں تو یہ سب بڑا اچھا لگتا ہے امی...... مگر حقیقت میں کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ سسرال کے نام پہ آپ کا کوئی رشتے دار ہی نہیں۔ اس انسان کی بھی کیا زندگی ہے جس کا کوئی اپنا ہی نہ ہو۔“

”ایک تو سسرال اور پھر وہ بھی بڑا سسرال کسی جنجال سے کم نہیں ہوتا، بیٹا جی! میں نے بھگتا ہے اس لیے نہیں چاہتی کہ تمہیں بھی بڑے خاندان میں بھیج دوں۔“

علیزہ کی بات سن کر فریحہ نے اسے اپنی زندگی کا تجربہ بتانا چاہا۔

”ہاشم کے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہونے کے سبب تمہاری چاروں پھوپھوں اور دونوں چچاؤں کی شادیاں بھی میں نے ہی کی ہیں۔ ہم میاں بیوی تو ساری زندگی خدمتیں ہی کرتے آئے ہیں۔ مہمان داریاں، دعوتیں پورا پورا دن میں تو کچن سے ہی نہ نکل پاتی تھی، دو جا رہی ہیں اور دو آ رہی ہیں۔ یہ تو تمہارے ابو کا بڑا احسان ہے کہ مجھے الگ گھر بنوا دیا۔“ تب ہی تو زندگی سکون سے گزر رہی ہے۔“

لیکن یہ سب سن کر بھی علیزہ ماں سے ہرگز متفق نہ تھی۔

”مانتی ہوں امی! کہ آپ نے سسرال میں بڑی ذمہ داریاں نبھائی ہیں، وہاں تصویر کا دوسرا رخ بھی تو دیکھیں کہ دادی، دادا پھپھو اور چاچو آپ کو عزت بھی تو کتنی دیتے ہیں۔ ہماری ذرا سی تکلیف یا پھر خوشی کا سن کر کیسے دوڑے چلے آتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں آپ ہمیں دادی کے پاس چھوڑ کر نانو کے گھر چلی جاتی تھیں۔ فراز ماموں کی شادی پہ تو آپ ایک ہفتہ پہلے ہی چلی گئیں۔ انیلا اور فائزہ پھپھو نے پیچھے ہمارا کتنا خیال رکھا۔ روزانہ نہلا دھلا کر اسکول بھجیں اور پھر نانا جان کے بیمار ہونے پر تو آپ پورا مہینہ ان کے پاس رہیں۔“

اچانک یاد آنے پر وہ ماں کو بتانے لگی۔

”پھپھو ہمیں ہوم ورک کرواتیں ایک دن بھی ہمارا اسکول سے ناغہ ہوا نہ کام کا حرج۔ دادی تو گود میں بٹھا کر اتنے پیار سے اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر ہمیں کھلایا کرتی تھیں۔“

وہ جو بھی کہہ رہی تھی بالکل سچ تھا۔ بڑی بہو کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

حیثیت سے اگر فریحہ نے اپنے سسرال کی خدمت کی ان کی ذمہ داریوں کو اپنا سمجھ کر طریقے سے نبھایا تھا تو جواباً سسرال والوں نے بھی فریحہ کو ہمیشہ عزت اور احترام کی مسند پر ہی بٹھایا۔ علیزہ اور تیمور کو پال کر بڑا کرنے میں ان کی دونوں چھوٹی نندوں کا بڑا ہاتھ تھا۔

وہ دل سے بیٹی کی سمجھداری کی قائل ہو چکی تھیں۔

”مجھے نہیں پتا امی! میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی یقیناً وہ ہی بہتر ہوگا لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتی ہوں کہ محض بڑا خاندان ہونے کی وجہ سے کسی رشتے کو ریجکٹ اور چھوٹا بلکہ ایک اکیلا لڑکا ہونے کی وجہ سے سلیکٹ نہ کریں۔“

”ماں ہوں ناں تمہاری، اس لیے نہیں چاہتی کہ تم بھی بیاہ کر بڑے خاندان میں جاؤ اور ذمہ داریوں کے بھاری بوجھ تلے دب کے خود کو ہی فراموش کر بیٹھو۔“

”امی! ذمہ داریاں تو دونوں صورتوں میں ادا کرنی ہوتی ہیں چاہے خاندان بڑا ہو یا چھوٹا۔ اکیلا بندہ کتنا بھی باہر گھوم پھر آئے دھڑا دھڑ شاپنگ کر لے۔“ سینما جائے کھائے پیے لیکن جب خالی گھر کاٹ کھانے کو دوڑے گا تو پھر مجھے بھاگ کر آپ کے پاس ہی آنا ہوگا اور یہ بات کسی کو بھی پسند نہیں ہوتی۔“

بلاشبہ علیزہ کی باتوں میں دم تھا کہ فریحہ بھی لاجواب ہو گئیں۔

”ننھیال ددھیال میں میری ہم عمر کوئی لڑکی نہیں مجھ سے بہت بڑی ہیں یا پھر بہت چھوٹی۔ ہاں اسکول کالج کی فرینڈز سے مل کر دل بہلا لیتی ہوں مجھ سے بڑھ کر ان رشتوں کی قدر کس کو ہوگی امی کہ آگے نندوں کی صورت میں بہنیں مل جائیں گی۔“

”میں ناحق پریشان ہو رہی تھی اور الٹا تمہارے ابو سے پاکستان آنے کا تقاضا کیے جاتی تھی مگر علیزہ بچے! تم نے تو میری اتنی بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔“

فریحہ نے بیٹی کو گلے لگا کر چوم لیا۔

”ہوتا یہ ہے کہ بات جب اپنے پہ آئے تو ساری عقل مندی اڑن چھو ہو جاتی ہے۔ مجھ سے کوئی فیصلہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ اچھا ہوا جو تم سے بات کر لی۔ اب آگے کیا کرنا ہے، میں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں۔“ بڑے بزرگ ٹھیک کہتے تھے کہ ہر نسل پچھلی سے زیادہ ذہین ہوتی ہے۔ بچے بھی ہمیں اچھے مشورے دے سکتے ہیں۔“

ذہنی طور پر مطمئن ہو کر آج وہ کتنے دنوں بعد کھل کر مسکرائی تھیں اور کچھ دیر بعد فون پکڑے سلمٰی کا نمبر ملا کر اسے لڑکے والوں کے ساتھ ملاقات کا دن اور وقت طے کرنے کا کہہ رہی تھیں۔

ان لوگوں نے علیزہ کو دیکھتے ہی پسند کر لیا۔ ایک سلجھی اور ہر لحاظ سے مہذب اطوار کی حامل لڑکے کی فیملی ان کی توقع سے بھی بڑھ کر اچھی نکلی کہ فریحہ کے لیے انکار کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔ تب ہی انہوں نے شوہر سے مشورہ کر کے بخوشی اس رشتے کی منظوری دے دی۔

آنے والے ہفتے کی ایک حسین ابر آلود شام گھر میں منعقدہ منگنی کی تقریب میں جب ہینڈسم سا ارسلان علیزہ کو انگوٹھی پہنا رہا تھا تو دھنک کے سارے ہی رنگ اس کے چہرے پہ رقصاں تھے۔ یہ دیکھ کر فریحہ کے اندر تک طمانیت بھر گئی۔ اپنے سسرال والوں کے جھرمٹ میں گھری تصویریں بنواتی بیٹی کی حقیقی زندگی کی تصویر انہیں مکمل لگی جس میں کوئی خالی پن نہ تھا۔ تمام رشتے ہی آس پاس تھے۔ ساس سسر، نندیں، دیور، جیٹھ، جیٹھانی۔

”میں واقعی غلط تھی علیزہ کے لیے اکیلا لڑکا تلاش کر رہی تھی، اچھی زندگی جینے کے لیے پیار اور احترام کے ساتھ رشتوں کا ساتھ ہونا بھی تو ضروری ہے۔ دکھ سکھ میں ساتھ کھڑے یہ ہی اچھے لگتے ہیں اور اپنے ہونے کا احساس دلا کر ہمیں معتبر بنا دیتے ہیں۔“

یہی سوچتے ہوئے بیٹی کی آئندہ زندگی کے لیے ان کے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی چلی گئیں اور اس آسودگی سے مسرور ہو کر فریحہ نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جویریہ مریم

فسانۂ دل زار

فرض کرو ہم تارے ہوتے
اک دوجے کو دور دور سے دیکھ دیکھ کر جلتے بجھتے
اور پھر اک دن
شاخ فلک سے گرتے اور تاریک خلاؤں میں
کھو جاتے
دریا کے دو دھارے ہوتے

وہ گھاس پہ نیم دراز گنگنا رہی تھی۔ جب ہی سونیا نے اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔ وہ تلملا کے اٹھ بیٹھی۔

''کیا تکلیف ہے یار۔''

''یہ آج کل تم کن ہواؤں میں اڑتی پھر رہی ہو۔ جب دیکھو گنگناتی ہی ملتی ہو یا میسج پہ میسج کرتی رہتی ہو۔'' سونیا نے اس کی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رعب سے پوچھا تھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''اسے محبت ہو جانا کہتے ہیں ڈیر!''

''اسے لعنت کہتے ہیں سنا تم نے۔'' سونیا ناگواری سے بولی۔

''نہیں یار! یہ واقعی اصلی والی محبت ہے۔'' رمشہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

''کون ہے وہ؟'' سونیا کی پیشانی شکن آلود ہو چکی تھی۔

''بھائی کا دوست.....اور تم کس خوشی میں میری دادی اماں بنی ہوئی ہو۔ دوست ہو، دوستوں کی طرح ساتھ دو میرا۔'' رمشہ کی ڈھٹائیاں عروج پر تھیں۔

سونیا اسے افسوس سے دیکھ رہی تھی۔ ''جو

Azeem Kistan Point.com

دوست، دوست کی بہن کے ساتھ چکر چلائے، وہ دوست نہیں دشمن ہوتا ہے اور جہاں تک میرے ساتھ دینے کی بات ہے تو مخلص دوست وہ ہوتی ہے جو تمہیں برے کام سے منع کرے اور اچھے کام میں ساتھ دے۔ ہر الٹے سیدھے کام میں ساتھ دینے والی دوستیں مخلص نہیں ہوتیں۔''

''سونیا یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو آج۔''

''سمیر میرے ساتھ مخلص ہے۔ وہ فلرٹ نہیں کر رہا جو تم اسے دشمن کہہ رہی ہو اور میں نے کون سا الٹا کام کر دیا ہے؟'' رمشہ سنجیدہ ہو چکی تھی۔

''تم کیسے گارنٹی سے کہہ سکتی ہو کہ وہ مخلص ہے تمہارے ساتھ۔'' سونیا بحث پر اتر آئی تھی۔

''اور تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ ٹائم پاس کر رہا ہے۔'' رمشہ کو غصہ آیا تھا اپنی بہترین دوست پر۔

''کیونکہ ہر طرف یہی ہوتا نظر آ رہا ہے، جو سنجیدہ ہوں وہ لڑکی سے نہیں، لڑکی کے والدین سے بات کرتے ہیں۔'' سونیا نے سکون سے کہا تو رمشہ کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے سونیا! میں جھانسوں میں آنے والی نہیں ہوں۔ سمیر ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت منفرد سا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کل کہ وہ ضرور اپنے گھر والوں کو بھیجے گا۔''

''اور اگر وہ منفرد مرد یہ ہی باتیں کسی اور لڑکی سے بھی کر رہا ہوا تو؟''

سونیا کی بات پہ رمشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''سمیر نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں پہلی لڑکی ہوں، اس کی زندگی میں آنے والی اور آخری بھی۔''

''مرد کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگا کرتیں۔ لیکن وہ باز نہیں آتے پھر بھی۔'' سونیا نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

''بڑی بدگمان ہو تم اس قوم سے۔ کہیں، کوئی تجربہ تو نہیں ہوا؟'' رمشہ نے کتابیں سمیٹتے استفسار کیا تو سونیا نے اسے ایک اور دھموکا جڑ دیا۔

''میں اپنا مشاہدہ بیان کر رہی ہو مشاہدہ۔ کہتے ہیں ناں کہ سمجھ دار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے تو میرے لیے مشاہدہ ہی کافی ہے سیکھنے کے لیے۔''

''یار! یہ لفاظی بند کرو اور سموسے لے کر آؤ جلدی سے۔'' رمشہ نے اس کی باتوں سے اکتا کر کہا۔

☆☆☆

''کل تم یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں؟'' سونیا نے سنگی بینچ پر رمشہ کے قریب بیٹھتے اور اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے پوچھا۔

''موڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ وہ سمیر کا میسج پڑھ رہی تھی۔

سونیا نے موبائل کی روشن اسکرین پر نظریں دوڑائیں۔ اس کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

تیری یادوں سے بچ کر نکلوں مجھے ترکیب دے کوئی
میری جانب سے ہر رستہ تیری جانب نکلتا ہے

ابھی وہ اگلا حصہ پڑھ بھی نہ پائی تھی کہ سمیر کی کال آ گئی۔ رمشہ موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹتی ایک طرف چلی گئی۔ سونیا اسے عصیلی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ دوبارہ سنگی بینچ پر آ کر بیٹھی تو سونیا کو غصے میں دیکھ کر جھنجھلا سی گئی۔

''کیا ہو گیا یار! کیوں میرے اور میری محبت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔''

''کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟'' سونیا کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''یار! تبلیغ کرنے مت بیٹھ جانا پلیز۔ محبت کا تعلق ہے اس کے اور میرے درمیان۔'' اب کے رمشہ نے ایک ادا سے کہا۔

''میں اسے گناہ کا تعلق کہوں گی رمشہ! تمہیں شرم آنی چاہیے، ایک غیر مرد سے باتیں کر کے ٹائم ضائع کرتے ہوئے۔ کیا ہمارا مذہب اس سب کی اجازت دیتا ہے؟''

''مذہب کو درمیان میں مت گھسیٹو سونیا! اور

www.paksociety.com
www.pakistanipoint.com

...نہیں پا رہی کہ آخر اس بحث کا مقصد کیا ہے۔ ...بوڑھی روح بنی ہوئی ہو تم۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"یوں گھنٹہ بھر موبائل پر لڑکیوں سے ٹھٹھے مارنے والے لڑکے فلرٹی ہوتے ہیں۔ ایسے لڑکوں کی ان لڑکیوں سے دوستیاں ہوتی ہیں۔ میں تمہیں سراب سے بچنے کے لیے کہہ رہی ہوں اور بس......"

سونیا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور کتابیں سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

رمشہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ سونیا نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"بیٹھو ادھر۔ میں ابھی تمہاری غلط فہمی دور کیے دیتی ہوں۔ مجھے اپنا موبائل دو ادھر۔ میں بار بار سمیر کی توہین برداشت نہیں کرسکتی۔"

سونیا کچھ کچھ سمجھی تو تھی سو بیٹھ گئی اور اپنا موبائل اسے پکڑا دیا۔ رمشہ بڑی سنجیدگی سے میسج لکھ رہی تھی۔ سونیا تھوڑا آگے ہو کر پڑھنے لگی۔

"ڈیر سمیر!

میں تمہاری کزن کی دوست ہوں۔ میں نے تمہیں کئی بار دیکھا ہے۔ واہ کیا پرسنالٹی ہے تمہاری۔ بالکل چاکلیٹی ہیرو لگتے ہو۔ خیر، میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ میں جواب کی منتظر ہوں۔

صبغہ!"

سونیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ رمشہ میسج سینڈ کر کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی میسج ٹون بجی تھی۔ سونیا تیزی سے آگے ہوئی۔

"جواب حاضر ہے صبغہ جی! اللہ نے مجھے اس معاملے میں بڑا سخی بنایا ہے اور نرم دل بھی۔ میں لڑکیوں کے دل نہیں توڑا کرتا۔ آج سے اپنی دوستی پکی۔ ذرا اپنی تصویر تو بھیجو پلیز۔"

رمشہ کے اردگرد دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ بے یقینی سے اسکرین کو گھورے جا رہی تھی۔

سونیا کا چہرہ ہنسی ضبط کرنے کے چکروں میں سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا سونیا!" رمشہ کو اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"اب ایسے شخص کے لیے رونے مت بیٹھ جانا۔ بس اپنے راستے بدل لو۔ درست سمت میں چلو پھر کبھی ایسے دکھ اور دھوکے نہیں ملیں گے۔" سونیا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

رمشہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"سونیا! یہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا خدا کی قسم۔"

"بھول جاؤ۔" سونیا نے سکون سے کہا۔

موبائل کی میسج ٹون ایک بار پھر بجی تھی۔ سونیا نے دیکھا تو سمیر کا ہی میسج تھا۔

سونیا بلند آواز میں پڑھنے لگی۔

کہو اک دن
کہو اک دن
کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
اگر سب کچھ یہ میرا ہے تو سب کچھ بخش دو اک دن
وجود اپنا مجھے دے دو، محبت بخش دو اک دن

"سونیا بند کرو یہ بکواس۔" رمشہ کانوں پر ہاتھ رکھ کے چلائی۔

"او کے او کے...... بلکہ اس کا بکواس نمبر بھی بلیک لسٹ میں ڈالتی ہوں ابھی۔ فضول میں میرا نمبر اس کے پاس چلا گیا۔" سونیا بڑبڑائی تھی۔

رمشہ نے نفی میں سر ہلاتے اپنی آنکھیں رگڑی تھیں۔

پھر اپنا موبائل اٹھا کر سمیر کا نمبر بلیک لسٹ میں ڈالنے لگی۔ ایک ممنون نگاہ اس نے سونیا پر ڈالی۔ اپنی مخلص دوست پر...... اور آئندہ کے لیے دل میں عہد کیا تھا، کبھی غیر محرم مردوں سے ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں رکھے گی۔

☆☆

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

عائشہ نصیر احمد

خلش

ناولٹ

''حوری...... حوری......'' جوش اور خوشی سے لبریز یہ آواز اس کے آنے سے پہلے ہی کمرے میں پہنچ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ خود بھی چوکھٹ پھلانگ کر اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''تجھے پتا ہے...... ابھی ابھی کون آیا ہے؟'' وہ اسے اپنی آمد پر کسی ردعمل کا موقع دیے بغیر چہکی۔ وہ جو فریم ہاتھ میں پکڑے پھول کاڑھتے ہوئے ایک ایک ٹانکا گھنٹہ بھر کی سوچ بچار کے بعد لگا رہی تھی، اس کی دھماکے دار آمد پر غلط ٹانکا لگنے پر تلملا اٹھی۔

''تیرا میاں......''

''ہائے سچی...... کتنی جلدی بتا دیا۔'' اس نے اپنی خوشی میں اس کی جھنجھلاہٹ پر دھیان ہی نہیں دیا۔

''ہیں...... کیا سچ مچ میدو آیا ہے؟'' ٹانکا ادھیڑتی حوریہ پوری سنجیدگی سے چونکی۔

رابی کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

''مرجا کمینی...... منحوس...... کبھی اپنی اس کالی زبان سے کوئی اچھی بات بھی نکال لیا کر۔'' ساتھ ہی ایک دھپ بھی رسید کی اور کراہ کر رہ گئی کہ دبلی پتلی حوریہ کے کندھے سے لگ کر اس کا اپنا ہاتھ درد کرنے لگا

''میدو ہوگا تیرا میاں۔'' وہ اب اپنا ہاتھ سہلا رہی تھی۔

''مرتا تو وہ تم پر ہے۔'' حوریہ نے دانت نکالے۔ رابی بس گھور ہی سکتی تھی، اس بات پر جو ٹھیک بھی تھی۔ میدو تایا جی کی بھینسوں کی رکھوالی اور دیکھ بھال پر مامور تھا۔ قدبت میں وہ خود بھی کسی سانڈ سے کم نہ تھا مگر فطرتاً بھولا اور رابی پر جی جان سے عاشق تھا۔

''مجھ پہ تو دنیا مرتی ہے، ایک یہ بھی مرتا رہے۔'' اس کے لہجے میں غرور آ سمایا۔ ''مگر جسے مرنا چاہیے وہ کیوں نہیں مرتا۔'' اس کا صبح و شام کا یہی تو دکھڑا تھا۔

''تو یہ چھوڑ...... اور بتا بھی اب کون آیا ہے۔'' حوریہ نے کچھ غصے، کچھ اکتاہٹ سے فریم لپیٹ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

لپاٹ کر ایک طرف اچھال دیا۔ یہ پھول اس سے نہیں بننے کا۔ وہ جانتی تھی آج پھر اس کی شامت آنے والی تھی۔

''افوہ..... پھوپھو آئی ہیں، ساتھ میں تیمور بھی۔'' اس کے چہرے پر رنگ بکھرے۔

''تو میاں میاں کہے جا رہی ہے، اب مجھے کیا پتا..... پھوپھو نے تم دونوں کا نکاح پڑھوا دیا ہے۔'' مسکراہٹ چھپا کر اس نے مصنوعی منہ بنایا۔

''نکاح پھوپھو — نہیں..... مولوی خیر دین پڑھوائیں گے خیر سے۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''اب جاؤں ذرا انہیں سلام کرنے۔ میں تو انہیں دیکھتے ہی تمہیں بتانے چلی آئی۔'' اسے اچانک خیال آیا تو اٹھی۔

''لو..... ابھی تک انہیں سلام بھی نہیں کیا۔ بنا چکیں وہ تجھے اپنی بہو۔'' حوریہ نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔ رابی کے چہرے پہ سرخی چھا گئی۔

''تو مر کیوں نہیں جاتی، جب بھی دیکھے گی میری اس دکھتی رگ پر ہی ہاتھ رکھے گی۔''

حوریہ ہنسنے لگی۔

''اچھا تو مر..... میں چائے چڑھا کے آئی۔'' اس کا رخ باورچی خانے کی سمت تھا۔

''نہیں، دونوں ساتھ ہی چلیں گے۔'' وہ اس کے پیچھے تھی۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہی بڑے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ کمرے سے نکلتے تیمور کے قدم انہیں دیکھ کر رکے اور سیاہ آنکھوں میں کتنے ہی جگنو جل اٹھے۔ اس ایک چہرے پر نظر پڑتے ہی سلام کا جواب بھی وہ بس سر ہلا کر ہی دے سکا۔

''تیمور بھائی! چائے چڑھائی ہے میں نے۔ بیٹھ جائیں، کہاں جا رہے ہیں؟'' حوریہ کو اس کے جانے پر حیرت ہوئی۔

''جانے دے حوری! لاٹ صاحب کو کسی ضروری کام سے جانا ہے۔'' تائی نروٹھے لہجے میں بولیں۔ شاید وہ پہلے ہی انہیں اپنے جانے کی وضاحت دے چکا تھا۔ جب ہی بنا کچھ کہے ہلکی سی مسکراہٹ سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ یقیناً چائے پینے بھی رک سکتا تھا لیکن اگر اس کا کام ہو نہ چکا ہوتا، جس کے لیے وہ رکا تھا۔

☆☆☆

''حوری!! تو نے وہ رومال کاڑھا؟'' رات کو جب اماں رابی کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں اور وہ بستر لگا رہی تھی، انہیں پوچھنا یاد آیا۔

''کون سا رومال اماں؟'' وہ بھولے بیٹھی تھی۔ یاد بھی ہوتا تو اس وقت ان کے سامنے بھولا بننے میں بہتری تھی۔

''حد کر دی ہے تُو نے..... ہفتہ بھر پہلے دیا تھا۔ ایک پھول ہی تو تھا اتنے سے رومال پہ۔'' غصے سے کہتے ہوئے انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''اتنا سا بھی نہیں تھا..... میدو کے رومال جتنا تو ہوگا۔'' وہ رومال جو وہ کندھے پر ڈالے رکھتا تھا۔

''اور کتنی بار کہا ہے آپ سے..... مجھ سے نہیں ہوتی یہ سلائی کڑھائی۔ جب دیکھو، کبھی رومال، کبھی دوپٹا، کبھی میز پوش..... میری ساس نے کیا مجھے سلائی کڑھائی سینٹر کھول کے دینا ہے۔'' تپ کر کہتے ہوئے تکیے کو بستر پر پٹخنی دھم سے بیٹھی تھی۔

اور اس کی بات پر اماں تو اچھل پڑیں رابی حیران ہوئی۔

''تیری ساس کہاں ہے؟'' حیرانی سے پوچھتے اسے اپنی ہی معلومات پر شک ہونے لگا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ چپ چاپ منگنی کر لی ہو اور مجھے پتا بھی نہ چلا ہو۔

''کیوں..... وہ کیا زمین سے اگے گا یا آسمان سے ٹپکے گا۔ اس کی ماں نہیں ہوگی۔'' تڑخ کر کہتے ہوئے اس نے تو اماں کی موجودگی کے باعث محتاط الفاظ کا چناؤ کیا تھا مگر اماں کو جانے کیا ہوا اور تو کچھ ملا نہیں، تیل کی شیشی اٹھا کے دے ماری۔ ڈھکن ہلکا سا اٹھا، سامنے کی چارپائی سے اماں کے بہترین نشانے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

باعث وہ اس سے آ کر ہم آغوش ہوا۔
''زبان کے آگے خندق ہے منحوس۔''
''اماں۔'' وہ بھونچکی رہ گئی۔ تیل اس کی سبز لان
کا بیس کوتر کر گیا تھا۔
''ابھی تو نہا کر آئی تھی۔'' وہ پہلے چلائی پھر
ا اسی۔
''کوئی نہیں، گرمی ہے۔ ایک بار اور نہا لے۔''
ابا کی قلقل نے مزید دماغ خراب کیا۔
''جا...... رومال لا کے دکھا مجھے۔'' اماں کی سوئی
رومال میں ہی اٹکی تھی۔
''رومال نہیں میری جان کا عذاب۔ یہ قمیص
اب ہی دھوئیں گی۔ میں نہیں دھونے والی، بتا رہی
ہوں آپ کو۔'' فریم ان کے قریب پہنچ کے وہ الماری
کی طرف بڑھی۔
''ہیں...... یہ تو نے پتیاں کاڑھی ہیں یا مرسلین کا
لکڑ آ کر پنجے مار گیا تھا۔'' اماں کو سخت صدمہ ہوا،
بھدے پن سے بنائے گئے اس پھول کو دیکھ کر۔
''میرا ایسا تھا اس سے زیادہ صاف نہیں ہو سکتا۔''
الماری کا پٹ کھولے قدموں میں پڑے کپڑوں کے
ڈھیر سے اپنے لیے کرتی ڈھونڈتی وہ بڑبڑائی۔
''اس سے زیادہ صفائی سے تو شمیلہ کڑھائی
کر لیتی ہے چاچی۔'' رابی نے آگ لگانے کے انداز
میں خالہ کی دس سال بیٹی کا نام لیا۔
''ستیاناس ہو اس لڑکی کا۔ اب تو جب تک
اپنے سامنے بٹھا کے نہ کراؤں، میں نے بھی چین
سے نہیں بیٹھنا۔'' اماں کو بڑی تپ چڑھی تھی۔ رابعہ
سلائی کڑھائی، ہر قسم کی دستکاری میں ماہر تھی۔ اس پر
دیکھنے میں اچھی خاصی دیہاتی حسن کے مروجہ اصولوں
کے عین مطابق گورا رنگ، نکلتا قد، فربہی مائل جسم......
اس کے سامنے سانولی سلونی نمکین سا حسن رکھنے
والی حوریہ دیکھنے والوں کو اکثر پس منظر میں ہی نظر
آتی۔
اماں جانتی تھیں، شکل و صورت کا تو کچھ نہیں
ہو سکتا، کم از کم دیگر معاملوں میں تو وہ رابی کی ہم پلہ

ہو۔ گاؤں میں، خاندان میں ہر جگہ ستائشی نظریں اور
جملے رابی کا ہی تعاقب کرتے نظر آتے۔ اکثر تو حوریہ
کے لیے آنے والے رشتے بھی رابی کو دیکھتے ہی اس
کی جانب منتقل ہو جاتے۔ اماں کے لیے لمحۂ فکریہ تھا
مگر حوریہ نے بھی قسم کھا رکھی تھی، ہر معاملے میں انہیں
مایوس کرنے کی۔

☆☆☆

وہ اسے دیکھ آتا تھا تو بے چینی کچھ بڑھ جاتی
تھی، اسے یوں بے خبر دیکھ کر۔ کبھی دل چاہتا اسے
بتا دے، پھر خود کو روک لیتا کہ ابھی صحیح وقت نہیں آیا۔
وہ اس کے ماموں کا گھر تھا۔ بچپن سے لے کر
اب تک وہ وہاں ہزاروں بار جا چکا تھا۔ بڑے ماما کے
فرزند سکندر سے تو اس کا گہرا یارانہ تھا۔ مگر ان ہزاروں
دنوں میں کوئی دن کبھی معمول سے ہٹ کر بسر نہیں
ہوا۔ اسے کبھی اپنے کسی کزن کے چہرے پر کوئی غیر
معمولی بات نظر نہیں آئی۔ مگر اس دن...... نجانے
کیسے اس دن...... سورج اپنی تمام تر حدت جب
زمین پر برسانے کے لیے نکلا تو اس کے دل کے لیے
ایک حصہ الگ سے لیتا آیا تھا۔ وہ سکندر سے ملنے آیا
تھا۔

گرمی اپنے جوبن پر تھی، گندم کی کٹائی کے دن
تھے۔ اس کی اپنی بڑی مصروفیت تھی۔ ابا جی جو اراضی
اس کے لیے چھوڑ کر اگلے جہان سدھارے تھے،
اگرچہ وہ اتنی بڑی نہیں تو اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی۔
مگر سکندر سے پڑا کام بھی ضروری تھا۔ سکندر
اس وقت غسل خانے میں تھا جب وہ اس کے لیے لسی
کا گلاس لے کر آئی۔ اس نے بے دھیانی میں گلاس
تھاما۔ وہ جانے کو مڑی اور پراندہ پیچھے کو جھٹکا تھا۔
موتیوں سے چھنچھناتا پراندہ اس کے منہ پر آ کر لگا۔
وہ تڑپ گیا۔
''حوری......'' اس کی آواز بلند ہوئی۔
''ہائے میں مر گئی۔'' وہ گھبرا کر مڑی اور اپنی
حرکت کا نتیجہ دیکھتے ہی منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ جو اس
چبھتے ہوئے پراندے کی ضرب سے تلملایا ہوا تھا، اس

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کا چہرہ دیکھتے ہوئے پل بھر کو جیسے سب کچھ بھول سا گیا۔

بڑی بڑی کجراری آنکھوں میں خوف و گھبراہٹ لیے وہ بے دھڑک اس کے دل میں گھسی آئی تھی۔

''زیادہ لگ گئی کیا؟ آنکھ پر تو نہیں لگی...... دکھائیں ذرا۔'' وہ قریب ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ۔'' آنکھ پر تو واقعی لگی تھی۔ دائیں آنکھ کو دھیرے سے مسلتے ہوئے اس نے نظریں چرائیں مگر جو دل پر لگی تھی، وہ زیادہ زوردار تھی۔

''دکھائیں تو...... ہائے اللہ۔ اگر آنکھ پر زیادہ لگی ہوئی تو اماں میری جان نکال دیں گی۔'' وہ روہانسی ہوگئی اس کی آنکھ سرخ ہوتے دیکھ کر۔

''اس سے پہلے میں جان نکال دوں گا، اب جاؤ۔'' وہ جھنجلایا۔ وہ چاہ رہا تھا، یہ سامنے سے ہٹے۔ وہ چلی گئی مگر اگلے چار پانچ دن تک اس کی آنکھ اور دل ایک ساتھ سلگتے رہے۔ آنکھ پر مرہم لگا تا اور دل پر اس کی دید کا پھاہا۔ تب جا کر چین ملتا اور ہر بار اسے دیکھنے پر اس کا ایک ہی سوال ہوتا۔

''آنکھ کیسی ہے؟''

اور وہ دل ہی دل میں ہنس پڑتا۔ دل کا پوچھو تو بتاؤں۔ وہ مطمئن تھا۔ ماموں کی بیٹی ہی تو ہے اور اماں اپنے بھائیوں کی لاڈلی۔ کوئی دیوار نہیں...... کوئی ظالم سماج نہیں۔ کوئی اڑنگا نہیں۔

☆☆☆

''رابی...... اور رابی...... ادھر آ۔ میدو سے دودھ لے۔'' وہ ڈیوڑھی کے پاس ہی کھڑی مرغیوں کو باہر ہشکا رہی تھی جب میدو دودھ لے کر آیا۔ اس نے جان بوجھ کے رابی کو ہی آواز دی۔

''ہیں...... میدو ہے یا بھینس۔ جو اس سے دودھ لوں۔'' با آواز بلند تبصرہ کرتی رابی اس طرف کو آئی۔ اسے دیکھتے ہی دودھ کی بالٹی نیچے رکھتے ہوئے

میدو نے کندھے پر پڑے رومال سے اپنا پسینہ پونچھا۔ سورج اگرچہ نکل آیا تھا مگر اس میں وہ تپش نہیں تھی۔ گرانڈیل سا میدو جانے کیوں اسے دیکھ کر موم بن کر پگھلنے لگتا۔

وہ جانتی تھی، جب ہی چہرے پر آئی پُرغرور سی مسکراہٹ دبائی۔

''تو نہیں لے سکتی۔ تیرے ہاتھ ٹوٹے ہیں۔'' حوریہ سے ناراضی جتاتے اس نے بالٹی اٹھائی اور دوسرے ہی لمحے واپس رکھ دی۔

''اوئی اللہ۔ آج دودھ زیادہ ہے؟''

''ملک جی نے کہا تھا، ایک کلو اوپر سے ڈالنے کو۔'' نظریں جھکائے کہتے وہ اسے دیکھنا بھی چاہتا، دیکھ بھی نہیں پاتا۔

''تایا جی نے کل کھیر کی فرمائش کی تھی۔'' حوریہ نے پاس سے گزرتے ہوئے اطلاع دی۔

''اب میں کیا کروں...... یہ مجھ سے نہیں اٹھائی جائے گی۔'' نازک مزاج بنتے اس نے بے زاری سے کہا۔

''میں لے جاتا ہوں جی۔'' وہ کس لیے تھا حکم کا غلام۔ ملک جی سے زیادہ ان کی بیٹی کا۔

''سن میدو! میرا ایک کام کرے گا۔'' بالٹی باورچی خانے میں رکھ کر جب وہ پلٹنے کو تھا۔ رابی نے پھر سے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈالیں۔

''حکم کریں جی۔''

''بڑی مارکیٹ میں کل دوپٹا دیا تھا، پیکو کروانے کو۔ کم بخت کہہ رہا تھا آج رش بہت ہے، کل ملے گا۔ اب جاؤں گی تو اماں ڈانٹیں گی، تو لا دے گا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

اس کا سر میکانکی انداز میں ہلا تھا۔ وہ جوئے شیر لانے کو بولتی، تو بھی سر کے بل جاتا۔ اس نے اسے اپنے کسی کام کے قابل تو جانا۔

''رک، رسید لا دوں'' وہ خوش ہوگئی۔ ''اس نے ادھر ادھر کر دیا تو کہاں اس پر ایف آئی آر کٹواؤں گی۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اس کے ہاتھ سے رسید لیتے ہوئے اس نے بڑی شدت سے خواہش کی تھی۔

''تمہیں یوں ہی مجھ سے کام پڑتا رہے، میں یوں ہی تمہارے کام آتا رہوں۔'' ملازم تھا، دل اس سے آگے کی خواہش کر بھی کہاں سکتا تھا۔

☆☆☆

سورج ڈھلنے کی تیاریوں میں تھا۔ آسمانی کنارے سیندوری ہونے لگے تھے۔ وہ چھت پر بچھی چارپائی پر دراز منہ پر رومال ڈالے اردگرد سے بے خبر تھا، جب سکندر اس کی تلاش میں اوپر ہی چلا آیا تھا۔

''اوئے میرے جگر دے ٹوٹے، شام کے اس پہر تو یہاں..... کسی سوہنی کے انتظار میں تو نہیں۔'' آس پاس کی چھتوں پر نظر دوڑاتے سکندر نے اس کے چہرے سے رومال کھینچا۔

''نہیں یار!'' آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

''یوں ہی دل چاہ رہا تھا، کچھ دیر اکیلے رہنے کو۔''

''ہائے یہ عاشقوں کے سیاپے۔'' سکندر نے شرارت سے اسے چھیڑا۔ وہ ہم راز تھا اس کا۔

''چل گھر چلیں۔ بہت دن ہو گئے تو نے چکر نہیں لگایا۔'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''نہیں یار!'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''دل نہیں چاہ رہا۔''

''دل نہیں چاہ رہا۔'' سکندر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''ہمارے گھر آنے کا دل نہیں چاہ رہا؟'' وہ تصدیق چاہ رہا تھا۔

''ہاں..... غصہ آتا ہے۔'' اس کا لہجہ چٹخا۔

''کیوں؟'' اس کا رویہ سکندر کی سمجھ بالاتر تھا۔

''اسے خبر ہی نہیں، میں اپنا روگ پالے بیٹھا ہوں۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے لب بھینچے۔

''لو..... اتنی سی بات۔ تو خبردار کر دے اسے۔'' سکندر نے چٹکی بجاتے مسئلے کا حل نکالا۔

''ویسے یہ بھی اچھا ہے کہ تیرا دل اس پر آیا۔''

''کیوں؟'' تیمور چونکا۔

''رابی پر آیا ہوتا تو سوچو۔ ایک طرف میرے ہٹلر جیسے ابا جی، دوسری طرف پھاپھے کٹنی بیٹی۔ تیرا مستقبل خطرے میں تھا بھائی۔'' وہ ایسا ہی تھا منہ پھٹ اور بے تکلف۔ جب ہی تو تیمور اسے راز دار بنانے کی ہمت کر پایا تھا ورنہ کچھ بھی تھا..... تھی تو اس کے گھر کی ہی لڑکی۔ دل کے نہاں خانوں میں کہیں یہ پیش بندی ہی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، کہیں سکندر بازی لے گیا تو.....

''میں اسے ابھی نہیں بتانا چاہتا۔'' وہ ہنس بھی نہیں پایا اس کی بات پر۔

''بتانا بھی نہیں چاہتا اور غصہ بھی ہے بے چاری پر۔ کیا اسے تیری محبت کا خواب آئے گا۔'' سکندر نے طنز کیا۔

''آنا تو چاہیے۔'' اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''دیکھ..... اس طرح منہ لپیٹے پڑے رہنے سے بات نہیں بنے گی۔ یا اسے بتائے گا یا اپنی اماں کو، اب سوچ لے تجھے کیا کرنا ہے..... ورنہ بیٹھا رہ پھر یوں ہی اداس الو بن کے۔'' سکندر سنجیدہ ہو چلا۔

''میں اداس نہیں ہوں۔'' اسے اطمینان دلانے کو اسے ہنسنا ہی پڑا۔

''آنکھیں بتا رہی ہیں، کیا خوش ہے۔'' وہ چڑ گیا۔

''چل..... نیچے چلیں۔ انعم چائے بنا چکی ہوگی۔'' موضوع بدلتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے چائے نہیں پینی، بھوک لگی ہے۔ کھانا کھاؤں گا۔'' پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے مسکین سی صورت بنائی۔

www.pakistanipoint.com

"بھکڑ۔" مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے تیمور نے اسے گھورا۔

"سن۔ پھوپھو سے بات کر، ورنہ پھر میں کروں گا ان سے بات۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

"ابے یار! میں کرلوں گا۔" وہ حقیقتاً گھبرا گیا۔

"تو میرا ابا نہ بن۔"

"تجھے ناں سچ میں سسر کی صورت میرا ابا ہی ملنا چاہیے تھا۔ پھر پتا چلتا آٹے دال کا بھاؤ۔" وہ ہنسنے لگا، اس کی گھبراہٹ دیکھ کر۔

"اتنے بھی سخت نہیں ہیں ماما جی۔" وہ اسے گھورتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا۔

"قبر کا حال مردہ ہی جانتا ہے۔" سکندر نے لہجے میں مصنوعی لاچاری سموئی۔

"واقعی......قبر کا حال صرف مردہ جانتا ہے۔"

سکندر کہہ رہا تھا پھوپھو سے بات کرو۔ ادھر انعم کی شادی سر پر تھی، وہ کیسے اماں کو اس نئے بکھیڑے میں ڈال سکتا تھا۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ جب اس کی آنکھ اچانک ہی کھلی تھی۔ تب اسے احساس ہوا، اپنی دھونکنی کی طرح چلتی سانسوں کا، پسینے میں تر وجود کا۔

"یہ کیسا خواب تھا۔" اس نے خود سے پوچھا تو لرز گئی۔

تیمور اس کے قریب تھا اور اتنے قریب...... خواب میں ہر غیر متوقع صورت حال عام سی لگتی ہے۔ مگر اب جاگنے کے بعد اسے لگ رہا تھا، کہیں ڈاکا مار لیا ہو اور کہاں اس نے چور نظروں سے رابی کے بستر کی طرف دیکھا۔ وہ بے سدھ سوئی ہوئی تھی۔

"اگر اسے میرے خواب کا پتا چل گیا تو......" اس نے سوچا۔ "یہ تو اس خواب میں بھی میرے ساتھ لڑنے مرنے پر تل جائے گی لیکن......ایسا خواب مجھے ہی کیوں نظر آیا۔ کیوں......" وہ جتنی بار سوچتی دل کسی سہمے ہوئے پنچھی کی طرح سینے میں پھڑپھڑا کر رہ جاتا۔

مؤذن کی آواز تک وہ کروٹیں بدلتی رہی تھی اور صبح جب اماں سب کے لیے گرما گرم پراٹھے بنا رہی تھیں اور وہ ان کے ساتھ پیڑے بنانے کی مہم پر تھی۔ ویسے تو اماں کے ہزار بار کہنے پر بھی ان کی مدد کو نہ آتی تھی مگر آج رات والے خواب کے زیر اثر اپنی بے چینی کم کرنے کو وہ کام کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تیرا منہ کیوں اترا ہوا ہے؟ رات کو خواب میں کسی سے لڑی تھی کیا؟" رابی اسی وقت منہ ہاتھ دھو کے آئی تھی۔

چنگیز اپنی طرف کھینچتے اس نے اس کے اترے ہوئے چہرے پر تبصرہ کیا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر توے پر پراٹھا پلٹتی اماں کو۔

"ہاں لڑی تھی۔"

"کس سے؟" رابی اپنا اندازہ درست ثابت ہونے پر خوش ہوئی۔

"تیرے میاں سے۔" اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہونہہ......" اس کا منہ بن گیا۔ حوریہ ہنس پڑی۔

"تجھے کیا پتا، میں نے کل رات کیا دیکھا۔" وہ صرف سوچ سکتی تھی۔

"منہ بند کرو اپنے اور ناشتا ٹھونسو جلدی۔ پھر نسیمہ کے ہاں بھی جانا ہے۔" اماں نے انہیں ٹوکا۔

"حوریہ تو بھی چھوڑ پیڑے، ناشتا کر اور تیار ہو جا۔"

"ہیں......اماں کون کون جا رہا ہے۔" کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی ہوتی۔ اب چہرے کا رنگ اڑا تھا اور رابی کا کھل گیا تھا۔

"تو اور رابی...... بھابھی کے ساتھ۔ انعم کے سسرالی آرہے ہیں وہاں شادی کا دن رکھنے۔ نسیمہ کہہ رہی تھی، کڑیاں بھی بھیج دینا۔ انعم اکیلی ہے، کام دیکھ لیں گی۔" اماں نے تفصیل بتائی۔ اس نے اپنے آٹا لگے ہاتھوں کو دیکھا اور بے دلی سے اٹھ کھڑی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوئی۔

''ناشتا تو کرلے۔'' اماں نے ٹوکا۔

''بھوک نہیں۔''

''مجھے بھی۔'' رابی کے چہرے پر دھنک اتری تھی۔

''اچھا ہی ہے چلی جاؤں، اسے دیکھوں گی تو شاید اس خواب کے اثر سے نکل آؤں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کپڑوں پر استری پھیرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اسی وقت رابی چلی آئی، وہ بڑی تیز تھی۔ اس نے کپڑے بھی بدل لیے تھے۔ اب چہرہ چمکا رہی تھی۔

حوریہ اکثر اس سے کہتی۔

''پہلے ہی اتنی گوری ہے، کیوں لگاتی ہے اتنی کریمیں۔''

''تاکہ اور گوری ہوکر چمکنے لگوں...... اور تیمور مجھے دیکھے تو نظریں نہ ہٹا سکے۔'' وہ ہنس کر کہتی۔

حوریہ گوری نہیں تھی مگر اس نے کبھی ایسی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ گورا بننے کی یا نظر آنے کی نہ ہی یہ الم غلم کبھی چہرے پر تھوپا تھا۔ ہاں کاجل پسند تھا، اسے وہ بھر بھر کے ڈالتی تھی آنکھوں میں۔ اس کی آنکھیں تھیں ہی بہت خوب صورت۔ بڑی بڑی گھنیری پلکوں والی سیاہ کجراری سی۔

''اب تو انعم کا بھی بیاہ ہورہا ہے۔ پتا نہیں پھوپھو میرا رشتہ لینے کب آئیں گی۔'' رابی کو یہی ٹینشن تھی۔

''انعم ہم سے دو سال بڑی ہے۔'' اس نے یاد دلایا۔

''ہاں لیکن پھر بھی...... سارے پنڈ کے لڑکوں کی اماؤں کو میں نظر آتی ہوں۔ ایک پھوپھو کو ہی نظر نہیں آتی۔''

حوریہ کو ہنسی آگئی۔

''ان کی نزدیک کی نظر کمزور ہے ناں۔''

''ہاں۔ ان کی بھی اور ان کے بیٹے کی بھی۔'' وہ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

❁ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❁ نئے بال اُگاتا ہے۔
❁ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
❁ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
❁ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت: 160/- روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف 160/- روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے .... 400/- روپے
3 بوتلوں کے لئے .... 600/- روپے
6 بوتلوں کے لئے .... 1100/- روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

جھنجھلائی ہوئی تھی۔ ''خیر آج جارہی ہوں ناں۔ آج بجلیاں گراؤں گی۔'' اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ عزم باندھا۔

سوٹ بھی اس نے سیاہ ہی پہنا تھا تاکہ اس کی گوری رنگت مزید نمایاں ہو۔ حوریہ کے سامنے وہ ویسے بھی زیادہ ہی چمکتی تھی۔ وہ حوریہ کو اپنے مقابلے کی سمجھتی ہی نہیں تھی۔ ہاں اس کے سامنے اسے اپنا آپ زیادہ خوب صورت لگتا۔

''تو یہ پہن رہی ہے؟'' اب اس کی نظر اس کے سوٹ پر پڑی۔

''ہاں۔'' اس نے پلگ نکالا۔

''تو کیا کرے گی یہ نیلا رنگ پہن کے۔ مجھ پہ زیادہ جچتا ہے۔ یہ جوڑا مجھے دے دے۔''

اس نے کہا بھی تو کیا۔ حوریہ نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

وہ بنا کچھ کہے غسل خانے کی طرف بڑھ آئی تھی۔

☆☆☆

وہ باورچی خانے کی سمت آیا اور ٹھٹھک گیا۔ دروازے کی طرف پشت کیے کپوں میں چائے انڈیلتی وہ یقیناً وہی تھی۔ نیلے رنگ کے لباس میں اس کا نازک سا وجود اور پتلی کمر پر پڑا پراندہ۔

''حوری.....'' وہ بے اختیار اسے پکار بیٹھا۔

اس کا ہاتھ کانپا تھا۔ چائے فرش پر پھیلتی چلی گئی۔

''تم لوگ کب آئے؟'' وہ حیران تھا کہ سکندر کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

''کافی دیر پہلے۔'' وہ اسے کچھ گھبرائی ہوئی سی لگی۔

''اچھا۔ سکندر چلا گیا مجھ سے ملے بغیر۔'' اس نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''نہیں۔ مرسلین آیا تھا ہمارے ساتھ، چلا گیا واپس۔'' اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بتایا۔

''اوہ۔'' اس کے منہ سے ایک گہری سانس خارج ہوئی۔

''چائے پئیں گے؟'' مہمانوں کو پہلے ہی چائے پیش کی جاچکی تھی۔ ان تین کپوں میں بچی ہوئی چائے اس نے اپنے، انعم اور رابی کے لیے نکالی تھی۔

وہ جواب دینے کے بجائے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ اس وقت آس پاس ایسا کوئی نہیں تھا جس کا لحاظ اسے اس کا چہرہ دیکھنے سے باز رکھتا۔

اسے خبر نہیں تھی، آج حوریہ بھی ایک مشکل میں گھری اس کے گھر تک آئی تھی اور اب اس کے یوں دیکھنے پر اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ آج اس نے کاجل نہیں لگایا تھا تو گویا آنکھوں کے کناروں پر بکھری ہلکی ہلکی سرخی جیسے کاجل کی کمی پوری کرتے اس کی آنکھیں مزید قاتل بنا رہی تھی۔

''تیمور..... بھا..... بھائی..... میں نے چائے کا پوچھا ہے۔'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

''ہاں۔ دے دو۔'' اس نے بے اختیار کہا حالانکہ اب چائے کی طلب نہ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے ایک کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اس کی گھبراہٹ پر۔

''اچھا ہے، جتنا میں بے چین ہوں، تھوڑا سا تو تمہیں بھی ہونا چاہیے۔''

''ارے تیری چائے.....'' وہ انعم کے کمرے میں آئی اور انہیں جب کپ پکڑائے تو انعم چونک گئی۔

''میں نے پی لی۔'' وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''سچی۔ پوری ہوگئی ناں..... یا میں اور بناؤں۔'' انعم مشکوک تھی۔

رابی اس وقت بھی سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی لپ اسٹک ٹھیک کررہی تھی۔

''پی ہی لی ہوگی تو کیوں جھکی بن رہی ہے۔''

''نہیں۔ وہ چائے مجھے کم لگ رہی تھی، اس لیے پوچھا۔'' انعم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''اچھا چھوڑ۔ ابھی تیمور بھائی بھی آنے والے ہوں گے۔ انہیں بھی چاہیے ہوگی ـــ میں بنا ہی لیتی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوں۔'' وہ اس خیال کے آتے ہی اٹھی۔

''افوہ۔ تیمور بھائی آ گئے ہیں اور میں نے انہیں دے دی ہے چائے۔ اب بیٹھ جاؤ آرام سے۔'' حوریہ نے زچ ہو کر اسے بٹھایا۔ انعم ایک طرح سے چونکی اور رابی دوسری طرح سے۔

''مطلب..... تو نے اپنی چائے انہیں دے دی۔'' انعم پوچھ رہی تھی۔

''کیا اپنی..... میرا نام تھوڑی لکھا تھا۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''میں آتی ہوں۔'' رابی یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

''یہ کہاں گئی؟'' انعم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

''کیا خبر..... کہیں بجلیاں گرانے گئی ہو۔'' وہ جانتی تھی مگر بات کو ہنسی میں اڑایا۔

''میری خالہ ساس کو پسند آ گئی ہے۔'' انعم ہنسی۔

''اچھا تم یہ پکڑو، میں تیمور بھائی کو کچھ سامان لانے کا کہہ دوں۔'' انعم نے اپنا کپ اسے پکڑا کر ہی دم لیا تھا۔

وہ یہاں آئی تھی، یہ سوچ کر کہ دل اس بے چینی سے نکلے گا جو کل رات سے اس پر حاوی ہے مگر اب تیمور کو دیکھنے کے بعد بلکہ اس کے یوں دیکھنے کے بعد ذہن و دل مزید طوفانوں کی زد میں آ گئے تھے۔

''وہ سب کیا تھا؟'' ذہن کے پردے پر وہ خواب سرسرایا۔

''اور یہ سب کیا ہے؟'' تیمور کی جلتی نگاہیں یاد کرتے ہی اس کا وجود جل اٹھا تھا۔

''اس نے تو مجھے ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔''

شام کو جب وہ لوٹے تو رابی اپنے سنگھاری لوازمات سے جان چھڑاتی اسی قلق میں تھی اور وہ تھکی تھکی سی اپنے بستر پر نیم دراز اپنے پراندے سے کھیلتی گپ چپ سی تھی۔

''اوئے..... میں تجھ سے بات کر رہی ہوں۔'' رابی نے اسے یوں بے دھیان سا دیکھا تو غصہ ہو گئی۔

''ہاں۔ سن رہی ہوں۔ اسے تیری بجلی کے جھٹکے نہیں لگے۔'' اس نے بڑی سنجیدگی اور سادگی سے کہا تھا۔ مگر رابی کی چبھتی نظریں خود پر محسوس کر کے وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

''کیا..... تو نے ہی کہا تھا، اس پر بجلیاں گرائے گی۔''

''مذاق اڑا رہی ہے۔''

''اچھا چھوڑ۔ انعم کی خالہ ساس تائی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ عنقریب چکر لگائیں گی۔ انعم بتا رہی تھی بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہے آج کل۔'' اس کی ناراضی سے بچنے کی کوشش میں اس نے موضوع بدلا۔

''اچھا ہوتا۔ تیری جگہ میں ہوتی باورچی خانے میں۔ پھر تو ٹھیک سے بات ہو سکتی تھی۔'' رابی نے سنا ہی نہیں، اس نے کیا کہا۔

''اتنا مر رہی ہے، تو جا کے بول نا اسے کہ پیار کرتی ہے اس سے۔ اماں کو بھیج اپنی۔'' حوریہ چڑ گئی۔

''کہوں گی۔ اگر..... گر ایسا کچھ ہوا تو.....''

رابی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔ وہ نا سمجھی کی کیفیت میں اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا کچھ ہوا تو؟''

''اگر میرا رشتہ کہیں ہوا تو..... یا پھر اس کا رشتہ کہیں اور ہونے لگا۔''

رابی کو اتنا سنجیدہ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل ہول سا گیا۔

''سچ کہہ رہی ہے؟''

''سولہ آنے سچ۔'' رابی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا تھا۔ حوریہ سمجھ گئی، وہ کر بھی لے گی۔ وہ ایسی ہی تھی نڈر اور سرکش۔

☆☆☆

دو دن بعد جب انعم کی خالہ ساس رابی کے رشتے کے لیے آئیں تو اتفاق سے اسی دن حوریہ کی خالہ نے فون کر دیا کہ وہ اس جمعہ کو آنا چاہ رہی ہیں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

حوریہ کا ہاتھ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے مانگنے۔ صابرہ چاچی کو تو سہولت سے منع کر دیا گیا۔ تایا جی کا خیال تھا ایک ہی خاندان میں دو بیٹیاں بیاہنے سے بعد میں بڑی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔ البتہ حوریہ کی خالہ قدم رنجہ فرمانے والی تھیں۔

''یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ سکندر کے کانوں تک یہ خبریں نہ پہنچتیں۔ اس نے فوراً ہی حق دوستی ادا کرتے ہوئے اسے فون کیا تھا۔

''اوئے..... کہاں ہے تو؟''

''شہر آیا ہوں ایک کام سے۔ کیوں؟'' تیمور نے اس کے لہجے کی ہیجان خیزی محسوس کر لی تھی۔

''تیری محبت کی لٹیا کو حوریہ کی خالہ قزاق بن کر لوٹنے آ رہی ہیں۔ اس کی فکر کر لے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بوکھلا گیا۔

''آ رہی ہیں اس جمعہ کو..... میری بھرجائی کا ہاتھ مانگنے۔'' اس نے بتایا تھا۔

''مذاق کر رہا ہے؟'' اس کے ہاتھوں کے توتے اڑے۔

''تیری قسم۔ کنوارا مروں اگر ایسا مذاق کروں تو۔'' سکندر بے حد سنجیدہ تھا۔

''اماں نے ایک اور بات بھی کی۔''

''کیا؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''کہا..... میرا رشتہ ڈال دیں گی اور اس کی خالہ کو آنے سے منع کر دیا جائے گا۔''

''پھر..... تو نے کیا کہا؟'' اس کا لہجہ سرسراتا ہوا تھا۔

''ظاہر ہے، کہہ دیا حوریہ میرے لیے بالکل رابی کی طرح ہے۔ میں اس کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا مگر اب دیکھ لے..... مجھے نہیں لگتا اس کی خالہ کو انکار ہوگا۔ تجھے جمعہ سے پہلے پھوپھو کو بھجنا ہے یا پھر..... فون ہی کروا دے ان سے تاکہ چچا جی سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔''

''ہمم..... دیکھتا ہوں..... کرتا ہوں کچھ۔'' اس کا دھیما لہجہ سوچتا ہوا تھا۔

''ہاں..... ورنہ پھر آ جانا۔ دونوں مل کر ٹینٹ لگائیں گے اس کی شادی میں۔'' سکندر ایسے وقت میں بھی اسے چھیڑنے سے باز نہ آیا۔

''تیری تو میں.....'' وہ غضب ناک ہوا اور سکندر کا بے اختیار سا قہقہہ گونجا تھا۔

☆☆☆

اور پھر گھر آتے ہی اس نے انعم کو آواز دی تھی۔ اماں کا لحاظ زیادہ تھا، ایک انعم ہی تھی جس سے وہ کھل کر بات کر سکتا تھا۔

''جی بھائی۔ میں بس چائے بنا ہی رہی تھی۔'' وہ اس کے بلاوے کا مطلب یہی سمجھی۔

''مجھے چائے نہیں پینی۔ تجھ سے بات کرنی ہے۔ بیٹھ جا۔'' اس نے سر کے اشارے سے موڑھے کی جانب اشارہ کیا۔

''ہیں..... کیا بات؟'' وہ حیران ہوتی اس کے سامنے آ بیٹھی۔

وہ مضطرب تھا۔ لیے دیے طبیعت رکھنے کے باعث اس وقت بڑی مشکل میں تھا۔

''بھائی! کوئی پریشانی ہے؟'' وہ خود بے چین ہوئی، اس کے چہرے پر چھائی کشمکش دیکھ کر۔

''اماں سے بات کرنی ہے تجھے۔'' وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

''کیا؟'' انعم سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

''ماموں کے گھر جائیں میرا رشتہ لے کر۔'' اس نے کہہ ہی ڈالا۔ انعم جو دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ بات سنتے ہی بے اختیار ایک گہری سانس خارج کی۔

''اوہ۔ رابی کے لیے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں..... حوری کے لیے۔'' تیمور نے بہت تیزی سے اس بات کاٹی۔

انعم نے حیران سا ہو کر اسے دیکھا۔

''حوریہ! مجھے لگا رابی۔'' وہ نجانے کیوں بے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

یقین سی تھی۔

''تجھے کیوں لگا..... رابی؟'' وہ اس کی حیرت پر حیران ہوا۔ ''تجھے رابی زیادہ پسند ہے؟'' وہ یہی نتیجہ اخذ کر پایا۔

''ارے نہیں۔'' وہ فوراً بول اٹھی۔ ''بلکہ میں تو خوش ہوں، میرے لیے دونوں ایک جیسی ہیں۔ حیران اس لیے کہ ہر کوئی حوریہ کے مقابلے رابی کو ہی پسند کرتا ہے۔ میرا مطلب اس کی خوب صورتی کی وجہ سے۔''

تیمور نے سر جھٹکا۔

''میرے لیے خوب صورت کچھ اور ہے۔ دھیان رکھنا، ایسا نہ ہو تیری طرح اماں بھی یہی سمجھیں اور وہاں جاکر رابی کے لیے رشتہ ڈال آئیں اور جلدی انعم! سکندر کہہ رہا تھا اس کی خالہ آرہی ہیں اس کا رشتہ مانگنے۔ ورنہ میں یہ بات تیری شادی کے بعد اٹھانے والا تھا۔'' بے اطمینانی اس کی ہر ایک جنبش سے عیاں تھی۔

''بے فکر ہو جائیں بھائی! میں ابھی جاکر اماں سے بات کرتی ہوں۔ حوریہ ہی میری بھابھی بنے گی۔'' وہ خوشی سے چہکتے ہوئے اٹھی۔

اس کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ جھلکی۔

''اللہ کرے۔''

☆☆☆

پھوپھو دوسرے ہی دن چلی آئی تھیں۔ بڑی خوش باش۔ مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں سے لدی پھندی۔ انعم بھی ساتھ تھی، رابی نے برآمدے سے جھانک کر دیکھا اور واپس بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی۔ جہاں حوریہ اسی وقت نہا کر نکلی، بالوں سے لپٹا تولیہ اتار رہی تھی۔

''حوری..... حوری..... حوری.....'' دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے وہ خوشی سے چلا رہی تھی۔

''پاگل ہوگئی ہو۔'' حوریہ نے بمشکل اس سے اپنا آپ چھڑایا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''پھوپھو آگئی ہیں۔'' اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''تو اس میں کون سی نئی بات ہے پاگل۔ پہلی بار آئی ہیں کیا۔'' گیلے بالوں کو دائیں شانے پر سمیٹتے اسے اس کی اچھل کود پر غصہ آیا۔

''ہاں جی۔ رشتہ لینے پہلی بار ہی آئی ہیں۔'' وہ کھلکھلائی۔

''رشتہ.....'' حوریہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''انہوں نے کہا؟''

''نہیں۔'' وہ تھوڑی دھیمی پڑی۔ ''مگر پھلوں اور مٹھائیوں کے ساتھ آنے کا اور کیا مطلب بنتا ہے؟''

''اوہ.....'' حوریہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ''تو یہ بات ہے۔'' پل بھر کو آنکھوں کے سامنے تیمور کا شان دار سراپا لہرایا۔ بڑی کوشش کی تھی اس نے، اس دن کے بعد..... اس کی جانب سے اپنا دھیان ہٹانے کی اور اس میں خوش قسمتی سے کامیاب بھی رہی۔ ویسے بھی اس جیسا شان دار انسان رابی کا ہی نصیب بن سکتا تھا۔

''چلو۔ مبارک ہو پھر..... اگر واقعی ایسا ہے تو..... تمہاری دعائیں قبول ہوئیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اسے مبارک باد دی۔

''ہاں، میں تیار ہولوں۔ پھر انہیں سلام کرنے جاؤں گی۔'' اسے اچانک خیال آیا تو الماری کی طرف بھاگی۔ وہ اس کی خوشی اور جوش پر ہنستے ہوئے باہر نکل آئی۔

پھوپھو نے اس بار اسے کچھ زیادہ ہی گرم جوشی سے گلے لگایا تھا اور جب انعم نے اسے بھینچتے ہوئے اس کے گال پر چٹکی کاٹی۔

''ہائے میری بھابھی۔''

اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ کتنی ہی دیر وہ ان لفظوں کو اپنی سماعت کا دھوکا قرار دیتی رہی۔ نک سک سے تیار شرمائی لجائی رابی ان کے آگے پیچھے ہوتی رہی تھی اور اصل دھماکہ تو تب ہوا جب پھوپھو نے برابر میں

www.pakistanipoint.com

کھڑی رابی کو چھوڑ کر اس کے ہاتھ پر شگن کے پیسے رکھے۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسے پاس کھڑی رابی کے پھیکے پڑتے چہرے پر نظر ڈالنے کا بھی خیال نہ رہا۔

''اتنی جلدی میں آئی کہ کسی تیاری کا وقت ہی نہ ملا۔ اب تو ان شاء اللہ اپنی حوری کو انگوٹھی پہنانے ہی آؤں گی۔'' انہوں نے بڑی محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

آج وہ ڈٹ گئی تھیں، بھائی کے سامنے کہ ہاں سنے بغیر نہیں اٹھیں گی اور کیسے ممکن تھا کہ ان کی اکلوتی لاڈلی بہن نے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا اور وہ منع کر دیتے۔

''یقیناً کوئی غلطی ہے...... کوئی غلط فہمی ہے...... ورنہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے کیسے...... ہائے میرے ربا! رابی کیا سوچ رہی ہوگی۔'' رابی کے سامنے جانے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے کچن میں آ کر پناہ لی۔

ان کے جانے کے بعد اچانک بادل گھر آئے تھے اور پل بھر میں ہی سماں جل تھل ہو گیا۔ وہ نجانے کب تک اس نیم اندھیرے میں بیٹھی رہتی کہ اماں اسے ڈھونڈتی ہوئی آئیں۔

''حوری...... تُو یہاں بیٹھی ہے۔''

گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی اس نے ان کی آواز پر سر اٹھایا۔

''کیا ہوا میری دھی۔'' وہ فکر مند ہو کر اس کے قریب آئیں۔

''اماں!'' اس نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''پھوپھو میرے لیے آئی تھیں؟''

''ہاں۔ کیا تو نے دیکھا نہیں۔ ایسے کیوں پوچھ رہی ہے۔'' انہوں نے ناسمجھی کی کیفیت میں اس کا چہرہ دیکھا۔

''میرا مطلب...... کوئی غلط فہمی...... کہیں وہ رابی کے لیے نہ آئی ہوں۔'' اس نے اٹکتے ہوئے بات مکمل کی۔

''پاگل ہو گئی ہے۔'' وہ سنتے ہی غصہ ہوئیں۔

''یہ بھی کوئی غلطی کرنے والی بات ہے۔ اتنی بھی عمر نہیں ہوئی نسیمہ کی کہ سٹھیا کے ایسی غلطی کرنے لگے۔ اس نے آتے ہی صاف صاف کہہ دیا تھا کہ حوریہ مجھے دے دو۔ شاید تیرے ابا نے ذکر کیا ہوگا ان سے۔ تیزی خالہ کے آنے کا، اسی لیے کہہ رہی تھی جلدی میں آنا پڑا۔'' اس کی پریشان ہراساں صورت دیکھ کر اماں نے اس کی تسلی کرانی چاہی۔

وہ مزید بے کل ہو گئی۔

''ایسے کیسے۔''

اماں بے چاری کو کہاں پتا تھا کہ اس کی پریشانی کی اصل وجہ کچھ اور تھی۔

''رابی کہاں ہے اماں!'' اچانک خیال آنے پر اس نے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں ہوگی۔ چل اٹھ تُو بھی باہر آ جا۔ گرمی ہے یہاں۔'' وہ تاکید کرتے ہوئے چلی گئیں۔ رابی خاموش تھی مگر حوریہ جانتی تھی یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی ہے اور ہوا بھی وہی۔ رات کو بارش تھمنے کے بعد جب سب گھر والے برآمدے میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھے کٹے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے آموں سے شغل فرما رہے تھے' کمرے سے نکلتی رابی پورے قد سے زمین پر آ رہی تھی۔ سکندر ڈاکٹر کو لینے کو دوڑا۔ گھر والے اس کی پٹی سے لگے بیٹھ گئے۔

حوریہ ہاتھوں میں سر گرائے سسک اٹھی۔

''یا اللہ...... یہ تو نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا۔''

☆☆☆

''آج میں بہت خوش ہوں۔'' کھلے آسمان تلے بچھی چارپائی پر دراز اس نے ایک ہاتھ سے موبائل کان سے لگایا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ اپنے بالوں میں پھیر رہا تھا۔ بادلوں کے چھٹنے کے بعد آسمان پر چمکتا چاند اور اس کے آس پاس بکھرے ستارے بھی اسے کچھ زیادہ روشن دکھائی دے رہے تھے یا پھر یہ چراغاں اس کے اپنے اندر تھا۔ کسی جشن کی مانند۔

''ہاں، تو خوش ہے مگر میں پریشان ہوں۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

یہاں رابی نے میری دوڑیں لگوادیں۔'' سکندر کی جھنجھلائی ہوئی آواز ابھری۔

''کیوں......اسے کیا ہوا؟'' وہ چونکا۔

''پتا نہیں یار۔ اچھی بھلی تھی پھر شاید چکر آیا اور دھم سے زمین پہ۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا بی پی لو ہونے کی وجہ سے۔ اتنا کھاتی ہے، جانے کہاں جاتا ہے۔'' وہ حیران تھا یا پریشان۔ تیمور سمجھ نہ سکا مگر ہنسی ضرور آئی۔

''ٹینشن نہ لے، ٹھیک ہو جائے گی۔ اچھا سن، حوریہ کو دیکھا تو نے۔ کیسی تھی وہ؟ میرا مطلب خوش تو ہے ناں؟''

''حوریہ۔'' سکندر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''آج تو سارا دن وہ مجھے نظر ہی نہیں آئی۔''

''چھوڑ یار۔'' اس کے ارمانوں پر اوس گری۔ ''کوئی بات نہیں۔ شادی کے بعد خود پوچھ لینا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''ویسے مجھے پتا تھا، اللہ خیر کرے گا۔ کوئی مشکل نہیں آئے گی۔'' تیمور نے کہا۔

''ہاں کوئی مشکل نہیں آئے گی۔'' سکندر نے چڑ کر اس کی نقل اتاری۔ ''تیرا یہ یار نہ ہوتا ناں، تو ڈوبتا بیچ منجدھار میں اور وہ جاتی اپنی خالہ کے گھر۔''

وہ ہنس پڑا۔

''اچھا ناں، ٹھیک ہے۔ جب میں اپنی محبت کی داستان لکھوں گا، تو اس میں تیرا نام سنہری حرفوں میں لکھوں گا۔ اب خوش۔''

''نہیں۔ مجھے نہیں چاہیے تیرا سنہری حرفوں والا نام۔ اس کا بدلہ تو الگ سے اتار لے گا۔ چل اب۔ اپنی حوریہ کے خواب دیکھ، میں چلا سونے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کیا تھا۔

''آج رات تو نیند بھی نہیں آئے گی۔'' اس نے انگڑائی لیتے ہوئے سوچا۔ ''اور وہ سو رہی ہوگی سکون کی نیند، بھلا اس بے پروا کو کیا پتا کہ اسے کیا مل گیا۔''

وہ بس یہی سوچ سکتا تھا، اس بات سے قطعی بے خبر کہ درحقیقت حوریہ پر کیا بیت رہی تھی۔

☆☆☆

دوسرے دن وہ خود ہی اس کا ناشتا لیے اس کے پاس چلی آئی تھی۔ سامنا تو کرنا ہی تھا، چاہے وہ اس کے ری ایکشن سے کتنا بھی خائف ہوتی۔ وہ منہ لپیٹے پڑی تھی۔

''رابی!'' اس نے آہستہ سے اس کا شانہ ہلایا۔

''اٹھ...... ناشتا کر لے۔ پھر دوائی بھی کھانی ہے۔ اٹھ جا۔''

اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ ایک ہی رات میں اس کی صورت کملا کر رہ گئی تھی۔

''حوری......'' اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں برس پڑیں۔ وہ ٹرے سائیڈ میں رکھتی اس کے پاس آ بیٹھی۔

''دیکھ...... پھوپھو نے یہ کیا کیا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے رونے لگی۔ ''تو جانتی ہے ناں۔ تجھے پتا ہے میں تیمور کو کتنا چاہتی ہوں پھر بھی...... پھوپھو تیرے لیے رشتہ لے کر آ گئیں۔''

''میں خود حیران ہوں رابی! خدا کی قسم مجھے بالکل بھی نہیں پتا تھا۔ میں خود کل سے یہی سوچ رہی ہوں کہ یہ ہوا کیا۔'' بے بسی سے کہتی وہ اسے اپنی صفائی دینے لگی۔

''میں جانتی ہوں یہ کیا ہوا۔'' اس کا لہجہ تڑخا۔

''کیا؟'' وہ چونکی۔

''تیمور نے ان سے میرے لیے کہا ہوگا، مگر پھوپھو...... یہ سب کیا دھرا پھوپھو کا ہے۔'' اس نے مٹھیاں بھینچیں۔ ''وہ تیرے لیے رشتہ لے کر آ گئیں۔ سن میری سہیلی ہے ناں تو...... تو تیمور سے بات کر۔'' دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر وہ پاگل سی ہو رہی تھی۔ ''تو اسے بتا، پھوپھو نے کیا کیا۔ وہ سب ٹھیک کر دے گا۔ وہ جانتا ہے اس کی جوڑی صرف میرے ساتھ سجتی ہے۔ حوری تو سن رہی ہے ناں۔''

وہ اس کے سامنے اس کی ذات کی یوں نفی

Waqar Azeem
www.paksitanipoint.com

کر رہی تھی، حوریہ کے اندر اٹھا پٹخ سی ہونے لگی۔

''تجھے..... تجھے لگتا ہے تیمور کو کچھ پتا نہیں ہوگا۔'' اس کے ہاتھ چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے اس نے لرزتے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، نہیں ہوگا۔ یہ سب پھوپھو کی چالاکیاں ہیں۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ ''تو اسے بتا تو سہی۔''

''میں..... میں اس سے کیا بات کروں گی۔ کیا کہوں گی رابی!'' وہ اس سے بات کرنے کا سوچ کر ہی متوحش ہوگئی۔

''کیوں نہیں کرسکتی۔ کیا مشکل ہے۔ تیرے سوا کون کرے گا۔ یہ مسئلہ جتنا میرا ہے، اتنا تیرا بھی تو ہے۔'' اس کی سرخ آنکھوں میں جنون سا ہلکورے لے رہا تھا۔

''میرا کیسے ہے..... اور اگر ہے بھی تو تیری وجہ سے ہے۔'' وہ جواب میں کہہ سکتی تھی مگر چپ رہی۔ ذہن و دل جھکڑوں کی زد میں تھے۔

''بول ناں حوری! کر رہی ہے ناں بات۔'' رابی نے اس کا کندھا ہلایا۔

''میں نہیں کر پاؤں گی رابی! بہت مشکل ہے۔ کوئی نیا بکھیڑا نہ ہوجائے۔'' سر جھکائے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ یہ کوئی آسان بات تھی، اپنے منہ سے اپنی کم وقعتی کا اظہار وہ بھی اس شخص کے سامنے جس سے زندگی بھر کا رشتہ جڑنے والا ہو۔

''نہیں کر پائے گی..... یا یوں بول، تیری اپنی نیت خراب ہوگئی ہے۔'' سلگ کر کہتے ہوئے اس کے الفاظ اتنے کاٹ دار تھے۔

حوریہ متحیر سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

''رابی!''

''تیمور جیسا بندہ ملے تجھ جیسی کو..... بن مانگے تو کیوں پیچھے ہٹے گی۔'' کتنا زہر بھرا تھا اس کے لہجے میں۔

''نہیں..... ایسا نہیں ہے۔'' اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

''تو پھر کیوں نہیں کر رہی اس سے بات۔ ڈر لگ رہا ہے کہ اسے سچ پتا لگ گیا تو چھن جائے گا تجھ سے۔'' رابی نے ایسا سوال کیا تھا۔ اس کے منہ سے کیسے یہ الفاظ نکلے وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''میں کروں گی بات۔''

''کر میرے سامنے۔ فون ملا اسے۔'' اسے تو ایک لمحے کا صبر نہیں تھا۔

وہ چند لمحے جی کڑا کرتی رہی۔ پھر بے جان ہوتے وجود سے اماں کا موبائل اٹھا لائی تھی۔ فون ملانے، بیل جانے اور اس کی آواز سننے تک اس کی سانس رکی رہی۔

''میں حوریہ.....'' اس کی آواز سنتے ہی اس نے فوراً اپنا نام لیا۔ رابی نے اسے اسپیکر آن کرنے کا اشارہ کیا۔

''حوریہ.....'' اس کی الجھن بھری آواز ریسیور میں ابھری، رابی کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ اس شخص کو اس کا نصیب ہونا تھا۔

''ہاں جی.....'' اس کی ٹانگوں نے مزید اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کیا تو وہ گرنے کے سے انداز میں چارپائی پر بیٹھی تھی۔

''خیر تو ہے..... گھر میں سب ٹھیک تو ہے ناں.....؟'' حوریہ نے بھلا کب اسے فون کیا تھا اس کا حیران ہونا بجا تھا۔

''جی..... سب ٹھیک ہے..... وہ میں کہہ رہی تھی کہ..... کل پھپھو آئی تھیں..... تو..... کیا وہ آپ کی مرضی سے آئی تھیں۔'' اسے تو الفاظ ہی نہیں سوجھ رہے تھے۔ دل تھا کہ بھر بھر آرہا تھا۔

''اوہ.....'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''ہاں میری مرضی سے ہی آئی تھیں۔ تم نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے؟''

وہ دیکھ سکتی تو دیکھتی۔ اس کے چہرے پر بڑی دلکش مسکراہٹ آئی تھی یہ سوال پوچھتے ہوئے۔

''ہاں..... میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا کہ..... آپ کی مرضی کیا تھا..... میرا مطلب..... انہوں نے رابی کے بجائے میرا رشتہ مانگا۔ کیا آپ کو

Nawaz Azeem www.pakistanipoint.com

یہ بات پتا ہے......؟''

''کیا......؟'' تیمور کی آواز اونچی ہو گئی۔ اور اس کی ایکشن پر جہاں حوریہ کی رنگت زرد ہوئی وہیں رابی کے چہرے پر عجیب جتانے والی مسکراہٹ آئی۔

''تم نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے......؟'' وہ تیز لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔

''ہا......ہاں......'' وہ ڈر گئی۔ ''میں سوچ رہی تھی......آپ نے رابی کا کہا ہوگا اور پھپھو میرے لیے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے ناں......'' تیمور نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

''یہ رابی کہاں سے آ گئی بیچ میں......'' وہ جیسے دانت پیس رہا تھا۔ ''اماں تمہارے رشتے کے لیے ہی آئی تھیں اور انہیں میں نے ہی کہا تھا تمہارا رشتہ مانگنے کو......آئی سمجھ۔'' اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ حوریہ کو یہ بات اس انداز بتائے گا۔ مگر اس بیوقوف لڑکی نے اس کا ہر ارادہ چوپٹ کر دیا تھا۔

رابی بے اختیار زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ حوریہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

''تیمور بھائی......میری بات سنیں۔'' اس نے ابھی بھی ''بھائی'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ تیمور کو تو انتہائی برا لگا۔

''رابی......رابی چاہتی ہے آپ کو......اب سے نہیں بہت پہلے سے......آپ کی شادی اس سے ہونی چاہیے......میری بات سمجھیں۔''

''بند کرو اپنی بکواس......'' حوریہ کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔

''میری شادی کس سے ہونی چاہیے۔ یہ فیصلہ میں کروں گا۔ اور میں کر چکا۔ آئندہ میرے سامنے رابی کا نام بھی لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' کم کم بولنے والے دھیمے مزاج والے تیمور کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ اس نے فون بند کر دیا تھا۔ حوریہ نے سامنے بیٹھی رابی کو دیکھا۔ سینے پر ہاتھ رکھے اس کے چہرے پر زردی کھنڈ چکی تھی۔

☆☆☆

اور ادھر پانی کا پورا جگ سر پر انڈیلنے کے بعد بھی اس کا غصہ ٹھنڈا ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ سر گریبان تر کرنے کے بعد وہ ٹھنڈے پانی کے گھونٹ گھونٹ بھرتے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''رابی......رابی......کون ہے یہ رابی...... آسمان سے اتری اپسرا ہے۔ یا کوئی حور، ادھر میں دل وجان لٹائے بیٹھا ہوں اور یہ اس رابی کو میرے سر تھوپ رہی ہے۔'' وہ جتنا سوچتا مزید سلگتا جاتا۔'' ابھی تو ڈانٹ کے چپ کروا دیا۔ کہیں یہ پاگل لڑکی کچھ اور نہ کر بیٹھے کہیں ماموں کے سامنے ہی انکار نہ کر دے۔'' اس خیال نے اسے مزید بوکھلا دیا۔ مگر اس وقت صورتحال ایسی تھی کہ وہ سکندر سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ جسم وجان میں عجیب سی بے چینی سرایت کر گئی تھی۔

☆☆☆

اس دن پھپھو اور انعم آئی تھیں۔ شادی کے لیے کچھ خریداری کرنی تھی اس لیے حوریہ اور رابی کو بھی لینے آ گئیں۔ پھپھو نے منگنی بھی انعم کی شادی کے بعد رکھی تھی تاکہ حوریہ ٹھیک سے اس کی شادی اٹینڈ کر سکے۔ رابی ان کی آمد کا سنتے ہی اپنی سہیلی نازو کے ہاں چلی گئیں۔ پھپھو نے رابی کو ساتھ لے جانے کا کہا تھا۔ اماں اور تائی دونوں ہی گھبرا گئیں۔ حقیقت تو یہ تھی۔ رابی پہ جو جنون سوار تھا۔ یہ معاملہ اب ان پر بھی کھل چکا تھا۔ حوریہ کو دھکے دے کر کمرے سے نکالتے ہوئے جب وہ با آواز بلند جلا رہی تھی۔

''گھنی......ڈائن......کتنی معصوم بنی پھرتی ہے۔ کب سے ڈورے ڈال رہی تھی اس پر پھنس کیسے گیا وہ تجھ جیسی شکل والی سے......تو کیا سمجھتی ہے۔ چھین لے گی اسے مجھ سے......ارے جا......جا کے اپنی شکل دیکھ......چڑیل کہیں کی......''

تائی اسے قابو کرنے کی کوششوں میں تھیں اور

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

حوریہ کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، کمرے کے باہر زمین پر بیٹھی سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔ اماں نے ہی آ کر اسے اٹھایا تھا اور تب اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ ان کے سینے سے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اماں..... آپ جانتی ہیں..... میں ایسی نہیں ہوں۔ میرا تیمور سے کوئی چکر نہیں تھا۔ میں قسم کھاتی ہوں۔'' رابی نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ اسے اپنے کردار کی صفائی دینی پڑ رہی تھی۔

''مجھے پتا ہے حوری..... تجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بس..... چپ کر جا بس.....'' آزردگی سے کہتے وہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''وہ بہت پہلے سے تیمور کو پسند کرتی ہے اور..... اور پھپھو نے مجھے مانگ لیا۔ اس میں میری کیا غلطی۔''

''وہ ایسی ہی ہے۔ اتھری..... تو کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہے۔ رشتے زبردستی تھوڑی جوڑے جاتے ہیں۔'' اماں کی اب سمجھ میں آ رہا تھا اتنے دنوں سے اس کی فکرمندی کا سبب۔

''اماں..... آپ..... انکار کر دیں پھپھو کو..... میں تیمور سے شادی نہیں کروں گی۔'' حوریہ کا جی چاہ رہا تھا کہیں منہ چھپا کے بیٹھ جائے۔ رابی نے اس کی صورت پر نہیں اس کے کردار پر سوال اٹھایا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہے۔'' اماں نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے علیحدہ کیا۔ ''رابی کے پاگل پن کی وجہ سے تو تیمور سے شادی نہیں کرے گی۔ اور کیسے نہیں کرے گی۔ زبان دی ہے تیرے ابا نے اپنی بہن کو۔ ان کے سامنے ایسی بات بھی کی تو زندہ زمین میں گاڑ دیں گے۔'' اماں ہول اٹھی تھیں۔ اس کے رونے میں شدت آ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی رابی اس کے ساتھ ایسا کرے گی۔ وہ جو کزن اور بہن تو تھی ہی۔ ایسی گہری اور رازدار سہیلی تھی کہ اتنا بڑا گھر ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے کمرے علیحدہ کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا مگر آج جس طرح رابی نے اسے دھکے دیے تھے اس کے بعد اماں خود ہی اس کا سامان اٹھا کے لے آئی تھیں۔ اور رابی..... اسے جانے تائی نے کس طرح سمجھایا تھا کہ اس نے مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہاں مگر آج پھپھو کے آنے کی خبر سنتے ہی گھر سے نکل ضرور گئی تھی۔ اسی لیے حوریہ کو ان کے ساتھ جانا پڑا۔

انعم محسوس کر رہی تھی اس سارے وقت میں اس کی خاموشی اور بے چینی، جب ہی واپسی پر اسے گھر چھوڑتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کو اس کے کمرے میں آئی۔

''حوری..... کیا مسئلہ ہے..... تو..... تو خوش نہیں ہے؟'' اسے سامنے بٹھا کر اس نے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے آنسو بے قابو ہو کر بہہ نکلے۔

''ارے حوریہ.....'' وہ گھبرا گئی۔ ''کیا ہوا میری جان..... میرا بھائی کیا اتنا برا ہے.....؟'' تاسف سے کہتے ہوئے اس کا لہجہ دھیما پڑا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے پوروں سے نم پلکیں مسلیں۔

''پھر کیا مسئلہ ہے؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

سر جھکائے چند لمحے تو وہ خاموش رہی پھر سارا احوال اسے کہہ سنایا تھا۔

''رابی پاگل ہے تو پاگل مت بن۔'' انعم تلخی سے بول اٹھی۔ ''وہ پیار کرتی ہے تو کیا کوئی اور پیار نہیں کرتا۔ بھائی نے تیرا نام لیا تھا۔ خود تو اپنی جگہ اسے دے بھی دے..... بھائی کے دل میں اسے جگہ دے پائے گی؟ نہیں ناں..... یہ فیصلہ بھائی کریں گے تو پھر تیرا کوئی لینا دینا نہیں کوئی قصور نہیں۔ تجھے ہم نے چنا ہے۔ بس اب چھوڑ یہ فضول کی سوچیں اور رابی سے بھی دور رہ..... ورنہ وہ اپنی ضد میں تیرا دماغ اور خراب کر دے گی۔'' اس کا رخسار چھو کر کہتے ہوئے اس کا لہجہ تسلی آمیز تھا۔ مگر حوریہ کا دل جیسے مچلتا پارہ بنا ہوا تھا۔

وہ خوش کیسے ہو سکتی تھی جب اس کی نئی زندگی کی

www.pakistanipoint.com

شروعات سے پہلے ہی کوئی ایسی نفرت، اپنی ایسی حاسد نظریں اس پر گاڑے بیٹھا تھا۔ گالیاں وبددعائیں، کوسنے تو وہ سن ہی رہی تھی۔ اور کتنا زہر تھا جو رابی اس اس کے لیے دل میں پالے بیٹھی تھی۔ اور اس کا نتیجہ کیا نکلنا تھا۔ یہی سوچ تھی جو خوشی کی پلکی سی رمق بھی اس کے پاس بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔

☆☆☆

میری سمجھ میں آرہا۔ کل تک تو تو بہت خوش تھا۔ اب کیا ہوگیا کیوں بوجھی سجائی ہوئی ہے۔''

وہ سکندر سے ملنے اس کے جنرل اسٹور تک آیا تھا۔ اور اب پندرہ منٹ سے خاموشی سے اپنے سیل فون میں لگا ہوا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر چھائی کبیدگی اس سے چھپی نہیں رہ سکی' لب بھینچے اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تجھے بتانے والی بات نہیں ہے۔''

''آ.....اچھا.....'' سکندر کی آنکھوں میں غصے اور ناراضی کی ملی جلی لہر ابھر آئی۔ ''تو اب میں باہر کا بندہ ہوگیا۔ اب تو سوچے گا کون سی بات مجھے بتانے والی ہے اور کون سی نہیں۔''

''ارے یار.....'' تیمور جھنجلا گیا..... ''بات وہ نہیں ہے.....''

''پھر کیا بات ہے۔ بول نا.....'' اس کا انداز اکسانے والا تھا۔

''حوریہ نے فون کیا تھا مجھے۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''کیا.....'' سکندر ایکدم سیدھا ہو بیٹھا۔ ''فون کیا تھا.....مگر کیوں.....؟''

''اس نے کہا..... میری شادی اس سے نہیں ہونی چاہیے۔'' اضطرابی انداز میں سیل فون گھماتے اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''سکندر کی آنکھوں میں حیرت موجزن ہوئی۔ اس کا دماغ ٹھیک تھا۔ اس نے ایسا کیوں کہا.....؟''

''میں نہیں جانتا.....'' اس نے نظریں چرائیں اس کے سامنے رابی کا نام کیسے لے سکتا تھا۔

''دیکھ تیمور.....کوئی اور بات ہوگی۔ اگر تو سوچ رہا ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے تو میں تجھے یقین دلاتا ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اسے۔'' اس کا لہجہ یقین اور سچائی سے پر تھا ''تو کوئی شک مت پال اپنے دل میں۔'' اسے حقیقتاً فکر ہونے لگی۔

تیمور کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ ''میرے دل میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ویسے بھی.....وہ چاہے نہ چاہے۔ شادی تو اس کی مجھ سے ہی ہونی ہے.....مگر دل تو خراب ہوجاتا ہے ناں.....'' اس کے لہجے میں تاسف سا در آیا۔

سکندر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''دیکھ .....تو دل بھی خراب مت کر.....میں آج خود پوچھوں گا اس سے.....اس نے ایسی بے تکی بات کی بھی کیسے.....بلکہ اگر ہوسکا تو چچی سے کہہ کر چھینٹی بھی لگواؤں گا۔''

''نہیں.....تو اس سے کچھ نہیں کہے گا۔'' اس کی بات ختم ہوتے ہی تیمور نے تیزی سے کہا۔

''کیوں نہ کہوں..... پریشان کر کے رکھ دیا میرے یار کو۔'' سکندر کو غصہ آیا۔

''میں ٹھیک ہوں..... میں ٹھیک ہوجاؤں گا.....اگر زیادہ بے چینی ہوئی تو خود ہی کرلوں گا اس سے بات، تو کچھ مت کہنا ٹھیک ہے.....؟'' وہ اس سے تائید چاہ رہا تھا۔ سکندر کو بادل نخواستہ سر ہلانا ہی پڑا۔

رات کو رابی آئی تھی اس کے کمرے میں اور اسے دیکھتے ہی حوریہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ اب سچ مچ اس سے ڈرنے لگی تھی اس کے جنون سے اس کی زہر اگلتی زبان سے۔ اس کے نظروں کی کاٹ سے۔ حوریہ کو لگنے لگا تھا وہ کوئی اور ہی رابی ہے۔

''حوری دیکھ.....میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تجھے اللہ کا واسطہ تیمور مجھے دے دے'' اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔

www.pakistanipoint.com

''رابی کیا کر رہی ہے۔'' حوریہ نے گھبرا کر اس کے ہاتھ کھولے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تو نے کبھی اس سے پیار نہیں کیا، تو نے تو کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔ اور میں..... میں مر جاؤں گی اگر وہ مجھے نہیں ملا۔''

''تو میں کیا کروں..... تُو بتا..... تیرے سامنے میں نے اس دن تیمور سے بات کی ناں..... تو نے خود سنی۔ میں اماں کے سامنے کہہ چکی ہوں۔ مجھے نہیں کرنی تیمور سے شادی مگر میری کون سنتا ہے۔

میں اور کیا کروں رابی۔'' اس کا لہجہ گلوگیر ہوا عجیب سے عذاب میں جان پھنس گئی تھی۔

''تو..... تو چچا کے سامنے انکار کر دے۔'' رابی نے کہا اور وہ پوری جان سے کانپ گئی۔

''تو ان کے سامنے کہہ..... تو سکندر بھائی کو پسند کرتی ہے۔ پھر ہم تیرا رشتہ مانگ لیں گے۔ پھر تو چچا کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ سکندر بھائی بھی گھر کے ہی لڑکے ہیں۔'' وہ شاید پورا پلان بنا کے ہی اس کے پاس آئی تھی۔

حوریہ آنکھوں میں دنیا جہاں کی بے یقینی لیے اسے تک رہی تھی۔ ''تو..... تو ہوش میں تو ہے؟''

''میں ہوش میں ہوں حوری..... اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تو مان جا بس..... چچا جی کو ماننا ہی پڑے گا۔'' وہ اس کی حالت سے بے نیاز اپنی کہے جا رہی تھی۔

''کیسے مانوں رابی..... ماننے والی بات بھی تو ہو.....'' وہ چلا اٹھی۔ ''ابا کیا سوچیں گے..... کیا حال کریں گے میرا سوچا بھی ہے.....؟''

''کچھ نہیں کریں گے رابی..... میں نے اماں سے بھی بات کر لی ہے..... وہ سنبھال لیں گی اگر کچھ ہوا بھی تو۔''

''تو کیا تائی اماں مان گئیں تمہاری بات؟'' اس کا دم اٹکا۔ کیا بیٹی کی خاطر وہ بھی اس گھناؤنے کھیل میں شامل ہو گئی تھیں۔

''نہیں..... مگر میں منا رہی ہوں پہلے تو بتا..... میرا ساتھ دے گی ناں..... دیکھ حوری انکار مت کرنا..... تو تیمور سے پیار نہیں کرتی تو تیرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ انعم کا بھائی..... یا میرا بھائی.....'' اس کا ہاتھ تھامے وہ منت کرنے لگی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ ''میں نے سکندر بھائی کو ہمیشہ اپنے بھائی کی نظر سے دیکھا ہے رابی۔ میں ان کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کجا کہ ابا کے سامنے ان کا نام لوں اتنا بڑا الزام لے لوں خود پر۔'' صرف اس کی نظر میں سرخرو ہونے کے لیے وہ اپنے ماں باپ کی نظر میں دو کوڑی کی ہو جاتی۔

''تو تیمور کو بھی تو بھائی کہتی تھی پھر اس کے بارے میں ایسا کیوں سوچ لیا۔'' وہ بے قابو ہو کر چلائی۔

''خدا کے لیے رابی چلی جا یہاں سے، مجھے معاف کر دے۔'' اب کی بار اس نے ہاتھ جوڑ لیے۔

''نہیں کروں گی تجھے معاف سن لے حوری بھی نہیں کروں گی اور تیمور..... اسے تو چھین کے رہوں گی تجھ سے دیکھ لینا۔'' وہ غیظ و غضب سے بپھری کسی زخمی ناگن کی مانند پھنکار رہی تھی۔

''شوق سے چھین..... مجھے نہیں چاہیے۔ بس میری جان چھوڑ دے۔'' اس نے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ وہ کب کمرے سے نکل گئی اسے پتا نہیں چلا۔ آج کل اسے لگ رہا تھا۔ اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ نروس بریک ڈاؤن کے سبب مرے گی اور وجہ ہوگی رابی۔

☆☆☆

آج انعم کی مہندی تھی گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ رابی بھی اتنے دنوں کے برخلاف نہ صرف شادی میں شریک تھی بلکہ بڑھ چڑھ کر کام بھی کر رہی تھی۔ آج بھی سولہ سنگھار کیے اس کے چہرے پر کسی دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔ مگر حوریہ کو پھر بھی اس سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا دو تین بار ہوا جب وہ سمجھی کہ رابی

www.paksociety.com

سمجھ گئی ہے۔ اس نے حقیقت سے سمجھوتا کرلیا ہے مگر پھر وہ کچھ ایسا کہتی یا کرتی کہ حوریہ کو اپنی سوچ پر پچھتانا پڑتا۔ پھر اسے یہ بھی لگ رہا تھا کہ وہ اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

اس لیے اس نے حتیٰ الامکان کوشش کی تھی کہ جب تک وہ یہاں ہے، تیمور سے غلطی سے بھی اس کا سامنا نہ ہو۔ مگر آج انعم نے اسے یہاں بھیجا تو اسے آنا پڑا تھا۔

یہ کمرہ الگ تھلگ سا بنا تھا جس میں اناج وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی سی کھڑی تھی۔ جب تیمور اندر آیا تھا۔ پل بھر کو اس کی نگاہ اس پر جم کر رہ گئی۔ وہائٹ کاٹن کے قمیص شلوار میں آستین فولڈ کیے وہ اپنی چھا جانے والی شخصیت کے ساتھ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیا کہہ رہی تھیں تم..... اس دن فون پر؟''

—— وہ گہری سنجیدگی سے دریافت کر رہا تھا۔ گرمی کے باعث اس کی روشن پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔ حوریہ نے بمشکل نظر چرائی۔

''رابی یوں ہی تو نہیں اس کے لیے پاگل ہو رہی.....''

''معاف کردیں اس کے لیے .....'' وہ سر جھکائے منمنائی تھی۔

''ایسے کیسے معاف کردوں..... ادھر دیکھو میری طرف.....'' کڑے لہجے میں کہتے ہوئے تیمور نے اس کا چہرہ اٹھایا۔ کاجل سے سجی اس کی سرخ ہوتی آنکھوں میں بے بسی ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ تیمور یک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا۔

''مجھے رابی نے کہا تھا کہنے کو.....'' وہ اس کا غصہ تو دیکھ ہی چکی تھی اب کی خاموشی سے سہم گئی۔

''کیوں کہا تھا.....؟'' اس کا غصہ عود کر آیا۔

''وہ آپ سے پیار کرتی ہے۔''

''تم نہیں کرتیں.....؟'' اس نے بے ساختگی سے پوچھا۔ وہ جواب سوچتی رہ گئی۔

''بولو.....'' تیمور نے ہلکے سے اس کے شانے کو چھو کر ہاتھ پیچھے کیا تھا۔ وہ سمٹ سی گئی۔

''آپ نہیں جانتے..... رابی پاگل ہو رہی ہے اور..... اور مجھے بھی پاگل کر رہی ہے..... میں عجیب سے عذاب میں پھنس گئی ہوں۔ اب تو اماں اور تائی کو بھی پتا چل گیا ہے۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے اس سے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتے اس کے آنسو بہہ نکلے۔

تیمور متحیر سا سن رہا تھا۔ ''مگر وہ کیوں کر رہی ہے ایسے.....؟ اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''کہہ تو رہی ہوں پیار کرتی ہے آپ سے، میں پہلے سے راز دار تھی اس کی، جانتی تھی اور پھر آپ کا رشتہ میرے لیے آ گیا۔ اب وہ مجھ سے بھی نفرت کرنے لگی ہے اسے لگتا ہے۔ میرا چکر ہے آپ کے ساتھ۔'' اسے تو بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی تھی۔

تیمور کی گہری آنکھوں میں سوچ، بے یقینی، اضطراب ایک ساتھ آ بیٹھے تھے۔

''جب اس دن میں تم سے بات کر رہا تھا۔ کیا وہ سن رہی تھی؟'' اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاں.....'' اس نے سر ہلایا۔ ''سن رہی تھی۔''

''تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا؟'' وہ تعجب بھرے لہجے میں دریافت کرنے لگا۔

''نہیں.....'' وہ کیا بتاتی اس کے بعد ہی کھل کر وہ اس کے کردار پر حملہ آور ہوئی تھی۔

''میں نہیں جانتی..... آپ کے دل میں کیا ہے۔ لیکن اگر آپ کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تو پلیز..... آپ رابی سے ہی شادی کرلیں۔ ورنہ..... کچھ پتا نہیں، آپ کے لیے کسی دن وہ مجھے جان سے ہی نہ مار دے۔'' اس نے ایک بار پھر یہ کہنے کی جرات کی۔ اور وہی ہوا..... تیمور کا چہرہ اشتعال سے سرخ پڑ گیا۔

''مار ہی دے تو اچھا ہے..... پھر کرلوں گا اس سے شادی۔ تمہاری خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور اس کی بھی.....'' لہجہ ٹھنڈا تھا اور آنکھیں قہر برساتی حوریہ کی رنگت زرد ہو چلی۔

''اب کہنا ہی پڑے گا اماں کو منگنی چھوڑیں۔

www.pakistanipoint.com

ماموں سے شادی کی تاریخ لے کر آئیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بڑی تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

اور تھوڑا ٹھہر کر جب وہ نکلی تو سامنے کھڑی رابی کو دیکھ کر اس کے قدم من من بھر کے ہوئے تھے۔

☆☆☆

انعم کی رخصتی ہوگئی تھی۔ جب اس نے اماں سے بات کی وہ حیران ضرور ہوئیں مگر پھر اس کی عجلت کو اس کی بے تابی پر محمول کرتے ہوئے مسکرادی تھیں۔ اور جانے سے ایک دن پہلے انہیں فون بھی کردیا تھا۔ تیمور پھر بھی بے چین سا تھا۔ اس رات نیند بھی اس کی آنکھوں سے روٹھی رہی۔ جانے کتنی دیر ہوگئی تھی اسے کروٹیں بدلتے۔

اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی ڈیڑھ بج رہا تھا۔ وہ چھت پر جانے کا سوچنے لگا۔ تب ہی اسے لگا جیسے کوئی گیٹ بجا رہا ہو مگر بہت ہلکے سے، پہلے وہ کانوں کا دھوکا سمجھا اور ان سنا کردیا۔ مگر جب دوسری بار بجا قدرے تیزی سے تو وہ چونکا۔

''اس وقت'' گھڑی پر دوبارہ نگاہ ڈالتے وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔ تیسری بار گیٹ بجتے ہی وہ اٹھ کر باہر آیا تھا اس خیال سے کہ کہیں اماں کی نیند خراب نہ ہوجائے۔ لمحے بھر میں ہی ذہن لاتعداد سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔

گیٹ کھولا اور سامنے نگاہ ڈالتے ہی وہ بت بن گیا۔ چادر میں لپٹے نسوانی وجود ـــــ کو دیکھ کر خون کی گردش رک سی گئی۔

اس نے چہرے سے چادر ہٹائی اور تیزی سے اندر گھس آئی۔

''رابی.....'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ اس کے داخل ہوتے ہی تیمور نے اس کے پیچھے کسی کو پلٹتے دیکھا تھا۔ اس نے فوراً باہر جھانکا۔ کوئی تیز تیز قدموں سے گلی کا کونا مڑ رہا تھا۔

وہ روتے ہوئے پھپھو کے قدموں میں بیٹھی تھی۔ اور وہ غائب دماغی کے سے عالم میں بیٹھی اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھیں۔ جن پر جاگتے ہی یہ افتاد آپڑی تھی۔ تیمور ایک طرف کھڑا سینے پر ہاتھ باندھے۔ چہرے پر ناقابل فہم سے تاثرات لیے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے معاف کردیں..... مگر میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب چاہیں آپ مجھے ماردیں یا زندہ گاڑیں..... میں واپس نہیں جاؤں گی۔'' دوپٹہ اس کی گود میں پڑا تھا۔ چہرہ سرخ ہورہا تھا مگر وہ اپنی حالت سے بے نیاز تھی۔

''تو نے کیا کیا رابی..... یہ تو نے کیا کیا..... تجھے اپنے باپ کی عزت کا ذرا خیال نہ آیا.....؟'' پھپھو کے حواس جاگنے لگے تھے۔ صورت حال کا صحیح ادراک ہوتے ہی وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وحشت زدہ ہوکر چلائیں۔

''میں نہیں جانتی مگر..... میں تیمور کی شادی جوریہ سے ہوتے نہیں دیکھ سکتی آپ کو وہ نظر آئی..... آپ کو میں نظر نہیں آئی۔ وہ کیا مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے..... بولیں.....'' چلا کر کہتے ہوئے وہ رو پڑی۔

''آواز نیچی رکھو رابی.....'' تیمور نے دانت پیسے..... وہ اس کی ہمت پر حیران تھا۔ حوریہ نے اس کے پاگل پن کا جو نقشہ کھینچا تھا۔ تیمور کو اب سمجھ میں آرہا تھا۔

''ہائے وے میرا ربا..... میرا بھائی تو جیتے جی مرجائے گا۔ وہاں تو قیامت آگئی ہوگی۔ تیمور فون ملا اپنے ماما کو.....'' اماں اپنا ماتھا پیٹنے لگی تھیں۔

''نہیں..... نہیں پھپھو میں واپس نہیں جاؤں گی۔ ابا مجھے مار ڈالیں گے۔ مجھے یہیں رہنے دیں خدا کے لیے۔'' رابی نے ہراساں ہوکر ان کے گھٹنے تھامے۔

''ارے کلموہی..... تیرے باپ کو بتا تو دوں کہ تو یہاں ہے..... ان کی عزت کو تو بٹا لگا ہی آئی ہے۔ اب کیا جان لے گی ان کی۔'' اماں نے اسے ایک تھپڑ مارا۔

''تیمور..... تو میری بات سن رہا ہے کہ نہیں.....'' وہ اس کی خاموشی پر اور غضب ناک ہوئیں وہ بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گیا۔

''تیمور.....'' اماں اٹھ کر اس کے پیچھے جانے لگیں تو رابی نے ان کے پیر پکڑ لیے۔

Noor Azam www.pakistanipoint.com

''پھپھو رک جائیں..... ابا کے پاس بھیجنے سے بہتر ہے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے مار ڈالیں۔ آپ جانتی ہیں وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے.....'' وہ رونے لگی۔

''تو مر کیوں نہیں گئی رابی..... یوں گھر چھوڑنے سے پہلے تجھے موت کیوں نہ آ گئی۔'' انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے پیر چھڑاتے ہوئے تیمور کے پیچھے نکل گئیں۔

وہ صحن میں اضطرابی انداز میں ٹہل رہا تھا۔ جب اماں اس کے قریب آئیں۔

''اماں..... مجھے نہیں لگتا جس وقت یہ یہاں آئی ہے۔ صبح تک اس کے غائب ہونے کا انہیں پتا چلے گا۔''

''تو.....'' وہ اس کا مضطرب چہرہ دیکھنے لگیں۔

''تو یہ کہ فون رہنے دیں۔ سویرہی اسے لے جائیں گے واپس۔'' اس نے پیشانی مسلی۔

''یہ آئی کیسے.....'' اماں ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے ابھی تک اس جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش میں تھیں..... تیمور نے انہیں دیکھا۔

''تایا جی کا ملازم تھا ساتھ.....''

''مرن جوگی۔'' انہوں نے اس اطلاع پر بے اختیار ایک بار پھر ماتھا پیٹا۔

''تیمور.....'' انہوں نے اس کا بازو پکڑا۔ یہاں آ..... وہ اسے اس کے کمرے میں لے آئیں۔ ''میری بات سن۔'' وہ کیا کہنے جا رہی تھیں۔ تیمور الجھا ہوا سا انہیں دیکھنے لگا۔

''دیکھ..... یہ لڑکی اپنی عزت کے ساتھ ساتھ..... میرے بھائی کی بھی عزت روند کر یہاں تک آئی ہے۔ اور مجھے اپنے دونوں بھائی جان سے پیارے ہیں..... تو جانتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں..... تو کیا.....؟'' اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی بہت زور سے۔

''اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس ناس پیٹی سے دل نہیں سنبھل رہا۔ یہ یوں میرے بھائی کے منہ پر کالک ملے گی..... تو میں پہلے ہی حوریہ کی جگہ اس کا رشتہ مانگ لیتی۔'' وہ افسوس سے ہاتھ مل رہی تھیں۔

''مگر اب سب تیرے ہاتھ میں ہے..... اگر اس وقت تو نے اس کے سر پر عزت کی چادر نہ ڈالی۔ تو میرا بھائی کبھی سر نہیں اٹھا سکے گا۔ تجھے اب اسے اپنی عزت بنانا ہوگا تیمور۔'' انہوں نے یہ کیا کہا تھا۔ اس کا دماغ جیسے بھک سے اڑا۔

''اماں.....'' اس نے ایک دم سے ان کے ہاتھ جھٹکے۔ ''اپنے بھائیوں کی محبت پر مجھے قربان کر رہی ہیں۔'' بے یقینی اور دکھ کے بوجھ تلے اس کا لہجہ بکھر گیا۔

''بات صرف محبت کی بھی نہیں..... میرے بچے۔'' وہ اس کی بات پر تڑپ گئیں۔

''بات اب ان کی عزت کی بھی ہے۔ تو کیوں نہیں سمجھ رہا۔ خود بھی ایک بہن کا بھائی ہے کچھ تو سوچ۔''

''میری بہن کا نام مت لیں اماں.....'' اس کا ضبط چھوٹا۔ آواز بلند ہوئی۔ ''میری بہن ایسی نہیں ہے۔ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دبا دیتا۔ اور عزت کس عزت کی بات کر رہی ہیں آپ..... میں کیوں رکھوں اس کی عزت، کیا میں گیا تھا اس کے پیچھے؟ کیا میں اسے بھگا کر لایا ہوں؟ یا وہ خود رات کے اندھیرے میں باپ کی عزت اچھالتی یہاں تک چلی آئی ہے۔'' اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی اڑ رہی تھیں۔

''چل..... چولہے میں ڈال اسے..... مت سوچ اس کی عزت کا مگر سکندر کا ہی سوچ لے۔ تجھے اچھا لگے گا۔ کہ وہ ساری زندگی تجھ سے شرمندہ رہے۔ تیرا سامنا نہ کرے۔'' اماں اب منت پر اتر آئیں۔

''اس نے آج جو کیا..... وہ ویسے بھی کبھی سکندر کو مجھ سے نظریں ملانے نہیں دے گا۔ چاہے میں اس سے شادی کروں یا نہ کروں۔'' اس نے سر ہلایا تھا۔ بات اب صرف محبت سے دستبرداری کی نہیں تھی۔ بات اب بہت مختلف سی ہو گئی تھی۔ ایسی لڑکی جسے کسی رشتے کا کوئی پاس نہیں تھا۔ کیا وہ کبھی اس کی عزت کا پاس رکھ پاتی۔

''میری بات بھی سن لے تیمور..... اس نے جو کیا سو کیا۔ اب تجھے اسے اپنانا ہوگا۔ حوریہ کی جگہ اب

www.pakistanipoint.com

رابی ہی رخصت ہو کر آئے گی۔ ورنہ..... ورنہ..... میرا مرا ہوا منہ دیکھے گا۔'' اماں کا لہجہ چٹان کی طرح اٹل تھا۔ کچھ لمحے تو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔ اور پھر سامنے آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا وہ جس طرح وہاں سے نکلا تھا۔ اماں ہول کر رہ گئی تھیں۔

وہ صبح بڑی عجیب تھی صبح فجر کی اذان کے بعد جب مرد حضرات مسجد کے لیے نکلے بھی نہیں تھے۔ پھپھو کی آمد ہوئی تھی۔ تیمور کے علاوہ ان کے ساتھ اس دوسرے وجود پر نظر پڑتے ہی ان سب کے سروں پر آسمان آ گرا تھا۔

تائی بھاگ کر رابی کے کمرے میں گئیں۔ گویا پھپھو کے ساتھ کھڑی وہ رابی نہ ہو اس کی ڈپلی کیٹ ہو۔ وہ نماز میں بھی آلکس تھی۔ دیر سے اٹھا کرتی تھی۔ اب تو حوریہ نے بھی اس کے ساتھ سونا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے کسی کو اس کی غیر موجودگی کا اب تک پتا ہی نہ چل سکا تھا۔

پھپھو نے رابی کو اس کمرے میں بھیج کر باقی سب کو بڑے بھائی کے کمرے میں بلایا۔ جو اس معاملہ کو سمجھنے کی ہی کوشش کر رہے تھے۔ اور پھر پھپھو نے مزید ان کے چہروں پر حیرت اور بدحواسی بکھیر دی تھی۔ جب انہوں نے تایا جی کا ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھا تھا۔

ادھر..... وہ اپنی جیت کی اطلاع دینے حوریہ کے کمرے تک آئی تھی۔

''کہا تھا ناں چھین لوں گی۔'' فاتحانہ لہجے میں کہتے ہوئے اس کا چہرہ انوکھی لو سے دمک رہا تھا۔ حوریہ جو جانماز پر کھڑی ہو رہی تھی۔ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''رات کے اندھیرے میں اپنا کے آئی ہو اسے..... مبارک ہو۔'' نیند کے سرخ خمار کے ساتھ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ایک اور رنگ بھی تھا۔ تاسف اور بے یقینی کا رنگ۔

''اب کہتی رہ میری جوتی سے'' وہ ہنس کر باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

یہاں سب کو سانپ سونگھ چکا تھا جب پھپھو نے رات کی کتھا سنائی۔

سب سے پہلے سکندر کو ہی ہوش آیا۔ ''میں اسے نہیں چھوڑوں گا ابا..... میں اسے جان سے مار دوں گا۔'' پھر کر کہتے ہوئے وہ حواس کھونے لگا تھا۔

''بھائی جان! آپ نے مجھے قسم دی ہے۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے اس کی جان کی ضمانت میں نے لی ہے۔ تب ہی لائی ہوں اسے یہاں۔'' پھپھو گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''قسم ابا نے دی ہے۔ میں نے نہیں..... میں..... میں یا تو اس کی جان لے لوں گا۔ یا پھر اپنی..... سن رہے ہیں ابا..... ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی بچے گا۔'' اس کی آنکھوں میں خون اتر ہوا تھا۔ تیمور نے اٹھ کر اسے کندھوں سے تھامنا چاہا۔ اس نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

تیمور سمجھ رہا تھا کہ سکندر اس وقت اپنے آپ میں نہیں تھا۔ اسے رابی سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔

''کاش رابی..... میں تمہیں اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار سکتا۔''

تائی بلند آواز سے رونے لگی تھیں۔

''سکندر..... میں ابھی زندہ ہوں..... اتنا کچھ سن کر بھی زندہ ہی ہوں، تم کچھ نہیں کرو گے جو کروں گا میں کروں گا۔'' اتنے دیر سے بت بنے بیٹھے تایا جی نے لب کشائی کی تھی..... چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر آنکھوں میں جو پھر یلا تاثر تھا..... رگوں میں لہو منجمد کرتا۔ اعصاب پر مسلط کرتا۔

''بھائی جان میں کہہ رہی تھی۔ بچی ہے..... ناراضی ہوگئی ہے۔ میرے لیے آپ دونوں ایک جیسے ہیں۔ یہ گھر کی بات اب گھر میں ہی رہے۔ اس لیے..... میں چاہتی ہوں اب حوریہ کی جگہ رابی کی رخصتی ہو۔ اگر..... واجد کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔'' پھپھو نے کہتے ہوئے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا۔

تائی کی سسکیاں بلند ہوئیں۔ ''خدا تجھے غارت کرے رابی..... یہ تو نے کیا کیا۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتے۔ تایا جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

www.paksociety.com

"جو اولاد ماں باپ کی عزت مٹی میں رول دے۔ اس کی من مرضیاں پوری نہیں کی جاتیں۔" وہ یہ بات کسی سے نظر ملائے بغیر کہہ رہے تھے۔ رابی نے انہیں کسی سے نظر ملانے کے لائق چھوڑا ہی کہاں تھا۔ نہ بھائی سے نہ بہن سے۔ یہ تو اللہ کے بعد بہن ہی تھی جس نے کسی کو خبر ہونے سے پہلے ہی ان کی عزت کا پاس رکھ لیا تھا۔ ورنہ بیٹی نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"بھائی جان...... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے حوریہ کا جہاں نصیب ہوگا اسے مل جائے گا، رابی بھی تو میری ہی بیٹی ہے۔" چچا جی کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے بڑے بھائی کے کندھے ڈھلکاتے شرمندگی کے اس گھٹڑ کو وہ اپنے سر لے لیں۔

"میں نے کہا ناں...... اس کی زندگی کا فیصلہ اب میں کروں گا۔" ان کی آواز بلند ہوئی۔

"سکندر...... مولوی صاحب کو بلاؤ۔" انہوں نے اچانک جو حکم جاری کیا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ تیمور بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابا جی......" سکندر نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"سنائی نہیں دیا۔ میں نے کیا کہا۔" وہ دھاڑے تھے۔ اس نے نکلنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لیا۔ اس کے پیچھے تایا جی بھی اٹھے۔ رخ باہر کی جانب تھا۔ تیمور اور چچا جی گھبرا کر ان کے پیچھے آئے۔ "بھائی جان...... کہاں جا رہے ہیں۔"

"چچا جی کو اس سوال کا جواب تب ملا۔ جب وہ گھر سے ذرا فاصلے پر بنے ڈیرے تک آئے۔

"اٹھ جا...... اوئے بدذات......" بیری کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر چادر اوڑھے وجود کو ایک ٹھڈا رسید کرتے وہ پھنکارے تھے۔

"ملک جی......" اس ناگہانی آفت پر بوکھلا کے اٹھتے ہوئے انہیں دیکھتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"نمک کھایا ہے ناں تو نے میرا...... میری عزت لٹ رہی تھی اور تو تماشا دیکھ رہا تھا۔ کون سا بدلہ لیا مجھ سے...... بول" وہ اتنے غلیظ وغضب میں تھے کہ تیمور کو ان سے خوف سا محسوس ہوا وہ تو پھر میدو تھا روتے ہوئے ان کے قدموں میں گر پڑا۔

"معاف کر دیں ملک جی...... خدا کے لیے...... مجھے معاف کر دیں...... میں رات اسی وقت آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ مگر رابی بی بی نے کہا کنویں میں کود کر اپنی جان دے دیں گی۔ میں بس انہیں چھوڑنے گیا تھا جی...... میں نے اور کچھ نہیں کیا...... میں قسم کھاتا ہوں۔" وہ گڑگڑا رہا تھا۔

"ماما جی...... چھوڑیں...... گھر چلیں......" تیمور نے انہیں کندھوں سے تھاما۔

"معاف کر دوں......" انہوں نے جیسے تیمور کی بات سنی ہی نہیں...... اپنے قدموں میں پڑے میدو کو دیکھتے وہ جیسے خود سے بڑبڑائے تھے۔ "لیکن میں تجھ سے یہ گلہ کیوں کر رہا ہوں۔ میری تو اپنی اولاد نے میرے منہ پر کالک پوت دی۔ تو تو پھر ملازم ہے۔ لے لیا ہوگا کسی ڈانٹ پھٹکار کا بدلہ۔" ان کے لہجے میں اتنی بے بسی تھی کہ تیمور کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔

"نہیں ملک جی...... چاہے تو میری جان لے لیں...... مگر ایسا نہ کہیں۔" میدو رونے لگا۔ "میرے پیر کاٹ دیں جن سے میں ان کے ساتھ گیا۔ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔"

"اٹھ جا...... بس کر......" تایا جی کو ساکت کھڑے دیکھ کر چچا جی نے ہی اسے اٹھایا۔

"گھر چل......" انہوں نے بس اتنا کہا اور پلٹ گئے۔

تیمور اور چچا جی نے تذبذب کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ حکم کس کے لیے تھا......

☆☆☆

اس دن وہ اپنی جیت کے نشے میں چُور کمرے میں بیٹھی اس میٹنگ کے برخاست ہونے کے انتظار میں تھی۔ اتنا اس کے کانوں میں پڑ ہی چکا تھا کہ ابا جی نے مولوی صاحب کو بلوایا ہے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ابا جی اب کہاں مجھے اس گھر میں برداشت کریں گے۔ وہ تو چاہیں گے۔ فوراً تیمور سے میرا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نکاح پڑھوا کر مجھے اس گھر سے رخصت کر دیں۔'' اسے ابا جی کے غصے یا دکھ سے کوئی سروکار نہیں نہ تھا۔ اس کے بجائے اس سوچ نے دل کو طمانیت ہی بخشی تھی۔

پھپھو اس شرط پر تو اسے آنے کو راضی کر پائی تھیں کہ وہ ابا سے اسے باعزت طریقے سے مانگ کر باعزت طریقے سے رخصت کرا کر لے جائیں گی اور ابا اسے کچھ نہیں کہیں گے اس کی ضمانت بھی وہ خود لیں گی۔

اس نے ایک ایسا جوا کھیلا تھا جس کی کامیابی کا اسے ایک سو ایک فیصد یقین تھا۔ کیا ہوا جو باپ کا سر جھک گیا اب تو اسے افسوس ہو رہا تھا۔ خواہ مخواہ ہی اتنے دن حوریہ کی منتیں کرتی رہی۔ پہلے ہی یہ پلان کیوں نہ سوچ لیا۔

وہ تب چونکی جب اس کا بلاوا آیا۔ وہ سر جھکائے بڑے کمرے میں آئی۔ جانے کون کون تھا وہاں...... اسے بس تیمور کے مضبوط مردانہ جوتوں کی جھلک نظر آئی تھی۔ ایک حسین سی مسکراہٹ اس نے ہونٹوں میں ہی داب لی۔

اس کے بیٹھتے ہی ابا جی نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا تھا۔ وہ نکاح پڑھانے لگے تھے۔ ابا جی اضطراری انداز میں اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔ تب لگا وہ رعشہ زدہ مریضہ بن گئی ہو۔

''حمید ولد مجید علی...... حمید ولد مجید علی...... اس کے چاروں جانب یہی آواز گونجنے لگی تھی۔ مصنوعی شرم بھول کر وہ سر اٹھائے آنکھیں پھاڑے کبھی مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھی کبھی ان کے ساتھ بیٹھے مرجھائے چہرے والے میدو کو۔

''کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟'' مولوی صاحب نے نجانے کون سی بار پوچھا تھا۔

ابا جی کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔ مگر وہ ہاتھ...... وہ لمس...... وہ سختی...... اسے محسوس ہوا کسی نے سر پر جلتا انگارہ رکھ دیا ہو۔

اس نے تڑپ کر ان کو دیکھا تھا۔

''ابا جی......'' ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دل نے جیسے پاتال کی گہرائیاں چھو لی تھیں۔ ان کی آگ برساتی آنکھیں...... ان کا سرخ پڑتا چہرہ...... مزید اس کی تاب نہ لا کر...... سر جھکاتے ہوئے خشک ہوئے حلق اٹکتے الفاظ جانے کیسے اس نے اپنی موت کے پروانے کو قبولیت بخش دی تھی۔

جب انہوں نے یہ فیصلہ سب کو سنایا تھا تو پھپھو نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ اماں نے اپنا دوپٹا ان کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

''ایسا مت کرو سکندر کے ابا...... وہ جیتے جی مر جائے گی۔''

''اپنے باپ کو زندہ درگور کرنے والی اولاد جینے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ سلطانہ...... آج اگر میں نے اس کی ضد پوری کر دی...... تو میں خود پر تھوکنے کے قابل بھی نہ رہوں گا۔ دوسروں کا حق چھیننے والے بھی اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتے۔ اب میں اسے بتاؤں گا...... باپ کا سر جھکا کر بھی...... اسے ملے گا وہی...... جو اس کے نصیب میں ہے۔''

ان کے فیصلے ایسے ہی ہوتے تھے۔ اٹل اور بے لچک۔

''میں درمیان میں نہ آتی تو...... صورت حال مختلف ہوتی۔ رالی کے ساتھ برا ہوا۔'' حوریہ نے یہ بات اُس سے تب کی جب اس کی منکوحہ بن گئی تھی۔

''میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کہ اس کے ساتھ صحیح ہوا یا غلط۔'' تیمور سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''مگر...... میں یہ ضرور جانتا ہوں۔ اپنی اندھی خواہش پوری کرنے کے لیے اس نے جو راستہ اختیار کیا وہ غلط تھا۔ اور اس کے لیے چاہے تم جو بھی جواز ڈھونڈ کے لاؤ وہ غلط ہی رہے گا۔ اور نصیب ہم اوپر سے لکھوا کر لاتے ہیں تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم درمیان میں نہ آتیں تو میں اسے مل جاتا...... تم اسے وہ کیسے دے سکتی تھیں حوری...... جو اسے اللہ نے نہیں دیا۔''

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یقیناً۔ مگر اس کے لیے وہ سب بھولنا بھی کہاں اتنا آسان تھا۔ اس کی نئی زندگی کی بنیاد جس زمین میں گڑی تھی۔ وہاں کسی کے جلتے ارمان بکھرے تھے۔ اور یہ دکھ۔ یہ خلش کب تک اس کی خوشیوں کے رنگ پھیکے کرنے والی تھی۔ یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

☆☆

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

حُمیرا عروش

بھاگ بھری

''اے کلموہی، مرن جوگی! اٹھ کر صحن کی جھاڑو نکال جلدی سے پھر آج کام پر چلنا میرے ساتھ۔''

زلیخاں نے اپنی بات رد ہوتی دیکھ کر بھاگ بھری کو دو دھموکے جڑے۔ جس نے قد کاٹھ تو خوب نکال لیا تھا مگر عقل کہیں گٹوں میں ہی دم توڑ چکی تھی۔ وہ ہائے ہوئی کرتی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچے صحن میں بھاگتی مرغیوں اور چوزوں کو مخصوص آواز نکال کر ڈربے کی جانب دھکیلنے لگی۔

☆☆☆

کمرہ خالی تھا اس کے دل کی مانند ویران! وہ گئی تھی تو زندگی کے سارے رنگ اپنے ساتھ سمیٹ لے گئی تھی۔ جینے کی تمام تر آسائشات ہونے کے باوجود بھی زندگی اتنی بے آرام تھی کہ اسے ایک پل بھی قرار نصیب نہ تھا۔

واصفہ مرزا شہر کے جانے مانے بزنس مین کی اکلوتی بیٹی تھی جو اس کی ماموں زاد تھی، جو اپنی منگنی ٹوٹنے کا غم دل پر لے بیٹھی تھی۔ لوہا گرم تھا اور موقع بھی خوب۔ لہٰذا اس نے اپنی وفا کا مرہم، محبت بنا کر واصفہ کے ٹوٹے دل پر لگانا شروع کر دیا یوں منگیتر کی بے وفائی کا اثر آہستہ آہستہ شکست خوردہ ہو کر بے دم ہو گیا اور وہ ابتسام کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ اس کی زیست مثل بہاراں محو رقص ہوئی۔

☆☆☆

''واٹ؟'' شہنیلا کو ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔ بات ہی ایسی تھی۔ توقع کے برخلاف! امید سے بڑھ کر۔

فون پر دوسری جانب ابتسام کی بہن ملک کی جانی مانی ماڈل شہزرین نے خفگی سے ابرو اچکا کر آنکھوں کو نخوت سے مٹکایا اور گردن کو حرکت دی۔

''بے بی اور تمہارا؟'' حیرت تھی کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''کبھی پوری بات بھی سن لیا کرو۔ ابتسام بھائی کا بے بی میرے پاس ہے۔ ابھی تو نوکر ہی سنبھال رہے ہیں مگر مجھے کسی اچھی میڈ کی تلاش ہے۔ تمہاری

نظر میں کوئی ہو تو پلیز بتا دینا۔''

''اچھا، ویسے تم کیوں بے بی کے چکر میں پڑ گئیں؟'' ڈاکٹر ہونے کے ناتے ابھی پچھلے مہینے اس کا ابارشن اسے اچھی طرح یاد تھا۔

''ارے، وہ سیل فش واصفہ بچہ منہ پہ مار کر اپنے ایکس لور کے ساتھ گھوم رہی ہے آج کل تعلقات بحال ہوئے تو شادی سے بھی فارغ ہوگئی۔''

شہرین کے لہجے میں نفرت گھلی۔ شہیلا کی تشفی ہوگئی۔

☆☆☆

بھاگ بھری حیرت سے دیدے پھاڑے یہ شان دار گھر دیکھ رہی تھی۔ ماں نے گھوری ماری تو ماں کے ساتھ کام میں لگ گئی۔ کام ختم ہوا تو زلیخا بیگم صاحبہ فرحین کے ساتھ کھانا پکوانے لگی۔

دراصل آج ان کی بیٹی کے متوقع سسرالی رشتہ داروں نے آنا تھا لہٰذا کام معمول سے زیادہ تھا۔

صفائی کروا کر بھاگ بھری ماں سے نظر بچا کر لان کی طرف چل دی۔

کچھ دیر بعد مہمانوں کے ساتھ آئے بچوں کے ساتھ مل کر اس نے لان میں خوب دھما چوکڑی مچائی۔

زلیخا دل ہی دل میں تلملائی۔ بھاگ بھری کی ٹھکائی لگانے کی خواہش دل میں انگڑائی لے کر رہ گئی اور وہ بس ہاتھ کھجا کر صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئی کہ جو ان جہاں اولاد کی پرائے گھر میں درگت بنانا کچھ مناسب نہ لگا۔

نوکری عزیز تھی۔ لہٰذا شتم پشتم کام بھگتا کر بھاگ بھری کو لے کر گھر سدھاری۔ گھر آ کر جو حال کیا۔ وہ الگ کہانی ہے۔

☆☆☆

وہ اس کے کاٹ کے قریب بیٹھا تھا جو خالی تھا جس کی بدولت اس کے دل کا ایک نرم گوشہ لہو رنگ تھا۔

آج پھر شہرین کا فون آیا تھا کہ میڈ نہیں ملی۔ طلحہ ہنوز ناتجربہ کار ملازمین کے پاس تھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

دور دور تک ایک یہی بہن کا رشتہ تھا۔ جس پر وہ اعتبار کر سکتا تھا یا یوں کہیں کہ جس کے لیے وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اس کے بچے سے محبت کر سکتی ہے۔

مگر محبت کرنا اور محبت سے پرورش کرنا دو مختلف چیزیں ہیں اور یقیناً آخر الذکر سے شہرین مستثنیٰ تھی۔

☆☆☆

ماں کام پر نکلی اور بھاگ بھری کو سمجھو، آزادی کا پیام مل گیا۔ فوراً اردگرد کے گھروں کے اسکول مدرسوں سے فارغ بچوں کو آنگن میں جمع کیے شور مچانے لگی۔

حتیٰ کہ کمرے میں کونے میں پڑی چارپائی پر پڑے نحیف و بیمار باپ کو بھانگ دہل گالیاں، کوسنے جاری کرنے پڑے تب کہیں جا کر بھاگ بھری نے بچوں کو ان کے گھروں کو روانہ کیا اور خود بھی سکون سے بیٹھی۔ اس دوران وہ بری طرح ہانپ چکی تھی۔ سانولی رنگت پسینے اور گرمی کی بدولت مزید پکا پن اختیار کر گئی۔

شام کو ماں گھر آئی تو باپ نے شکایتوں کا وہ دفتر کھولا کہ ماں کو آج جو شبہ تھا، وہ بھی دور ہو گیا کہ یہ کمبخت بھاگ بھری ہی اس کے ''بھاگ'' بند کروانے کے لیے اس کی زندگی میں وارد ہوئی ہے۔ ساری عمر کی پریشانیاں ایک طرف اور بھاگ بھری کی نحوست ایک طرف!

وہ سر پکڑ کر بیٹھی بس یہی سوچتی رہی جبکہ بھاگ بھری صحن میں بیٹھی جانے کیا سوچ مسکرائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ فون پر بے حد عجلت بھرے انداز میں بات کر رہی تھی۔ ''ایم ریئلی سوری بھائی! روشن والوں کے ساتھ کام کرنا میرے لیے بڑی اچیومنٹ ہے۔ چھوٹی موٹی آفر ہوتی تو انکار کر دیتی۔ امریکہ کی شوٹنگ مکمل

www.paksociety.com

ہوئیں تو پاکستان آ کر ضرور طلحہ کو لک آفٹر کر پاؤں گی۔ ابھی میں نائلہ (ملازمہ) کے ساتھ واپس بھیج رہی ہوں اسے۔''

فون بند ہوا تو وہ بے بس سا بیٹھا رہ گیا۔ چند ثانیے بعد اپنی کنپٹیاں سہلا کر آفس سے نکل آیا کیونکہ نائلہ سے پہلے یقیناً اسے گھر پہنچنا تھا۔

اس نے نائلہ کو بھاری بھر کم معاوضے کی پیش کش کر کے ہائر کرلیا۔

بچے اور میڈ کی نگرانی کے لیے بھی کسی خاتون کا ہونا بے حد ضروری تھا۔ لہٰذا کافی سوچ بچار کے بعد اسے اپنی مرحومہ ماں کی دوست آنٹی فرحین کا خیال آیا تو انہیں فون پر تمام تفصیلات سے آگاہ کر کے مدد کی اپیل کر دی۔

''بیٹا! میڈ ہے تو یقیناً وہ طلحہ کا بہتر طور پر خیال رکھ لے گی۔ تم ضرورت سے زیادہ پوزیسو ہو رہے ہو۔''

پس و پیش کر کے انہوں نے دامن بچانا چاہا۔

اس کا دل بند سا ہو گیا۔ انہوں نے مکمل طور پر انکار بھی نہ کیا تھا سو گنجائش ابھی باقی تھی۔

''آنٹی پلیز! واصفہ نے خلع کا نوٹس نہ بھیجا ہوتا تو میں کسی طرح اسے ہی منا لیتا۔ ایکچوئلی، طلحہ کے لیے میرا کسی پر ٹرسٹ کرنے کو دل نہیں مانتا۔ آپ اگر......''

اس کی رندھی ہوئی آواز سن کر آنٹی فرحین کو تو رحم آ ہی گیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! تم طلحہ کو میڈ کے ساتھ یہاں چھوڑ دو۔ میں کمرہ سیٹ کروا دیتی ہوں۔''

''بہت شکریہ آنٹی! شہزین کے پاکستان لوٹنے تک آپ کو زحمت اٹھانا پڑے گی۔'' وہ متشکر ہوا، ساتھ ہی وضاحت بھی مقدم جانی۔

☆☆☆

وہ طلحہ کو گود میں اٹھائے گیٹ سے اندر داخل ہوا تو بڑی سی فٹ بال نے اس کی قدم بوسی کی۔

اس نے ناگواری سے جیسے اپنی کھیڑی کی نوک رسید کر دی۔

دفعتاً سامنے سے گلے میں دوپٹہ پھیلائے، گھبرائی ہوئی بھاگ بھری وارد ہوئی۔ ابتسام کی گود میں گول مٹول خوب صورت بچہ دیکھ کر اس کی گھبراہٹ مسرت میں سرایت کر گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا سا اچک کر بغور طلحہ کو دیکھا۔

''صاحب جی! بچہ......اللہ کتنا پیارا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں جگنو چمکے جو اس کی سانولی رنگت کو مات دے کر اسے بے حد حسین مورت میں تبدیل کر گئے۔

ابتسام نے ان محبت سے مزین الوہی دلکش رنگوں کو بے حد انہماک و دلچسپی سے دیکھا۔ وہ رنگ جو لاشعوری طور پر اپنے بچے کے لیے ہر آنکھ میں تلاش رہا تھا۔ پہلے واصفہ، پھر شہزین، نائلہ اور اب فرحین آنٹی کے پاس بھی اسی مقصد کے تحت آیا تھا مگر وہ محبت و بے قراری بھاگ بھری کی آنکھوں میں لکھ دی گئی تھی۔ اس نے پڑھی اور بہت دل سے پڑھی۔

بھاگ بھری پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، جب اس نے بنا نفرت و کراہت طلحہ کو اس کی پھیلائی باہوں میں تھما دیا۔ وہ مسرت بھرے انداز میں اس سے کھیلنے لگی۔

ابتسام نے پرسوچ انداز میں اس کے ساتھ بیرونی جانب قدم بڑھا دیے کہ بھاگ بھری کی سنگت کے حصول کے لیے آنٹی فرحین سے بات کرنا ضروری تھی۔

انہیں تو مارے باندھے اپنے سر پڑ جانے والی ذمہ داری سے چھٹکارا مقصود تھا، لہٰذا کوئی اعتراض نہ ہوا۔

چند ہی دنوں میں زلیخاں کو اندازہ ہو گیا کہ بھاگ بھری واقعی ''بھاگ بھری'' تھی۔

☆☆

www.pakistanipoint.com Waqar Azeem

شازیہ الطاف ہاشمی

بھائی صاحب

''آج صبح ہی صبح جب میں نے آلو والی ٹوکری میں جھانکا تو جھاڑنے سے بھی کوئی نہیں نکلا۔ اب سبزی والے کا انتظار کون کرے۔ بچیاں اسکول سے آتی ہوں گی اور آتے ہی بھوک بھوک کا شور مچا دیں گی۔ اب بندی کرے تو کیا کرے۔''

نازی ٹھیک ٹھاک محبوب بیوی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ کہنے کی کیا ضرورت ہے بھلا! کہتے ہیں ڈھنڈورا تو وہ پیٹیں جو اندر سے خالی۔ ہوں سرمد بڑے غور سے سن رہا تھا پانچ سال پرانی بیوی کو۔ نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی نے بتایا کہ وقت نے نازی کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔ وزن ذرا سا بڑھا ضرور ہے مگر باقی وہ ویسی کی ویسی تھی۔

زندگی میں پہلی بار پہلی ہی بندی نازیہ احسان پر مر مٹنے والا سرمد آج بھی اس کا گرویدہ تھا۔ چاروں شانے چت۔ یہ محبت ہوتی ہی ایسی ہے کبھی کر کے تو دیکھو، تمہارے نام سے جس کو نسبت نہ ہو گی۔ وہ افسانہ ہوگا حقیقت نہ ہو گی۔

''تو پھر بندی نے کیا کیا آخر جو آلو گوشت بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔''

''کرنا کیا تھا۔ میں گئی سیدھی عائزہ کے گھر، بھئی دو چار آلو ہی دے دو۔'' کہنے لگی۔ ''نازی آپی پرسوں ختم ہوئے ہیں انڈے پڑے ہیں فریج میں وہ بنا لو۔ تمہیں تو پتا ہی ہے سرمد! انڈے مجھے کتنے برے لگتے ہیں۔ بی پی فوراً ہائی ہو جاتا ہے، کھانے کے بعد والا عذاب کون جھیلے پھر میں نے دیکھا فائز بھائی صاحب بازار سے ہو کر آرہے تھے۔ بہت سارے نیلے پیلے شاپر اٹھا رکھے تھے۔ بے چارے بیٹھنے کے بجائے فوراً بازار گئے اور آلو لا کر دیے۔ پھر بنایا میں نے مزیدار گرما گرم آلو چکن کا سالن کیوں اچھا بنا ہے ناں۔''

آخر میں اس کی مسکراتی آنکھیں گول گول گھومیں۔

''بہت اچھا لگا مجھے۔ بنایا کس نے ہے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا تھا۔ نازی کے وہاں جانے کا سن کر۔

اس فائز بھائی صاحب کا نام تو فائزہ بہن جی ہونا چاہیے تھا۔ لعنتی کہیں کا۔ ہر جگہ دستیاب۔ پتا نہیں یہ نکل کہاں سے آتا ہے۔

ایک بار پھر دل ہی دل میں نازی کے بہنوئی کو کوستے ہوئے وہ خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

فائز، نازی کا اکلوتا بہنوئی تھا اور عائزہ چھوٹی ایک اکیلی بہن، بہن سے محبت کی حد تک تو سب ٹھیک تھا۔ چلو بہن ہے، وہ بھی چھوٹی مگر نازی کی عقیدت فائز بھائی صاحب سے بھی کچھ کم نہیں تھی۔

''فائز بھائی اندر آئیں ناں، بیٹھ جائیں۔ آپ کے لیے چائے لاؤں۔''

''بھئی بچو! ریموٹ فائز انکل کو دے دو انکل کو تنگ بالکل نہ کرو۔''

''بری بات رمشہ! بند کرو یہ چیخ پکار انکل کیا سوچیں گے یہی ناں کہ رمشہ اور آمنہ گندی بچیاں ہیں۔''

یہ وہی ریموٹ تھا جو اکثر نازی اس کے ہاتھ سے چھین کر بچوں کو تھما دیا کرتی تھی۔ بچیاں ہیں یہ چار دن

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہلا ہلانے کو ذنے کے اور آپ ہیں کہ اس منحوس ریموٹ کی ناطر بچوں کی طرح منہ پھلا کر بیٹھے ہیں۔ خبروں کے لیے اخبار ہے ناں، آمنہ چندا! فوراً پاپا کو اخبار اکٹھا کر کے لا دو۔" اخبار کے اوراق کچھ بیڈ کے نیچے اور رنگین صفحہ پر محترمہ نازی صاحبہ تشریف فرما ہوتیں۔

"اوہ سوری سرمد! یہ بچیاں بھی ناں ہوش بھلا دیتی ہیں۔ ابھی اچھا بھلا بیٹھ کے پڑھ رہی تھی اور اب اوپر پڑھ کر بیٹھی ہوں۔ یہ لیں ٹھیک کر دیا ہے۔ اب ناراض تو نہ ہوں۔" آخر میں منہ پھلا کر ناراض نہ ہونے کی فرمائش بھی ہوئی۔

"عینک" رکھی کہاں تھی یہ بھی ذرا یاد کر لیں

"اوہو یہ لیں ادھر ہی تھی۔ آپ چلیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔" سرمد فطرتاً محبت کرنے والا انسان تھا اور نازی کے لیے تو یوں بھی اس کے دل میں جگہ ہی جگہ تھی۔ وہ اکثر ایل ای ڈی سے دور ہی رہتا مگر یہ فائز اس کی دفعہ تو اسے خوب غصہ آتا تھا۔ یہ نازی کو بچیوں کے چار دن کیوں بھول جاتے ہیں اس کی

دفعہ، باتیں تو وہ بھی فائز سے کر لیتا تھا مگر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا۔ نازی کہتی تھی۔ ''اسے جلن کہتے ہیں سرمد آپ جلا نہ کریں۔''

''کیا میں جلتا ہوں۔''

اس بدبختی کا آغاز ہوئے کچھ ہی مہینے ہوئے تھے سرمد کی شادی بڑی مشکل سے ہوئی تھی نازی سے۔ سو قسم کے بڑے اور مختلف قسم کے چھوٹوں کی مخالفت کے باوجود اس نے جو سوچا تھا۔ کر دکھایا تھا اس میں نازی کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ تو رشتہ دار سمجھ کے مسکرائی تھی اور وہ امی سے بات کر بیٹھا۔ بس یہیں سے مشکلات کا آغاز ہوا تھا۔

شادی کے بعد بھی امی اور باجیوں کا منہ بہت عرصے تک سوجا رہا تھا۔

جب سوجن اتری تو ایک طوفان بدتمیزی کا آغاز ہوا تھا۔ ایک طرف وہ سب سے چھوٹا امیدوں کا مرکز، بہنوں کا راج دلارا اسے نعتی مردوں کا خطاب پانے میں بہت کم عرصہ لگا تھا۔

اور دوسری طرف نازی وہ بھی انہیں کسی بھی طرح معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اینٹ کا جواب پتھر سے آنے لگا تھا۔

اس روز روز کی چخ چخ کا نتیجہ علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ گود میں دو جڑواں بیٹیاں لیے نازی سامان سمیت رخصت ہونے والی تھی جب بڑی باجی فرمانے لگیں۔

''ہماری بددعاؤں کا نتیجہ ہیں یہ دو دو لڑکیاں۔''

''تمہاری دفعہ کس نے بددعا دی تھی تمہاری اماں کو؟'' جواب پٹاخ سے آیا تھا۔

اس عذاب کو کوئی کہاں تک جھیل سکتا تھا آخر اس تماشے کو اب بند کرنا ہی اچھا تھا۔

پھر نازی کی فرمائش پر سرمد نے ٹھیک اسی کالونی میں گھر لے لیا تھا۔ جہاں نازی کی چھوٹی بہن عائزہ ایک گلی چھوڑ کر رہتی تھی۔ آنا جانا اب لگا ہی رہتا تھا جب ایک دن اس نے پیار سے نازی کو سمجھایا تھا۔

''نازی! میری جان! عائزہ کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر فائز تمہارا صرف بہنوئی ہے۔ اتنی بے تکلفی ٹھیک نہیں ہے۔''

''اور وہ بے تکلفی کیسی ہے جو آپ کو آزر بھائی کے ساتھ درکار ہوتی ہے۔ سیدھی بات کیوں نہیں کہتے۔ سرمد تمہیں نہ میں اچھی لگتی ہوں نہ میری بہن اور فائز تو بالکل میرے بڑے بھائی کی طرح ہے۔ ٹھیک ہے کہ ہم دونوں بہنوں کا کوئی بڑا بھائی نہیں ہے مگر فائز بھائی صاحب تو مجھے اپنے بھائی کی طرح لگتے ہیں۔ اچھی نہیں لگی تمہاری یہ بات مجھے۔ اپنوں کی دفعہ تو۔''

اب سرمد اپنے بہنوئی آزر بھائی اور سامعہ آپا کو آنے سے منع تو نہیں کر سکتا تھا بڑی مشکلوں سے تو انہیں راضی کیا تھا ورنہ وہ یہ گستاخی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھیں، بھلا ہو اماں کا انہوں نے ہی سمجھا بجھا کر انہیں آمادہ کیا تھا کہ انہیں سرمد اور نازی کے بیچ فساد ڈالنے کی کوششیں ترک نہیں کرنی چاہیے آخر دنیا امید پر قائم ہے۔

☆☆☆

صبح صبح وہ بڑے زور وشور سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھی جہاں فائز اور عائزہ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''السلام علیکم آپا!'' فائز نے نہایت ہی ادب سے سلام کیا تھا۔ یہ سرمد بھی ناں اسے اچانک ہی سرمد یاد آ گیا تھا۔

سلام کا جواب دے کر وہ ایک کرسی پر ٹک گئی تھی بچیوں کو اس نے ابھی ابھی اسکول بھیجا تھا فائز عائزہ دونوں ہی اس کا بہت احترام کرتے تھے اسے بھی ان کے درمیان بیٹھنا بہت اچھا لگتا تھا۔ فائز اٹھ کر چلا گیا تھا اور گرما گرم چائے کے ساتھ بسکٹ لے کر لوٹا تھا۔

''بہت شکریہ بھائی میں خود بنا لیتی آپ نے کیوں تکلف کیا۔''

اس کی سعادت مندی پر اسے جی بھر کر پیار آیا تھا۔ کتنا اچھا آدمی تھا اس کا بہنوئی یہ خیال اسے اکثر ان کی طویل سیڑھیاں چڑھتے، چائے پیتے کبھی، ان کے گرم کمرے اور کبھی ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر آیا

www.pakistanipoint.com

کرتا تھا یہ چھٹا مہینہ تھا۔ اس چھت بھری ہمسائیگی رشتے داری کا جو دل میں ٹھنڈ ڈال دیا کرتا تھا۔

''اچھا اب میں چلوں اور فائز بھائی! بازار سے یہ بچوں کے فیورٹ نوڈلز لیتے آیئے گا۔''

''ارے یہ سو روپے آپ رکھیں باجی! اب کوئی زیادہ سامان تو ہے نہیں، یہ میں لے آؤں گا۔''

''اللہ تمہیں پیارا سا بیٹا عطا فرمائے۔'' پیسے واپس پکڑتے ہوئے نازی نے خوشی سے دعا دی تھی۔ اپنے جب اپنوں جیسا سلوک کریں تو کتنی خوشی ہوتی ہے، ایسی ہی نازی کو بھی ہوئی تھی۔

ہاں بس اب دے دے اللہ، پچھلے مہینے بھی لیڈی ڈاکٹر چیک کی تھی ان گولیوں ٹیکوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا، آپ کوئی مشورہ۔''

فائز نے اپنے دل کی باتیں کہنا شروع کر دی تھیں اور اس نے جلدی سے نکلنے میں ہی عافیت جانی تھی۔ پتا نہیں وہ اور کون کون سے مسائل بیان کرنے والے تھے۔

یہ فائز بھائی بھی ناں یہ بھلا کہنے کی باتیں تھیں اسے سن کر شرم محسوس ہوئی تھی اور عائزہ نے بھی یقیناً اچھا محسوس نہیں کیا تھا۔

''پریشان ہیں ناں اس لیے۔'' نازی نے خود ہی سوچ لیا تھا۔ بات مہنگائی، بچت، اپنوں کی بے وفائی تک اکثر پہنچ جایا کرتی تھی اور اب۔ ہائے اب بندہ کیا کہے۔

☆☆☆

آج نازی نے گھر کی صفائی بہت دل لگا کر کی تھی۔ سارے پودوں کی کانٹ چھانٹ اور پھر بعد میں سامان کی لسٹ بنائی تھی۔ سرمد ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کے پاس بہت سارے پیسے موجود تھے اور اس پہ کوئی چیک اینڈ بیلنس بھی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ اچھے خاصے پیسے بچا بھی لیتی تھی۔

سامان کی مختصر سی لسٹ لے کر وہ گھر سے نکلی ہی تھی کہ فائز بھائی صاحب مل گئے۔

''بازار جا رہا ہوں آپی، آپ بھی آ جائیں۔''

ان کی بائیک کو غنیمت جانتے ہوئے نازی ان کے پیچھے جا بیٹھی تھی راستے کی ان کی ساری گفتگو کا لب لباب یہی تھا۔ کہ ''مہنگائی بہت ہو گئی ہے۔''

''اف کتنا بولتے ہیں یہ۔'' نازی سن سن کر تھک چکی تھی مگر وہ بول بول نہیں تھکے۔

اس نے پالک آلو، چنا چاٹ اور بہت سا دوسرا سامان خریدا۔ فائز بھائی نے آرام سے اس کا انتظار کیا تھا اور وہ دونوں سیدھے ان کے گھر ہی چلے آئے تھے۔ چائے پینے کے بعد جب وہ بھاری شاپر اٹھائے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

ایک بے تکلف ہاتھ اس کے کندھے پہ آ ٹھہرا تھا وہ سمجھی عائزہ ہے۔

تھک جائیں گی۔

میں اٹھا لیتا ہوں۔'' ان کا ہاتھ یقیناً کہیں آگے کا بھی سفر کرنے والا تھا کہ وہ فوراً پیچھے ہوئی تھی شکر تھا ایک بڑی چادر اس نے لے رکھی تھی۔

''یہ سارا سامان میں خود لے جاؤں گی۔ پیچھے ہٹیں آپ۔''

اس کا لہجہ ایک دم بہت سخت ہو چلا تھا۔

''میں تو۔'' پتا نہیں وہ کیا امید کر رہے تھے پھر ایک دم سے پیچھے ہٹے تھے۔ قصور اس کی بہن کا ہرگز نہیں تھا اس کا تھا جس نے اپنی حدود کا خود خیال نہیں رکھا تو وہ کیوں رکھنے لگے۔

☆☆☆

''سنو تم وہ اپنے بھائی صاحب کی طرف نہیں گئیں۔''

''ہر وقت اچھا تو نہیں لگتا ناں۔ آپ ہی تو کہتے ہیں۔''

''ارے اتنی سمجھ داری۔'' اب وہ اتنی تو سمجھ داری تھی ہی کہ اس منحوس بھائی صاحب کی حرکت کے بارے سرمد کو نہ بتاتی بلکہ خود ہی محتاط ہو جاتی۔

سرمد نے اس کی اس بات پر سکون محسوس کرتے ہوئے چائے کا کپ تھام لیا تھا۔

''چلو یہ بھائی صاحب والا قصہ تو ختم ہوا۔''

☆☆

www.paksociety.com

فرح بخاری

وہ نازنین

عبدالواسع کوئٹہ میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنے باغ کے حصول نے واسع کو وکالت کی طرف مائل کیا ہے۔ واسع کی بہن رباب پھوپھی زاد نصیر سے محبت کرتی ہے، لیکن گلشن پھپھو دونوں کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان کے ہاں بنا دٹے سٹے کے شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔ سیف اور نغمہ کی شادی کو چھ برس بیت چکے ہیں لیکن ان کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنی۔ پشمینہ سیف کی بہن ہے، وہ رئیس کی بچپن کی منگ تھی لیکن چھ برس پہلے ایک واقعے نے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیے تھے۔ نازنین کوئٹہ شہر میں اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے بابا کسی بیوہ عورت سے چوری چھپے شادی کر چکے ہیں اور اس کا رشتہ اپنے ایک رنڈوے دوست کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ نازنین عین نکاح کے وقت شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دولہا والے دلہن کو زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں۔ ادھر واسع کوئٹہ سے گھر واپس جا رہا ہے۔ بس میں ایک مسافر لڑکی تمام راستہ روتی ہوئی ملی، واسع کو شبہ گزرا کے اس کی ساتھی عورت اسے اغوا کر کے لے جا رہی ہے لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔ اگلے روز اسے اپنے کمرے میں اچانک سامنے پا کر واسع کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا وہ لڑکی اس کے چچازاد سیف اللہ کی سالی نازنین ہے اور اب یہیں رہنے والی ہے۔ نازنین کو اس کی بہن نغمہ نے مصیبت سے نکالا تھا۔

اب آگے پڑھیے۔

دسویں قسط

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

"کیا ہو گیا ہے نازنین۔ اتنی سی بات کو دل پر لے لیا۔" سیف بڑے بھائی جیسا ہے ناں۔ کیا ہوا جو اس روز وہ غصہ کر گیا۔ وہ بھی پشیمان ہوگا اپنے رویے پر۔

"ناز!" نغمہ نے بازو ہلا کر نازنین کو متوجہ کیا۔

"مجھ سے خفا ہو نا؟" نغمہ خود بھی تو پچھلے کئی روز سے شرمندہ تھی۔ بلاوجہ اس رات نازنین سے بدگمان ہو کر بات چیت تک بند کر دی تھی، حالانکہ بہن کی مروت سے بھی خوب واقف تھی، ذرا دیر کو سوچ لیتی کہ نازنین کو ان سب کے احسانات نے واضح انکار نہیں کرنے دیا ہوگا۔

"مجھے معاف کر دو نازنین۔" میں نے سگی بہن ہو کر سمجھنے میں بھول کر دی۔" خدارا اپنا دل صاف کرو اب۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تمہیں ایسے دیکھ کر۔"

"مجھے بابا کے پاس واپس بھیج دو باجی۔"

نازنین نے دیوار پہ ٹکی نگاہیں اٹھا کر پہلی مرتبہ نغمہ کو دیکھا تو وہ اسی ایک جملے پر گنگ ہو گئی۔ خالی خالی نظروں سے نازنین کو دیکھتے دیر تک کچھ بھی بول نہیں پائی۔

"خفا نہیں ہوں۔" نازنین نے عجلت میں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔ "کچھ اور مطلب نہ نکالو، سچ میں بابا کی یاد آ رہی ہے۔"

"میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے نازنین۔ میرے گھر والوں نے بھی مایوس کیا نا؟" نغمہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ نازنین کا ایک جملہ ہی کافی تھا اسے باقی ہر بات سمجھانے کے لیے۔

"ایسی بات نہیں ہے باجی، تم خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو، میں نے یہاں ہمیشہ تو نہیں رہنا تھا۔ اللہ گواہ ہے کسی کے لیے دل میں بال برابر بھی میل لے کر نہیں جاؤں گی۔"

"جانے کی بات اب مت کرنا نازنین۔ تمہیں تو کوئی ہمیشہ کے لیے اپنانے کی خواہش لے کر آیا ہے۔ اب تم میرے گھر نہیں۔ پاس والے گھر میں رہو گی، پورے حق کے ساتھ، مان اور عزت سے۔" نغمہ جو کہنے کے لیے اس کے پاس آئی تھی۔ بالآخر دھیرے دھیرے لبوں پر مسکراہٹ سجائے بتانا شروع کیا لیکن نازنین کے تاثرات میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔ وہ خبر جس کی وہ ہفتوں اور مہینوں سے منتظر تھی آج ملی بھی تو کس موقع پر۔

"پوچھو گی نہیں کس کی بات کر رہی ہوں؟"

نغمہ کے لبوں پہ ابھی تک ہنسی کھیل رہی تھی۔ نازنین نے نظریں ہٹائیں۔ چہرا ہنوز سنجیدہ تھا اور دل میں تجسس نام کو بھی نہیں تھا۔

"واسع کا رشتہ آیا ہے پاگل۔ آج جمیلہ چاچی بات کرنے آئی تھیں۔ شادی بھی جلد......"

"انکار کر دیں۔" اس سے پوری بات سنی ہی نہیں گئی۔

"کیوں۔ کیا کہہ رہی ہو۔" نغمہ حیرت زدہ ہوئی۔ "ارے ناز، اپنے واسع کی بات کر رہی ہوں۔ پتا بھی ہے تمہارے لیے واسع کا نام تو کب سے میرے دل میں تھا۔ مجھے تو ہمیشہ سے وہ تمہارے لیے بڑا آئیڈیل لگتا تھا۔ سچ کہتی ہوں ایسا لڑکا ہزاروں لاکھوں میں ملنے والا نہیں، اتنی اچھی عادات، ایسا نرم مزاج۔"

"میں اس سے شادی نہیں کر سکتی، کبھی بھی نہیں۔" نازنین کا دل تو یوں بھی واسع کے لیے موم جیسا تھا، باجی کی باتوں سے پگھلنے لگا تو اس نے پھر بات کاٹ دی۔

"میں نے بابا کو میسج کر دیا ہے، انہوں نے رابطہ کیا تو میں خود ہی ان سے اپنے جانے کی بات کر لوں گی۔" وہ فوراً ہی وہاں سے اُٹھ گئی اور نغمہ ہکا بکا سی دیکھنے لگی۔

"نازنین مانا کہ ہم سب سے سمجھنے میں بھول ہوئی۔ تمہارا خفا ہونا بھی جائز ہے، لیکن سوچو تو اس رات جب سیف تم پہ غصہ کر رہا تھا تو واسع بھی وہاں آ پہنچا تھا۔ اس نے بھی تم پہ لگے الزامات سنے، وہ پھر بھی تم سے بدگمان نہیں ہوا اور چند دنوں کے

Nadar Azeem www.pakistanipoint.com

اندر رشتہ بھیج دیا۔ تم رشتے کے معاملے کو باقی باتوں سے الگ رکھو، اپنی زندگی کے بارے میں سوچو

''میں آپ سب سے بھی خفا نہیں ہوں باجی۔ اور ان سب لوگوں سے خفا ہو کر جا بھی کیسے سکتی ہوں جن کے مجھ پر اتنے احسان ہیں۔ لیکن میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی شادی کروں گی بابا کی رضامندی سے کروں گی۔ اور اب تو ان سے کہہ بیٹھی ہوں واپسی کا۔ اب منع کرنا اچھا نہیں لگے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے تو بابا آجائیں، میں واسع کے رشتے کی بات ان سے خود کرلوں گی۔ مجھے پتا ہے انہیں بھی رشتہ پسند آئے گا۔''

''لیکن مجھے وہ نہیں پسند، میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔'' وہ قطعی انداز میں کہتی پھر نازنین کو حیران بلکہ پریشان کرگئی۔ جانتی تھی جتنی دیر کمرے میں رہی باجی اسے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی اور قائل تو اسے کیا جاتا ہے جو رضامند نہ ہو۔ واسع کی اچھائیوں کا تو یہ دل اول روز سے معترف تھا۔ یہ بھی جانتی تھی اس تک انکار کا پہنچنا اس کے دل پر کیسی ٹھیس لگائے گا، لیکن کوئی بھی اس کی مجبوری نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ مجبوری جو زبردستی وعدہ لے کر اس پہ مسلط کی گئی تھی۔ پچھلے روز دوپہر کو رباب اس کے پاس آئی تھی اور رو رو کر کہا تھا کہ اگر اس نے واسع کے لیے ہامی بھری تو اس کا نصیر سے رشتہ نہیں ہو پائے گا۔ پھوپھو زاد نصیر اس کی بچپن کی محبت تھا اور جس سے اس کی شادی بھی ممکن تھی جب واسع کی شادی اس کی بہن زمرد سے ہو پائی۔ رباب نے کہا کہ نہ صرف وہ اس کی اور نصیر کی محبت کے آڑے آرہی ہے بلکہ زمرد بھی واسع کو چاہتی ہے۔ اس نے مزید کہا کہ ہم واسع کو تو نہیں سمجھا پائے، اس لیے مجبور ہو کر اس سے حمایت چاہتے ہیں۔ تاکہ انکار ہونے پر واسع ہماری بات مان لے۔ اور وہ اسے چپ رہنے کی قسم دے گئی تھی۔ اس لیے وہ باجی تک کو حقیقت نہیں بتا سکتی تھی۔

پچھلی دوپہر سے اب تک کے وقت میں لگاتار سوچنے پر پہلی مرتبہ اس نے ایک رونگٹے کھڑے کرتا خوف اپنے اندر محسوس کیا۔ یہ لوگ محبت اور نفرت دونوں میں انتہا کے شدت پسند تھے۔ پشمینہ اور رئیس کی محبت، پھر اس محبت پر لگی زمانے کی بندشیں، سیف لالہ کی ایک فیملی سے نفرت، رباب اور نصیر۔

اسے یاد آیا شروع شروع میں وہ پشمینہ کی زبانی خوب دلچسپی سے یہاں کے قصے سنا کرتی تھی۔ ان لوگوں کے متعلق جاننا کیسا دلچسپ لگا کرتا تھا۔ تب نت نئے قصے سنتے اسے کسی سے ہمدردی تو کسی پہ حیرت، کسی میں دلچسپی تو کسی پر غصہ آیا کرتا۔ لیکن کسی ایک دن، ایک لمحے کے لیے بھی ایسا نہیں سوچا کہ وہ بھی ان لوگوں کے حالات کا حصہ بھی بن سکتی ہے۔ لیکن یہاں رہتے دامن بچانا شاید ممکن نہیں تھا۔ اور وہ واقعی نہ چاہتے ہوئے بھی پشمینہ اور رئیس کے قصے میں ایک اَن چاہا، قابل گرفت کردار ادا کرنے کا باعث بن چکی تھی۔ اور پشمینہ رئیس والے حادثے کو ابھی دن ہی کتنے گزرے تھے کہ یہ حقیقت کسی آتش فشاں جیسی اس پر پھٹی تھی کہ وہ محض پشمینہ اور رئیس ہی نہیں بلکہ رباب اور نصیر کی محبت میں بھی رکاوٹ بن کے کھڑی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ وہ معصوم اور پیاری سی زمرد۔ وہ بھی واسع کو چاہتی تھی۔ واسع نے کبھی بتایا بھی نہیں۔ اور میں..... میں نے کبھی سوچا کیوں نہیں کہ میری آمد سے پہلے بھی تو یہاں کی زندگی چلتی پھرتی، جیتی جاگتی رواں دواں تھی، کوئی دیوار پر لگی تصویر نہیں۔ واسع کا ایک ماضی ہوگا۔ اس میں کچھ اس کے چاہنے والے، کسی کو وہ۔ نہیں نہیں۔ نازنین کو چھوٹے سے کمرے کی گھٹن میں اپنی جان جاتی سی محسوس ہونے لگی۔ اب اسے کسی کو نہیں سننا تھا۔ اب یہی اس کا حتمی اور آخری فیصلہ تھا کہ اسے یہاں سے چلے جانا ہے۔ وہ اپنی وجہ سے کسی کی زندگی میں کوئی رخنہ کوئی دراڑ نہیں ڈال سکتی تھی۔

☆☆☆

''کیا جان دینا ہی ہمارے مسائل کا آخری حل ہے؟'' اسفند نے ہاتھ میں لیا کنکر پوری طاقت سے

دور دریائے ژوب کی اُچھلتی لہروں میں پھینکا۔ اس گرما بارشیں معمول سے کچھ زیادہ ہوئی تھیں۔ دریا بھی بھرا بھرا سا اور دور تک چوڑے پاٹ میں پھیل گیا تھا۔ خشکی کا ذرا سا فاصلہ چھوڑ کر ایک اونچے پتھر پر وہ دونوں بھائی ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ بلکہ رئیس کو ڈھونڈتے ہوئے اسفند کچھ دیر پہلے وہاں آیا تھا۔ پچھلے دنوں کے واقعے کے بعد اماں بہت ڈر گئی تھیں۔ رئیس گھر سے اکیلا باہر نکلتا تو وہ فوراً اسفند کو پیچھے دوڑا دیتیں۔ کوئٹہ والی نوکری پر ابھی وہ نہیں گیا تھا۔ دریا میں گرنے اور سیف لالہ کی مار پیٹ کے بعد اس کے چہرے اور گردن بازوؤں وغیرہ پر چوٹوں کے نشان واضح دکھائی دیتے تھے۔ وہ ان نشانوں کے چھوٹنے تک فی الحال یہیں تھا۔

"تمہارے ساتھ وہ نہیں ہوا، اس لیے چپ ہی رہو۔" رئیس کچھ چڑچڑا اور بیزار سا دکھائی دیا۔

"میرے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔" اسفند متحمل رہا۔ رئیس نے الجھ کر اس کا چہرا دیکھا کیونکہ جو اس کے ساتھ ہوا وہ ایک لڑکی کی وجہ سے تھا۔ تو اسفند آخر کیا کہنا چاہتا تھا۔ اسفند بھی اس کی آنکھوں کے خاموش سوال پر ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ہم دھتکارے ہوئے ہیں رئیس۔ بات صرف اتنی سی نہیں کہ تم نے اپنی سابقہ منگیتر یا دشمن کے گھر کی لڑکی سے رابطہ کیوں کیا، بات یہ ہے کہ ہمارا فیوچر بھی مشکوک ہوسکتا ہے، ہمارے ماضی کی طرح۔ مجھے یا تمہیں کسی خوش گمانی میں نہیں جینا چاہیے، امیدیں باندھنا ہمارا بچپنا ثابت ہوگا۔"

"پھر تو یعنی وہی ٹھیک تھا جو میں کر رہا تھا۔" رئیس نے مضحکہ اڑایا۔

"اونہوں۔" اسفند نے سرنفی میں ہلایا۔ "تم نے جان دینے کی کوشش اس لیے کی کیونکہ تم نے اُمید باندھی اور وہ توڑ دی گئی۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آخر ہم کوئی امید لگائیں ہی کیوں۔ ہمیں نہ صرف اپنی خواہشات کو محدود کرنا ہوگا بلکہ اس جگہ اس ماحول کو بھی چھوڑنا ہوگا۔ یاد کرو اُن سالوں کو جن میں ہم گاؤں سے دور ایک بالکل الگ ماحول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہاں کوئی ہمیں جانتا نہیں تھا اس لیے کسی چہرے پر ہمارا ماضی گالی اور طعنے جیسا کبھی نظر نہیں آیا۔ وقتی طور پر ہم بھی جیسے بھول ہی گئے تھے کہ رسوائی کا کوئی داغ ہمارے دامن سے لگا ہے۔" اسفند نے اپنے چندروزہ تجزیے کا نچوڑ بہت سوچ سوچ کر رئیس سے شیئر کیا۔

"نظریں چُرا کر بھاگنا چاہتے ہو۔ یہ مردانگی تو نہیں؟" رئیس اپنی بات پر اڑا تھا۔

"ہاں اور جان دینا تو بڑی مردانگی ہے نا۔" اسفند بھی خفا ہوگیا۔

"بتانا چاہتا تھا کہ میں بےقصور تھا۔"

"ہاں۔ سیف لالہ دو آنسو بہا لیتے۔ یا شاید پچھتا بھی لیتے۔ پھر...... اس کے بعد کیا ہوتا، کچھ بھی نہیں۔"

"اور تمہارے نزدیک جینا یہ ہے کہ فرار ہوجائیں یہاں سے۔"

"یہاں رہ کر کچھ حاصل نہیں ہونے والا، جن لوگوں نے حق پر کھڑے واسع لالہ کا ساتھ نہیں دیا، وہ میرا یا تمہارا ساتھ دیں گے رئیس؟ "ہم" یعنی کہ جن کا بائیکاٹ کرنا جائز اور حق پر ہے۔" وہ باقاعدہ جرح پر اتر آیا۔

"غلط......" پیچھے سے اچانک ایک بھاری آواز نے اسفند کو ٹوکا اور ان دونوں نے یک دم متعجب ہوکر سر گھمایا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ نصیر تھا جو کچھ دیر سے وہاں کھڑا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ دونوں ایک ساتھ ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھو بیٹھو۔" وہ گلا کھنکارتے ایک بڑے پتھر پر خود بھی آکر آرام سے بیٹھ گیا۔ اسفند نے پریشانی سے رئیس کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کی پریشانی سمجھنے سے قاصر تھا۔ نصیر لالہ کا کہنا مانتے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"آؤ تم بھی بیٹھو۔" نصیر نے اپنی گہری نگاہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اسفند پر جمائی اور وہ گھبرا کر نظر چرا گیا۔ بھلے اس ساری گفتگو میں زمرد کا نام کہیں نہیں آیا تھا لیکن نصیر لالہ اس کے بزدلانہ خیالات سے آگاہ ہو گئے تھے۔ وہ از حد شرمندہ اور نادم تھا۔ نصیر لالہ کی نظر میں ڈرپوک اور بھگوڑا۔ انہوں نے جواباً ''غلط'' کہہ کر اس کے خیالات کی نفی کی تھی۔ اب اور کیا سننا باقی رہ گیا تھا۔ وہ سر جھکائے ان کے داہنے ہاتھ کی طرف بیٹھ گیا۔

''تم نے ابھی واسع کی مثال دی اسفند۔'' نصیر نے پہلے مخاطب بھی اسے کیا، نصیر کی بات پر ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔

''واسع تم دونوں سے بھی کہیں زیادہ مایوس تھا۔ لوگوں کے برے رویے بھی سہے، جبار ماما کی چالوں کو بھی برداشت کیا، لیکن ڈرا نہ بھاگا۔ وہ یار کو بھی جرات سے فیس کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ تبھی اللہ پاک نے اس کی مدد کی۔ اور اللہ کی اس مدد کی تفصیل میں پھر کبھی واسع کی اجازت سے سناؤں گا۔ فی الحال میری ایک بات بڑے بھائی کی حیثیت سے غور سے سنو۔

نہ جان دینا، اور نہ بھاگنا، دونوں حل قطعی ناقبول ہیں۔ کیونکہ تم دونوں تو مجرم ہی نہیں ہو، صرف حالات کے ڈسے ہو، حتیٰ کہ کوئی اگر مجرم بھی ہو تو معافی اور بخشش کا طلبگار ہوتا ہے۔ اور تم دونوں بنا کوئی گناہ کیے اپنے لیے سزائیں تجویز کر رہے ہو۔''

''اصل میں لالہ میں.....'' اسفند کا رنگ بالکل ہی اڑا ہوا تھا۔ نصیر نے محظوظ ہو کر دیکھا لیکن مسکراہٹ دبالی۔ اس روز شبہ ہوا تھا آج شبے کی تصدیق اسفند کے چہرے کے اڑے رنگوں نے کر دی۔ وہ بے وقوف نصیر کے سامنے غلط ثابت ہونے پر رونے اور مرنے جیسا ہو رہا تھا۔

''بعد میں بولنا، پہلے مجھے سنو۔'' نصیر نے بظاہر چہرہ سنجیدہ رکھ کر گھر کا تو وہ وہیں رک گیا۔

''کام کی تلاش میں کہیں جانا ایک الگ بات ہے۔ میں خود بھی گھر سے دور کمار ہا ہوں، تم دونوں بھی نوکری کی وجہ سے چاہے گھر سے دور چار ہو، کوئی حرج نہیں، لیکن حالات سے بھاگ کر کبھی نہیں جاؤ گے۔ یہاں رہ کر اپنی شخصیت اپنے کردار سے خود کو ثابت کرو گے تو رفتہ رفتہ لوگ تم سے جڑے ماضی کو بھولنے لگیں گے۔ جہاں تک بات ہے خاندان کی کچھ فرسودہ رسوم کی تو انہیں ہم سب نے مل کر بدلنا ہے۔ میں اور واسع قدم اٹھا چکے ہیں۔ تم دونوں کا ساتھ چاہیے۔

''بولو دو گے ہمارا ساتھ؟'' نصیر نے اپنی ہتھیلی سامنے پھیلا دی اور ان دونوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے حالات کو بھلا کس اینگل سے سدھارا جا سکتا تھا۔ کہ جس کی کوشش میں واسع اور نصیر لگے تھے۔ اور زیادہ فکر اسفند کو لاحق ہوئی، نصیر لالہ پشمینہ رئیس والے قصے کے بعد اس کے دل کا حال تو چلو جان چکے تھے اور ہو سکتا ہے اس میں سدھار کا کوئی حل بھی ڈھونڈے بیٹھے ہوں لیکن اس کے دل کی بات تو ابھی وہ جانتے ہی نہ تھے۔ جان لیتے تو شاید اس کا بھی وہی حال کرتے جو رئیس کا سیف لالہ نے کیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' نصیر نے مسکرا کر ابرو اٹھایا تو وہ گھبرا کر حال میں آیا۔ رئیس ان کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھ چکا تھا۔ تب ہی وہ اسفند کی جھجک پر سوالیہ اسے دیکھ رہے تھے۔

''بھروسا نہیں ہے مجھ پر؟'' نصیر بھی آج پوری طرح تنگ کرنے پر تلا تھا۔

''نن.....نہیں.....نہیں۔'' اسفند نے گھبرا کر اپنا ہاتھ اس کی ہتھیلی پہ رکھا جس پر نصیر نے اپنی انگلیاں بند کر کے نرم سا دباؤ ڈالا۔

''تمہیں صرف زبان سے اپنا نہیں کہوں گا۔ اپنا ثابت کر کے دکھاؤں گا۔'' اس نے مبہم سا اشارہ دیتے رخ پھیر کر رئیس کو دیکھا۔

''ایک بات تم دونوں یاد رکھو، رشتوں کو مضبوط کر کے دنیا کو بتایا جاتا ہے کہ دھتکارا انہیں جاتا ہے

جنہیں پرایا کردیا جائے۔ تم لوگوں کا گھر جس حادثے کا شکار ہوا وہ صرف تمہارے گھر کا نہیں ہمارے پورے خاندان کا مشترکہ حادثہ تھا۔ کسی نے بائیکاٹ کرنا ہے تو ہم سب کا کرے۔ کیونکہ دیواریں کھڑی کرنے سے ہم ایک سے دو گھر تو ہو سکتے ہیں، خون ایک ہی رہے گا۔

چلو اُٹھو اب گھر چلو۔ اور تم کوئٹہ کب جا رہے ہو؟'' نصیر نے اٹھ کر کھڑا ہوتے رئیس کو مخاطب کیا۔

''جی میں نے وہاں کال کردی تھی۔ اسی آنے والے منڈے سے ان شاء اللہ۔'' رئیس بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہوں صحیح ہے۔'' نصیر نے کپڑے جھاڑتے اس بار اسفند کو دیکھا۔

''اور تم کیا کر رہے ہو آج کل؟''

''جی، ابھی تو کچھ نہیں، بی ایس فائنل کا رزلٹ آیا ہے پچھلے دنوں۔ کمپلیٹ ہو گیا ہے۔''

''ایم ایس کا ارادہ نہیں ہے؟'' نصیر نے جان لینا چاہا۔

''جی سوچا تو تھا۔'' وہ اٹک سا گیا۔ پہلے ہی لالہ کی باتوں نے دماغ گھما رکھا تھا۔ پتا نہیں ''اپنے پن'' کی باتوں سے کیا مراد تھی۔

''سوچ لیا ہے تو کر بھی لو۔'' وہ ہلکا سا مسکرائے۔ ''آؤ۔'' ہاتھ سے آگے چلنے کا اشارہ کیا اور رئیس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔

''یہ سمندروں کے فاصلے ہیں۔ تم نے تیر کر پار کرنے کی کوشش کی۔ ایسے حالات میں واسطے کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ ہمیں کوشش کرنے دو۔ اور پرامید رہو، جنگیں تو ملکوں اور خطوں کی بھی ختم ہوتے دیکھی اور سنی ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹا سا خاندان ہے۔''

''جی۔'' رئیس نے ہلکا سا مسکرا کر تائید کی۔ لالہ کی باتوں سے ایک عرصے بعد دل کچھ سکون میں آنے لگا تھا۔

☆☆☆

نازنین کے ہاں سے انکار آیا تھا۔ واسع چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آج تو جمیلہ بھی اداس تھیں۔ اب تو واسع نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ سب ٹھیک کردے گا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ رباب کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے کو بھی اس کے دل کی خوشی نصیب ہو جاتی۔

اور یہ انکار آنا بھی کم تعجب خیز نہیں تھا۔ وہ تو جب رشتے کی بات کرنے گئی تھیں۔ تب تو نغمہ سن کی ہی کھل اٹھی تھی۔ سب کے چہرے شاد تھے۔ پھر یہ اچانک اگلے ہی دن انکار۔ دل چاہا ایک بار اماں کو بھیج کر پھر پتا کروائے۔ انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی تھی۔ انہوں نے گھر آ کر واسع سے بات کی اور رباب چپکے سے کمرے میں بند ہو گئی۔

دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ یہ اس نے کیا کردیا تھا۔ آج سب کے چہروں پر خوشی ہوتی، سب کے دل کی مراد بر آئی تھی۔ پر یہ ذکی۔ رباب نے تکلیف سے مٹھیاں بھینچیں۔ بے بسی آج اسے اپنی جان لینے پر آمادہ کر رہی تھی۔

کاش خود کو مار لینے سے ہی اس کا بھائی اپنی خوشی پا لیتا۔ لیکن ذکی نے تو ہر راہ ہی بند کردی تھی اور آج وہ اپنی ایک بھول کا خمیازہ بھگت رہی تھی۔ دل تو چاہا ذکی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے بجائے سب کچھ صاف صاف نصیر کو بتا دے۔ لیکن..... سرے اختیار فی میں ملنے لگا۔ ہفتوں اور مہینوں بعد تو اس کا نصیر واپس لوٹا تھا۔ اب اپنی ایک اتنی سنگین غلطی کا اعتراف کر کے وہ اسے کہیں پھر سے دور نہ کر بیٹھے۔ اور اگر نصیر نے واسع کو بھی بتا دیا تو..... نہیں نہیں۔ وہ تو اور بھی خطرناک تھا۔ نصیر بچپن سے اس کی محبت تھا لیکن اب تک کے وقت میں کبھی اشارتاً بھی یہ بات واسع پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ اب بھی اماں نے بڑے سبھاؤ سے صرف نصیر کی حد تک اس پسندیدگی کا اس سے ذکر کیا تھا۔ اب بھلا ذکی والا معاملہ کیا کہہ کر واسع پہ آشکار کیا جاتا۔ اس کی بہن نصیر کی محبت میں اس حد تک جنونی اور پاگل تھی کہ اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے خود کو ذکی جیسے بندے

www.pakistanipoint.com

جال میں پھنسا بیٹھی۔

اور پھر ابھی ابھی تو باغ ان کے ہاتھوں میں واپس آیا تھا۔ اور اگر نازنین کو پانا ذکی کا کوئی بدلہ تھا تو بہت چھوٹا تھا۔ اگر کہیں یہ سارا معاملہ سب پر کھل گیا تو تو بت مرنے مارنے تک بھی۔ نہیں۔ اب تو وہ کر چکی تھی اسے پلٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ نہ ہی کسی کو رازدار بنانے سے اس میں کسی سدھار کا کوئی امکان تھا۔ ذکی کے تیور بتاتے تھے کہ وہ کھلم کھلا دشمنی پر اتر آیا ہے۔ حتیٰ کہ جبار چاچا بھی جرگے کے موقع پر ایک کھلے دشمن کے طور پر سامنے آئے تھے۔ ابھی تو ذکی نے آغاز کی اینٹ رکھی تھی، نجانے یہ سلسلہ کتنا طویل ہو جائے۔ تو کیا اس سب کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے جو ہوا اسے وہ ٹھیک سمجھے؟ رباب نے ایک مرتبہ پھر اپنی غلطی پر خود کو تھپکا لیکن نازنین کی معصوم صورت تصور میں آ کر اسے بے چین کرنے لگی۔

''میرا اس سب میں کیا قصور ہے رباب؟'' وہ سامنے کھڑی حسرت سے سوال کر رہی تھی۔ رباب کے لیے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا بڑی دیر لگی تھی اسے اپنی غلطی پر خود کو جواز اور دلیلیں گھڑ کر تسلی دلانے میں۔ لیکن نازنین کے کسی سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس سے وہ قربانی مانگ چکی تھی۔ ایسی قربانی جس کی اب اس کی محبت کو ضرورت ہی نہ تھی۔

نصیر صاف کہہ گیا تھا کہ اب بدلہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ تو مطلب اس نے ذکی کی بدلے کی آگ کو ایندھن فراہم کیا تھا۔ خود اپنے ہی بھائی کے خلاف، وہ ذکی کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑی تھی۔ اس لمحے کم از کم نازنین اور واسع کے لیے کچھ بھی کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ صرف اپنی بے بسی پر رو سکتی تھی اور وہ رو رہی تھی۔ بے تحاشا۔ ایسے وقت میں جب نصیر ملنے کی خوش خبری لیے مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھ رہا تھا، وہ مکمل طور پر خوش بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ واسع اور نازنین کی محبت کے مزار پر وہ ذکی کی خوشیوں کا محل تعمیر ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

ذکی قہقہے لگا رہا تھا۔ واسع قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا..... اور نازنین۔

☆☆☆

''ذکی کا رشتہ؟'' وہ آنکھوں میں خوف بھری حیرت لیے تڑپ کر پلٹی۔ ''ہرگز نہیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو نازنین!'' نغمہ بری طرح جھنجھلائی۔ ''پہلے واسع کے رشتے سے انکار کیا اور اب تمہیں ذکی کے لیے بھی انکار ہے، کیوں ضد پر تلی ہو۔ میں تمہاری بڑی بہن ہوں، بابا سے بات کر کے تمہارے رشتے کی ذمہ داری خود اپنے کندھوں پر اٹھائی تھی، اب دو، دو اتنے اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں اور تم انکاری ہو۔''

''مجھے یہاں سے واپس جانا ہے۔''

''یہ بھی تمہاری بے کار کی ضد کے سوا کچھ نہیں۔ خدا کے لیے نازی مجھے یہ سوچنے پر مجبور مت کرو کہ قصوروار دراصل تم خود ہو۔ آج تک جو کچھ بھی ہوا، کہیں نہ کہیں قصور تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کا بھی ہے، تم جو سوچ لیتی ہو کر کے رہتی ہو، اور یہ صرف میں نہیں یہاں موجود ہر شخص سوچے گا۔ شمیم خالہ بھی دیکھ رہی ہیں روز تمہارے لیے رشتے آ رہے ہیں۔ اور تم آگے سے انکار انکار کی رٹ لگاتے آخر ثابت کیا کرنا چاہتی ہو۔'' نغمہ بھی ایک دم غصے سے پھٹ پڑی۔

نازنین خاموش بیٹھی سے اسے سنتی رہی۔ نغمہ باجی آج شاید ذکی کے لیے ہاں کہلوا کر ہی یہاں سے جانا چاہتی تھیں۔ اور احسان تو اس کی ذات پر سب سے زیادہ نغمہ باجی کے تھے۔ تو کیا آج اسے ان احسانوں کا بدلہ چکانا تھا''

''میں ایک بار پھر کہتی ہوں نازنین۔ ذکی اور واسع میں سے کسی ایک کے لیے ہاں کہہ دو، میں یہاں ذکی کی حمایت نہیں کر رہی، مجھے واسع کا رشتہ زیادہ پسند ہے لیکن کسی ایک کے لیے تو سوچو۔''

اور اس کے لیے واسع کے رشتے کا اقرار تو

www.pakistanipoint.com

ناممکن تھا۔ وہ رباب سے وعدہ کر چکی تھی، تو کیا آج اسے بہن کے احسانوں کا بدلہ ذکی کے لیے ہاں کہہ کر چکانا تھا؟'' باجی اسے سوچ میں ڈوبا چھوڑ گئی اور وہ جانتی تھی وہ ذکی کے لیے مر کر بھی ہاں نہیں کہہ سکتی تھی۔

بابا کی کال نازنین نے فوراً ان کی کال اٹینڈ کی۔ کچھ دنوں سے نہ صرف بابا اسے کال کرنے لگے تھے بلکہ اب ان کا رویہ بھی اس کے ساتھ پہلے جیسا نہ ہوتا۔ نازنین نے کال میں نہ صرف پہل کی تھی بلکہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے معافی بھی مانگی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ باپ کی نافرمانی کر کے شاید وہ سزا پا رہی تھی، بابا اس کا برا بھی نہیں چاہ سکتے تھے۔ اس نے سمجھنے میں بھول کر دی ہوگی۔ اور کریم اللہ کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ نازنین پچھتا کر واپس آنا چاہتی تھی۔ وہ تو خاندان میں ایک مرتبہ پھر سر اٹھا کر کھڑے ہونے لائق ہو جاتا۔ اسے تو اپنوں نے ہی طعنے مار مار کر کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

دوسری شادی کے شوق میں امیر بیوہ کے بڑے سے گھر میں عیش سے جا رہنے کی خاطر اس نے بوڑھے کے ساتھ بیٹی رخصت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اب وہی بیٹی خود واپس آ کر بولنے والوں کے منہ پر طمانچہ ثابت ہو جاتی۔ کریم اللہ نے مسکرا کر کچھ دیر سوچا۔ قدسیہ امید سے تھی۔ اسے گھر میں ایک مددگار مل جاتا۔ قدسیہ اگر نازنین سے خدمت لے گی تو اس سے الگ سے رقم وصول کروں گا۔ کریم اللہ نے یہی سب کچھ سوچ کر بظاہر بڑی فراخ دلی سے نازنین کو اپنے پاس بلانے کی ہامی بھر لی تھی۔

''بابا آپ کب آئیں گے؟'' نازنین کو اپنے گھر کی پناہ گاہ کے آگے اب دنیا کا ہر کونا غیر محفوظ لگنے لگا تھا۔ وہ جہاں موجود تھی وہ اس کی بہن کا گھر اس کی سسرال تھا۔ ان لوگوں نے جتنے دن اسے اپنے ہاں رکھا، وہ بدلے میں ان کے لیے کچھ کر کے جانا چاہتی تھی۔ نہ وہ یہاں سے کسی سے خفا ہو کر جا سکتی تھی نہ کسی کا دل دکھا کر۔ ہاں ایک بس واسع۔ زندگی میں پہلی اور آخری بار دل نے کوئی من مانی کی، اور اس کا دل من مانیوں کے لیے بنا ہی نہ تھا۔ اگر یہاں کسی کو بھنک بھی پڑ جاتی کہ وہ اور واسع ایک دوسرے کو پسند کرنے کے نتیجے میں شادی کر رہے تھے تو اس سے ہمدردی کرنے والی ہر نگاہ میں اس کا کردار مشکوک ہو جاتا۔ باپ کے ظلم و زیادتی سے جان بچا کر بہن کی پناہ میں آنے والی کا ایسا روپ یہاں کس کے لیے قابل قبول ہو سکتا تھا۔ اور اگر یہی اس کے چھن تھے تو باپ اس کے ساتھ بالکل صحیح کر رہا تھا۔

''بس نازنین چار پانچ دن اور۔ تمہاری ماں کے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ چلے جائیں، تمہارا الگ کمرا سیٹ کر رہا ہوں۔ یہاں تم بہت اطمینان سے رہو گی۔''

''بابا آپ سچ مچ آئیں گے نا؟'' نازنین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ بابا کتنے پیار سے بات کر رہے تھے۔

''ہاں بچے۔ تم تیاری کرو، میں جلد آؤں گا۔''

''جی بابا، میں تو آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں۔''

وہ باقاعدہ رونے لگی۔ ذکی سے رشتہ ہونے کا خیال اس کا دل لرزانے لگتا۔ وہ واسع کی تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کے دشمن کا گھر بسا کر تاعمر اس کے معصوم دل کو چوٹ پہنچانے کا باعث بھی نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس سے اچھی تو ہمیشہ کی جدائی ہے۔ نظر سے اوجھل ہو جانا اتنا تکلیف دہ ثابت نہیں ہو سکتا جتنا کسی اور کا ہو کر ہمیشہ نظروں کے سامنے رہنے پر ہوتا ہے۔ وہ اس خاندان میں واسع کے بجائے کسی اور کی ہو کر ہرگز زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اب تو بس بابا کے ساتھ یہاں سے چلے جانے میں ہی بھلائی تھی۔ چاہے نغمہ باجی اس عمل کو نازنین کی کیسی ہی بے مروتی گردانتیں۔ وہ مجبور تھی از حد مجبور۔

☆☆☆

موبائل فون ٹھیک ہو کر کیا آیا، ذکی نے تو پیچھا

Wadar Azeem www.pakistanipoint.com

ہی لے لیا۔ رباب نے پانچویں مرتبہ بھی اس کی کال کاٹ دی۔ ذکی کا نام دیکھ کر تو اب اس کا خون کھولنے لگتا۔ اب آخر وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ نہ تو اس کی کوئی بات سننا چاہتی تھی اور نہ ہی ماننا۔

''رباب باجی، ذکی آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔'' وہ اس وقت اماں اور دادی کے ساتھ بیٹھی تھی جب باری نے موبائل سامنے کیا۔ دادی اور اماں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''نیلم کو کوئی کام ہوگا۔'' اس نے گھبرا کر وضاحت دیتے موبائل ہاتھ میں لیا۔ اب تو کال کاٹنا بھی ممکن نہیں تھا۔

''ہیلو۔'' رباب ہکلائی اور کمرے کا رخ کیا۔

''کیوں رباب بی بی۔ اب تو کال ہی اٹینڈ کرنا چھوڑ دی۔ لگتا ہے اگلی کال واسع کو ملانی پڑے گی۔'' ذکی ہنس کر چڑا رہا تھا۔

''کچھ تو خوف خدا کرو ذکی! بھائی بننے کا ڈھونگ کر کے تم پہلے ہی مجھے بہت بری طرح پھنسا چکے ہو۔ اب اگر تم نے مجھے مزید بلیک میل کیا تو سچ کہتی ہوں تمہارے بتانے سے پہلے میں واسع کو بتا دوں گی۔'' وہ تیز تنفس کے ساتھ بولتی چلی گئی۔

''مجھے نازنین نے انکار بھیجا ہے رباب۔ اور میں اس وقت دنیا نہس نہس کرنے کے موڈ میں ہوں۔ میرے سامنے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کی تو وہ حال کروں گا کہ یاد رکھو گے تم سب۔''

''بس کرو ذکی!'' رباب دبا دبا چلا اٹھی۔ ''تم میری کمزوریوں سے جتنا فائدہ اٹھانا تھا اٹھا چکے، اب میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔'' رباب کے دل کو نازنین کے انکار پر ایک گونہ سکون محسوس ہوا۔ اس ذکی کے ساتھ تو بہت اچھا ہوا تھا۔

''پلیز رباب! بس ایک آخری بار نازنین کے پاس چلی جاؤ، اس سے انکار کی وجہ پوچھو، آخر کیا کمی ہے میرے رشتے میں، اسے قائل کرنے کی کوشش کرو۔ میں اسے دنیا کی ہر خوشی دینے کو تیار ہوں، بس ایک بار وہ ہاں کہہ دے۔'' ذکی باقاعدہ منتوں پر اتر آیا۔

''اب اس میں، میں کچھ نہیں کر سکتی ذکی! تمہارا کہا مان کر اسے اپنی مجبوری بتا آئی تھی۔ اس نے واسع کو انکار بھی کر دیا لیکن تمہیں وہ کیوں انکار کر رہی ہے۔ یہ تم جانو اور ویسے بھی اب تو وہ کوئٹہ واپس جا رہی ہے۔'' رباب کو یاد آیا، صبح پشمینہ دادی کو بتا رہی تھی۔

''کوئٹہ..... کب.....؟'' ذکی ایک دم چونکا۔

''سنا تو یہی ہے کہ اب وہ وہیں رہے گی۔''

''تو تم میرا کام نہیں کرو گی؟'' ذکی نے جان لینا چاہا۔

''ہرگز نہیں، تمہارا جو دل چاہے کرو، اب مجھے کسی کا ڈر نہیں۔'' رباب نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس بار اپنے ضمیر کا ساتھ دیا، جو گزشتہ چند روز سے بری طرح اسے بے چین کر رہا تھا۔

☆☆☆

''ارے تم..... آج.....؟'' واسع نے مسکراتے ہوئے ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا اور رک کر جیسے دن کے متعلق سوچا۔ نصیر نے ہنس کر اس کا ہاتھ دبایا۔

''ہاں، آج بدھ ہے۔ بس اب ایک روز چھوڑ کر گھر آجایا کروں گا۔ وہاں فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے یہاں کچھ کام کر لیے جائیں۔''

''اچھا۔ کوئی خاص مشن ہے۔ آؤ بیٹھو۔'' واسع اس کے لیے جگہ بناتے خود بھی سامنے بیٹھ گیا۔

''مجھ سے پوچھ رہے ہو۔'' نصیر نے مسکرا کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ ''آغاز تو تم نے کرنا تھا۔''

''ہوں۔'' واسع نے انگلی سوچنے کے انداز میں لبوں پر رکھی، پھر جیسے ہی بات سمجھ میں آئی پھیکا سا ہنس کر سر جھٹکا۔

''آغاز کچھ اچھا نہیں ہوا، شاید تمہیں پلان تبدیل کرنا پڑے۔'' واسع کے ذہن میں نازنین کے انکار کا خیال جب بھی ابھرا، دل میں درد کی لہر سی اٹھی

''اللہ خیر۔ کیا ہوا؟'' نصیر بیٹھتے بیٹھتے رک

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

گیا۔

"بیٹھو بتاتا ہوں۔" واسع کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

"بتاؤ یار! ٹینشن ہو رہی ہے۔"

"وہاں تو انکار ہو گیا، نغمہ بھابی کی طرف۔"

"اوہ۔ وہ کیوں؟" نصیر کے لیے یہ بات ازحد بے یقینی کا باعث تھی، کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے باہمی رضامندی کا منظر دیکھ چکا تھا۔

"معلوم نہیں۔" واسع نے بے پروائی کا تاثر دیا۔ "چلو اس کو چھوڑو، آگے کے متعلق کیا سوچتے ہو، ہمارے مشن میں اور بھی بہت لوگ شامل ہیں۔ اتنی سی بات پر پیچھے تو نہیں ہٹا جا سکتا۔"

"اتنی سی بات تو یہ بھی نہیں ہے۔" نصیر نے پریشانی سے لب چبائے، پہلے ہی مرحلے پر یہ کیسی خبر سننے کو ملی تھی۔

"چلو اب چھوڑو بھی۔ بات کو شاید یہاں سے شروع ہونا ہی نہیں تھا۔ ہم پہلا فوکس رئیس کے معاملے پر کرتے ہیں۔" واسع کے لیے موضوع بنتا بیک وقت شرمندگی اور تکلیف کا باعث تھا۔ اس نے نصیر کی توجہ تبدیل کرنے کی کوشش کی اور نصیر بھی جیسے سمجھ گیا۔

"ہاں۔ میں بھی رئیس کے معاملے کو اس وقت زیادہ اہم سمجھ رہا ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے اس معاملے میں سیف لالہ کو کنوینس کرنے کے لیے پہلے ہمیں ایک اور کام کرنا ہو گا۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"دراصل اماں نے مجھ سے ایک بات کہی، وہ جبار ماما کی طرف سے انکار کے بعد اب بدلئی کا ٹوکرا لیے تمہارے جانا چاہتی ہیں۔"

"اوہ۔" واسع نے لب سیٹی کے انداز میں سکیڑے۔ آنکھیں پریشانی سے پھیل گئیں۔ نصیر نے ہنس کر اس کی حالت دیکھی۔

"اور یہ تو ہم طے کیے بیٹھے ہیں کہ اب کم از کم ادلہ بدلی بالکل نہیں۔"

"ہاں چاہے میری محبوبہ مجھے دغا دے جائے۔" واسع نے بے ساختہ جملہ پھینکا اور نصیر نے قہقہہ لگایا۔

"بالکل، بدلئی کے آپشن پر واپسی اب ناممکن ہے۔ اس لیے ڈیئر برادر، اس سے چھٹکارے کے لیے میرے پاس ایک اور حل ہے۔"

"جی ارشاد۔"

"اب میں زمرد کا رشتہ اپنا رشتہ ہونے سے پہلے ایک ایسی جگہ کر دوں گا جہاں بدلئی کا امکان نہ۔"

"گریٹ۔" واسع نے سمجھ کر سر ہلایا۔ "لیکن ایسا کہاں۔" وہ سوچنے لگا، کوئی ایسا گھر، جس میں لڑکے تو ہوں، لڑکی کوئی نہ ہو۔

"اسفند۔" نصیر فوراً صاف بتا دیا۔

"اس...... فند......" واسع نے تعجب سے زیر لب دوہرایا، ذہن نے سوچنے کے لیے کچھ وقت لیا اور پھر چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔

"مطلب، اسی گھر میں بہن کا رشتہ طے کر کے سیف لالہ پر یہ ثابت کرنا کہ ہمارے نزدیک وہ دھتکارے ہوئے نہیں ہیں۔"

"ہوں۔ سمجھ دار تو ہیں وکیل صاحب۔" نصیر نے ہنس کر تائید کی۔

"لیکن گلشن پھوپھو اور تمہارے بابا۔ مطلب ان کو منانا آسان ہو گا کیا؟"

"کسی حد تک سمجھ لو کہ ہاں۔ اصل میں جبار ماما کی طرف سے انکار کے بعد ان کے اعتماد میں بھی کمی آئی ہے، کوشش بھرپور کروں گا۔ بس ایک کام مزید کرنا ہے۔"

"ہاں کہو۔"

"مجیب ماما سے بات کرنی ہے۔ تمہارے ساتھ ہی ان کے پاس جاؤں گا۔ انہیں ساری سچویشن سمجھا کر رشتہ لانے کا کہوں گا۔ ظاہر ہے وہ لڑکے والے ہیں۔ ان ہی کو آنا ہو گا۔"

"اللہ تمہیں سرخرو فرمائے۔ بڑا کام کر رہے ہو۔ میرے تو سچی بات ہے زبانی کلامی مشورے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہوتے ہیں۔ اصل بیڑا تو تم نے اٹھایا ہے۔'' واسع نے بڑے دل سے بڑی قدردانی سے تعریف کی۔

''وکیل کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔'' نصیر نے چھیڑا۔ ''ابھی یہ احسان کیا کم ہے کہ بنا فیس کے مشورے دیتے ہو۔'' وہ ہنسا اور واسع نے مکا دکھایا۔

''یار میں نغمہ بھابی سے بات کروں، پتا تو چلے آخر۔''

''نہیں، رہنے دو۔'' واسع کا موڈ بدلا۔ وہ نصیر کو نہیں بتا سکتا تھا کہ انکار سے زیادہ تکلیف اسے نازنین کے رویے سے تھی۔ اس کی اماں کو شمیم چاچی نے بتایا تھا کہ انکار نازنین نے کیا تھا۔ اور اب اگر واسع کو کسی سے کچھ جاننا ہی تھا تو وہ نازنین خود تھی۔ وہی بتا سکتی تھی کہ اقرار کر لینے کے بعد یہ انکار کیوں۔

☆☆☆

''نصیر کو سمجھائیں خان۔ اب یہ کیا بچگانہ باتیں چھیڑے بیٹھا ہے۔ خدا عقل دے اس کو۔'' گلشن نے ماتھا پیٹا۔ ''میں تو واسع کی وجہ سے یہاں بدلی کے لیے تیار ہوئی تھی، ورنہ اس رباب میں کون سے ہیرے جڑے ہیں۔ واسع کے باغ کی خاطر حامی بھری اور اب یہ کہتا ہے صرف ایک رشتہ ہوگا۔''

''باغ تو مجیب بھائی کا بھی ہے۔'' خلیل نے طنزیہ بیوی کی طرف دیکھا تو گلشن کی مزید آنکھیں پھیلیں۔

''آپ بھی نصیر کے حمایتی بن بیٹھے۔ ارے باغ کو چھوڑیں جو زمانہ تھوکرے گا۔ ہماری بیٹی کے لیے کیا یہی گھر رہ گیا تھا۔''

''اور جو تمہارے بھائی کی وجہ سے مجھ پر تھوتھو ہو رہی ہے۔ ان سب کی زبانیں کیا تم بند کرواؤ گی؟'' خلیل صافہ جھاڑتے ہوئے غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گلشن تعجب سے دیکھے گئیں۔ اب یہ کیا کہہ رہے تھے۔

''قرآن پہ ہاتھ رکھ کر سچ کا ساتھ دیا اور وہ تمہارا بھائی ہر آنے جانے والے میں مشہور کر رہا ہے کہ خلیل نے جھوٹی قسم کھائی۔ اتنی بھی شرم نہیں آئی تمہارے بھائی کو کہ مجھے جھوٹا کہنے سے پہلے تمہارا ہی سوچ لیتا۔ یعنی میں قرآن پہ ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھاتا ہوں اور اب اس کی بہن کے ساتھ حرام کی زندگی جی رہا ہوں۔'' خلیل کے اندر تو نجانے کتنے دنوں کا غصہ بھرا تھا۔ گلشن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں صدمے سے پھیلیں اور ہاتھ بے اختیار منہ پہ رکھ دیا۔

''یہ سب باتیں جبار لالہ پھیلا رہے ہیں۔ آپ کے بارے میں۔ ارے خان پر آپ نے تو سچی قسم کھائی تھی۔ اور اگر آپ کی قسم جھوٹی تھی تو جبار لالہ مولوی صاحب کی قسم کے بارے میں کیا کہیں گے۔'' اُن کے متعلق گاؤں والوں کو کیا۔

''ہاں۔'' خلیل تاسف سے سر ہلا رہے تھے۔

''اب یہ بھی سنتی جاؤ۔ گاؤں کے کسی بندے نے یہی تمہارے والا سوال کر دیا تو معلوم ہے کیا کہتے ہیں۔ کہتے ہیں مولوی صاحب کو اصل بات کا پتا نہیں تھا۔ لالہ حبیب الرحمن (واسع کے والد) نے پہلے پانچ لاکھ کے عوض باغ گروی رکھوایا، پھر مزید رقم کی ضرورت پڑی تو ہفتے بعد دس لاکھ نزید لے کر باغ ہی بیچ گئے۔ لیکن مولوی صاحب اس پہلی پانچ لاکھ والی ملاقات کی شہادت دے کر چلے گئے۔ مزید کہتے ہیں کہ میں تو مرحوم بھائی کے یتیم بچے سمجھ کر چپ چاپ دست بردار ہو گیا۔

''وئی خدایا۔'' گلشن تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، جبار لالہ ایک باغ کے معاملے کو اتنی گہری سنجیدگی سے لیے بیٹھے ہیں۔

''تو خان، اب تو ضرور نصیر کو بدلی کے لیے راضی کریں۔ ذرا ہم بھی دکھائیں، لالہ اور ذکی کو تو خوب ہی آگ لگے گی جب ہم ان کے دشمنوں میں رشتے کریں گے۔ اب تو میرا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہوگا، گلشن نے تہیہ عزم باندھا اور خلیل نے نہایت افسوس سے بیوی کو دیکھا۔

''ہونا اپنے بھائی کی اصلی والی بہن۔ ارے

ناسمجھ، بے وقوف عورت، اللہ پاک اولاد بدلوں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے نہیں دیتا۔ میں نے جتنے سال خاموش رہ کر تمہارے بھائی کا ساتھ دیا، آج تمہارے بھائی کی بیان بازیاں مجھے اس وفاداری پہ نادم ہونے پہ مجبور کررہی ہیں۔ لیکن میں جھوٹی قسم کھا کر ان کا ساتھ دیتا، تو لعنت ہوتی میرے مسلمان ہونے پر، اور اللہ کے سچے کلام پر ایمان رکھنے پر بھی۔'' وہ غصے سے ایک دم پھٹ پڑے اور دروازے میں کھڑے نصیر نے کمسکرا کر باپ کا یہ روپ دیکھا۔ برائی کے بوجھ تلے اچھائی عارضی طور پر دب ضرور جاتی ہے۔ مرتی کبھی نہیں۔ وہ ماں سے پھر کسی وقت بحث کرنے کا ارادہ کرتے وہیں سے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

''مس نازنین! یہ ایک بچہ کوئی رقعہ لایا ہے۔'' مس زوبیہ ایک بچے کی انگلی پکڑے اس کے قریب لائیں تو نازنین نے چونک کر سر اٹھایا۔ بچہ ایک بند لفافہ لیے اسے تک رہا تھا، نازنین نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن کچھ نہیں لکھا تھا۔ مس زوبیہ بچے کو اس کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

''یہ تمہیں کس نے دیا؟'' نازنین نے لفافہ کھولتے حیرت سے بچے کو دیکھا۔

''باہر ایک برقعے والی عورت آئی۔'' یہ کاغذ آپ کو دینے کا کہا اور چلی گئی۔

''اچھا'' نازنین نے حیرت دباتے فولڈ کیا ہوا پیپر کھولا۔

''پیاری نازنین!''

''تمہارا انکار بھی میری زندگی میں کوئی خوشی نہ لاسکا، واسع تمہارے علاوہ کسی سے شادی کرنے کو تیار نہیں۔ مجھے اب زندگی سے کچھ اچھی امید نہیں۔'' نصیر کے علاوہ میں جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس لیے گھاٹی کی طرف جارہی ہوں۔ وہاں کی سب سے اونچی چوٹی سے جان دے کر ہمیشہ کے لیے اس زندگی سے چھٹکارا پارہی ہوں۔

''تم سب کی گناہ گار رباب!''

''اوہ۔'' نازنین گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پریشان کن نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھا۔ وہ اس وقت اسکول کے صحن میں بیٹھی بچوں کی کاپیاں چیک کررہی تھی۔ گاؤں کی چھوٹی دیواروں والے اس اسکول سے گاؤں کا چاروں طرف کا نظارا باآسانی کیا جاسکتا تھا۔ چھوٹے سے اس گاؤں میں نہ شہروں جیسی عمارتیں تھیں نہ اونچے بڑے گھر۔ پہاڑوں کا نظارا بہت ہی آسان تھا۔ اس نے رک کر کچھ دیر غور کیا۔ گھبراہٹ اگرچہ پسینہ بن کر ہتھیلیوں سے پھوٹ رہی تھی لیکن اس وقت گھبرانے سے نہیں ہمت سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ رباب کی جان خطرے میں تھی۔ وہ جلدی سے میڈم کے پاس آئی۔

''میڈم وہ گھر سے رقعہ آیا ہے، میری باجی کی طبیعت کچھ خراب ہے، کیا میں گھر چلی جاؤں؟''

''اوہ۔ نازنین!'' میڈم عذرا نے نازنین کی پریشان صورت کو ہمدردی سے دیکھا۔

''چلی جائیں۔ ویسے بھی چھٹی ہونے میں اب زیادہ ٹائم نہیں رہتا۔'' انہوں نے اجازت دی ار نازنین نے واپس آکر جلدی جلدی اپنی چادر پرس سنبھالے اور ایک خیال آنے پر مس زوبیہ کے پاس آکررکی۔

''زوبیہ! یہ گھاٹی بھی ان ہی پہاڑوں میں کہیں ہے؟'' اس نے اردگرد دکھائی دیتے پہاڑوں پر نظر ڈالی اور زوبیہ ہنس پڑی۔

''تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔ ارے بھئی یہ سب سے قریب دکھائی دیتی پہاڑی ہے نا۔ اسی جگہ کو یہاں گھاٹی کہتے ہیں۔ زوبیہ بات کرتے ہوئے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''وہ پہاڑی کے پاس درختوں کا جھنڈ دیکھتی ہو، اس نے بازو اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا۔ بس اسی کے ساتھ ساتھ چلتے بندہ گھاٹی میں داخل ہوجاتا ہے۔ پکنک کے لیے بڑی پیاری جگہ ہے۔''

''ہاں صحیح۔ میں نے بھی اپنی کزنز سے پکنک کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

باتوں میں سنا۔'' وہ چادر اوڑھ کر جلدی سے باہر نکل آئی۔ زوبیہ سے بات کرنے تک بھی اس کا یہی ارادہ تھا کہ وہ پہلے گھر جائے گی اور نغمہ باجی کو ساری بات بتا کر ان سے ہیلپ مانگے گی۔ لیکن زوبیہ کے سامنے اشارہ کرنے پر سکول سے باہر آتے ہی وہ مخمصے میں پڑ گئی۔ کیونکہ گھر اب کافی فاصلے پر اور گھاٹی بالکل سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ معاملہ بھی رباب کی جان کا تھا۔ کیا گھر جا کر وقت ضائع کرنا اس وقت مناسب فیصلہ تھا؟ اس نے پریشانی سے لب چباتے بس کچھ ہی وقت لیا سوچنے میں اور رباب کی زندگی کی فکر کرتے اس راستے کی طرف مڑ گئی جو گھاٹی جاتا تھا۔

اونچے نیچے پتھریلے راستوں پر وہ گھبرائی ہوئی سی آگے بڑھنے لگی۔ پہاڑ کی نزدیکی بھی بس آنکھ کا دھوکا ہوتی ہے۔ کہنے کو نزدیک، پر چلتے جاؤ تو آگے ہی آگے کو سرکتی۔ چلتے چلتے نازنین کا سانس پھول گیا۔ لیکن اب رباب کو بچا لینے کی فکر ان جنبی راستوں پر حاوی ہو چکی تھی۔ جلد ہی وہ پہاڑ کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ درختوں کے جھنڈ کے ساتھ ایک پتھریلا راستہ درے نما جگہ کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا پہاڑوں کے درمیان قدرتی گھاٹی سی بن گئی ہے۔ نازنین نے وہیں کھڑے کھڑے نقشے کو دھیان سے دیکھا، اور اندازہ لگایا کہ اگر رباب کا ارادہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کا تھا تو وہ بجائے بیرونی طرف سے اوپر چڑھنے کے درے کے اندر کی طرف سے چڑھی ہوگی، کیونکہ یہاں سے چڑھنے پر اوروں کے دیکھ لینے کا خدشہ تھا۔ وہ بھی یہی سوچ کر درے کے راستے پر آگے بڑھنے لگی۔ دل ہی دل میں یہ دعا کرتی کہ کاش وہ رباب کو صحیح سلامت بچانے میں کامیاب ہو جائے۔ ایک دل چاہا رباب کو اونچی آواز دے لیکن ایسے ویرانے میں لڑکی ہوتے ہوئے ہمت نہیں پائی کہ اس لیے درے میں چلتے چلتے گھاٹی میں آنکلی، یہ جگہ بلاشبہ بہت خوب صورت قدرتی پکنک اسپاٹ تھا۔

تھی تو یہ بھی اونچی نیچی دشوار گزار جگہ لیکن یہاں پہاڑوں کا سایہ تھا، گھنے درخت تھے۔ اور کچھ سخت پتھریلی جگہوں پر پرانی قالینوں کے ٹکڑے بیٹھنے کے لیے بچھائے گئے تھے۔ شاید یہاں مردوں کی نشستیں جما کرتی ہوں گی۔ ان علاقوں میں رات کو اکثر خاص مواقع پر مردوں کی محفلیں جمنا یہاں کی روایت کا حصہ تھا۔ کبھی سردیوں کی راتوں میں آگ جلا کر بکرے بھوننے، گانوں کی محفلیں سجانے تو کبھی گرمیوں کی راتوں میں ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہونے قہوہ پینے کے لیے وہ حیرانی سے اس جگہ کو دیکھتی کچھ آگے آئی اور اوپر پہاڑوں کی اونچائی کو دیکھا، رباب تو کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ پانچ چھ درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر ذرا آگے آئی تو ٹھٹھک کر رکی۔ سامنے علاقائی ٹوپی اور واسکٹ پہنے ایک مرد کی پیٹھ نظر آئی۔ آف وائٹ ٹوپی، سفید قمیص شلوار اور کالی واسکٹ پہنے وہ مرد موبائل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ آواز بھی کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ نازنین کا دل مارے خوف کے زور زور سے دھڑکنے لگا۔ رباب تک پہنچ جانے کی لگن میں اس نے اب تک کسی اور سے سامنا ہو جانے کے متعلق نہیں سوچا تھا۔

''رباب! میرے گھر آنے تک اسے کہیں جانے مت دینا۔'' مرد نے بھاری آواز میں کہتے آہٹ پر چونک کر رخ پھیرا۔

''آ..... آپ.....'' نازنین ہاتھ منہ پہ رکھے بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

''نازنین۔'' وہ چند قدم آگے آیا۔

''واسع آپ یہاں؟'' نازنین کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ رباب کا رقعہ آنکھوں کے آگے چکرانے لگا۔ یہاں رباب نہیں تھی لیکن واسع تھا۔ اس ویرانے میں، گاؤں سے دور، اس کے بالکل روبرو۔ اور وہ خود۔ نازنین کا گھبراہٹ سے صحیح معنوں میں حلق خشک ہوا۔ وہ اپنے اسکول سے نکل کر بنا سوچے سمجھے ایک انجان رستے پر کسی کی ہمدردی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں آن پھنسی تھی۔ لیکن شاید۔ نازنین کا ایک سوچ نے ذرا سا من ہلکا کیا۔ کہ شاید واسع بھی بہن کے یہاں پہنچنے کی اطلاع پر آیا ہو۔ لیکن پھر وہ موبائل پر۔

''آپ یہاں کیسے؟'' واسع حیرت سے کہتے اس کے قریب آیا۔ دوسری نظر میں ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ بالکل اکیلی تھی۔ اگرچہ وہ بڑی سی کالی چادر میں لپٹی، ناک تک چہرا ڈھانپے ہوئے تھی لیکن واسع سے ان آنکھوں کی پہلی پہچان اسی نقاب میں ہی ہوئی تھی اس لیے وہ بھول نہیں کرسکتا تھا۔

''آپ فون پر رباب سے بات کررہے تھے؟'' نازنین نے واسع اس کا نام سنا تھا اور تب سے بری طرح حواس باختہ تھی۔

''موبائل فون پر۔'' واسع بھی شاید حیرت کے غوطے سے ابھی باہر نہیں نکلا تھا۔ ''آں ہاں۔ اسی سے۔ لیکن آپ.....''

''وہ کہاں ہے اس وقت؟'' نازنین کا دل ڈوبنے سا لگا۔

''رباب تو گھر پر ہے۔''

''تت.....تو..... مجھے آپ نے یہاں بلوایا ہے؟'' وہ حیرت بھرے صدمے سے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی، پیر پتھر سے غیر متوازن ہوا اور اس نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا۔ واسع مدد کرنے کو بے اختیار سی تھوڑا آگے آیا۔ ناک پر ٹکی نقاب بھی ٹھوکر لگنے سے نیچے گر گئی۔

واسع نے اس کے سنبھلنے پر اپنے قدم وہیں روکے اور اب سر اٹھائے وہ خالی خالی نظریں لیے اس پراسرار گھاٹی کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں ایک سنا سنا سا منظر باقاعدہ فلم جیسا چلنے لگا تھا۔ صبح کی اذانوں کے قریب۔ یہ وہی گھاٹی تھی جہاں اس سے قبل تقدیر نے احمد اور نگینہ کو پھنسایا تھا۔ اور آج۔ اس نے حال میں واپس آتے سامنے دیکھا۔ نازنین سوال پوچھ کر اب اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اور ایک ڈرا دینے والا خیال واسع کے اعصاب پر اس لمحے پہاڑ جیسا بھاری پن لیے اُترا۔

☆☆☆

''ہیلو نصیر بیٹا۔'' گلشن نے کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

''جی اماں۔ خیریت؟'' نصیر ابھی ابھی چھٹی ہونے پر آفس سے نکلا تھا۔ ماں کی بے وقت کال پر کچھ حیران ہوا۔

''آج گھر تو آرہے ہو نا؟''

''جی، گھر کے لیے ہی نکل رہا ہوں۔ کیا ہوا؟''

''ارے بس تسلی کررہی تھی۔ آج تم آؤ تو تمہاری جمیلہ مامی کی طرف چلتے ہیں۔ میں تو تیار بیٹھی ہوں بیٹا۔ آج رشتے کی بات کرآتے ہیں نا۔'' گلشن نے نصیر کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہا لیکن ماں کا جوش نصیر کو خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا رشتے سے ان کی کیا مراد تھی۔

''میں گھر آجاؤں پھر بات کرتے ہیں؟ وہ سنجیدہ ہوا۔''

''بات کیا کرنی ہے، بس تیاری کرکے نکل چلیں گے۔''

''میرا انتظار کرلیں۔'' نصیر کو ایک گونہ خوشی محسوس ہوئی کہ وہ گھر کے لیے ہی نکل رہا تھا، ورنہ اماں تو اس کے آنے کی زحمت بھی نہ کرتیں اور چل پڑتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زمردار واسع کی بات کرنے بھی۔

''ہاں ہاں۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔'' گلشن کی سوئی اپنی منصوبہ بندی پر ہی اڑی تھی۔ نصیر نے بنا بحث میں پڑے کال آف کردی۔ ان سے تو آمنے سامنے ہی نمٹا جاسکتا تھا۔

''دیکھتی ہوں کیسے نہیں مانتا میری بات۔'' وہ مسکرا کر خوشی خوشی کمرے میں داخل ہوئیں لیکن ٹھٹھک کر قدموں کو روکا۔ سامنے زمرد بندھے ہاتھ بھیگی آنکھیں لیے ماں کو تک رہی تھی۔

''ائے گلے۔ تمہیں کیا ہوا۔'' گلشن نے زمرد کے بندھے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کی روشن چمکتی آنکھوں میں آنسو۔ گلشن کا دل ڈوبنے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لگا۔ زمرد نے ماں کے ہاتھوں پہ اپنے گرم کپکپاتے ہاتھ کھولے تو سونے کی بھاری خوب صورت بالیاں گلشن کی ہتھیلی پہ آگریں۔

''یہ..... کیا ہے؟'' گلشن نے حیرت سے بالیوں کو پھر زمرد کو دیکھا۔

''لالہ کی بات مان لیں اماں۔'' وہ نظریں نیچی کیے بس اتنا ہی کہہ پائی۔

''نصیر کی بات؟'' گلشن تعجب سے سوچ میں پڑ گئی۔ نصیر نے تو پچھلے روز ان سے زمرد اور اسفند کے رشتے کی بات کی تھی جس پر وہ خوب بگڑی تھیں۔ نگینہ والے واقعے کے بعد وہ مجیب بھائی کے ہاں کسی قسم کا رشتہ جوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ ان کے گھرانے کو اب یہاں عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہی کون تھا۔ لیکن یہاں تو نصیر کے ساتھ ساتھ شوہر بھی چار سنا کر چلا گیا تھا۔ بقول خلیل۔ اب تو جھوٹی قسم کا الزام لگا کر جبار نے بھی انہیں کہاں کسی کے سامنے سر اٹھا کر جینے لائق چھوڑا تھا۔ ''لیکن یہ زمرد۔''

''کس کی بالیاں ہیں۔ تمہارے پاس کیسے آئیں؟'' گلشن حیران حیران سی بیٹی کی شکل دیکھ رہی تھیں، زمرد نے سر جھکا لیا۔

''سلطانہ مامی نے دی تھیں مجھے۔''

''بھابی نے۔'' وہ بالیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ ''لیکن کیوں۔ کب؟'' لیکن زمرد نے جواب نہیں دیا تو گلشن سوچ میں پڑ گئی۔ ''کہیں یہ اسفند نے تو نہیں دیں؟ انداز تفتیشی سا تھا۔

''نہیں نہیں۔ سچی مامی نے ہی دیے ہیں۔ آپ پوچھ لیں بے شک۔'' وہ گھبرا کر صفائی دینے لگی۔

''لیکن تم نصیر کی بات ماننے کا کہہ رہی تھیں۔ مطلب دیئے تو ''اسی'' وجہ سے ہیں نا۔'' زمرد پھر سر جھکا کر رہ گئی۔ اب بھلا کیا شک رہ گیا تھا۔

ایک بس میری ہی کوئی نہیں سنتا اس گھر میں، جسے دیکھو من مانی پہ تلا ہے۔ وہ زمرد کے آگے بظاہر خفگی کا تاثر دیتے باہر کو پلٹ گئیں۔ توجہ البتہ ابھی تک ہاتھ پہ دھری بالیوں پر تھی۔ ہاتھ سے تول کر دوبارہ وزن ناپا۔

یہ سلطانہ بھابی بھی بالکل سیدھی نکلیں۔ کمال ہے اتنی بھاری سونے کی بالیاں، یونہی چپکے سے زمرد کو تھما دیں۔ ابھی تو ہماری طرف سے اشارہ تک نہیں ملا۔

☆☆☆

واسع نے بولنے کے لیے منہ کھولا اور اس کا منہ بنا کچھ کہے کھلا ہی رہ گیا۔ درے کی جانب سے تیز بھاری قدموں کی آوازیں ایک دم ہی ان کے سر پر پہنچی تھیں۔ آنے والے پانچ مردوں نے ٹھٹک کر نازنین اور واسع کو دیکھا اور پھر درے کی مخالف سمت سے تین اور مرد وہاں پہنچے۔ وہ بھی کچھ فاصلے پر آکر رکے اور پھر پہاڑ کی چوٹی سے ایک بلند آواز۔ واسع نے سر اٹھایا۔ چوٹی سے چند مزید مردوں نے پہلے جھانکا پھر ایک نے ہانک لگائی۔

''کون ہے وہاں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ملا جلا سا شور سنائی دیا اور پھر اولوں کی برسات جیسے ایک کے بعد ایک چہار جانب سے جملے برسنا شروع ہوئے۔ نہ کسی نے سوال کیا نہ رعایت دی، نہ صفائی۔

''ہمارے گاؤں کا ماحول ایسا کب سے ہوگیا۔''

''ارے یہ کس گھر کی عورت ادھر ویرانے میں منہ کالا کرنے آیا۔''

''لڑکے کو پکڑ لو نوروز خان۔''

''ائے یہ تو خان عبدالرحمن کا بھتیجا ہے۔''

''پڑھا لکھا وکیل۔ شہر کا پارک سمجھا ہے کیا۔''

''کس کی لڑکی بھگا رہے تھے خانا۔''

''دونوں کو پکڑ لو۔''

''آوازیں تھیں یا نشتر۔'' نازنین کی آنکھوں کے آگے تینوں پہاڑ گول گول چکر کھانے لگے۔ ذہن کے پردے پر تاریکی کے بڑھتے سایے، قریب آتا شور۔ اور یک لخت سب کچھ تھم گیا۔ وہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بے ہوش ہوکر گر پڑی تھی۔ البتہ ساتھ چھوڑتے اعصاب، اور اندھیرے میں گم ہوتی سوچوں میں آخری خیال بس ایک ہی تھا۔

''واسع نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ کیا ایک انکار کی اتنی بڑی سزا ہوسکتی ہے؟''

☆☆☆

''اسی دن کے لیے بچالائی تھیں بہن کو؟ اس روز اگر شادی ہوجانے دی ہوتی اس کی تو آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔ اس کی خاطر باپ کی زمانے میں ناک کٹوائی، اب لے چلیں ہمدردی کرنے کا صلہ؟'' کریم اللہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑا اونچی آواز میں نغمہ کو کوس رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ کوئٹہ سے مسلم باغ پہنچا تھا۔ تو یہی کرتوت دکھانے کے لیے نازنین نے بلایا تھا۔

عبدالرحمٰن کے گھر میں موت سی خاموشی چھائی تھی۔ ادھر گھاٹی میں جب وہ بے ہوش ہوکر گری تو اس کا پرس کھنگال کر اس کی شناخت کرتے عبدالرحمٰن کے گھر فون کیا گیا۔ واسع کو پہلے ہی پکڑ کرا جان کے روبرو پیش کردیا گیا تھا۔ سیف ہی گھاٹی پہ جاکر نازنین کو ہوش میں لاتے گھر لے آیا تھا۔ اس وقت تک ٹھیک سے اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے۔ معلوم ہوجاتا تو شاید وہ زندہ گھر واپس نہ آتی۔ اور جب گھر لایا گیا تب تک عبدالرحمٰن کو علم ہوچکا تھا کہ واسع اور ان کے گھر کی ایک بچی گاؤں سے دور ویرانے میں ایک دوسرے سے ملاقات کررہے تھے یا شاید بھاگ رہے تھے۔ اور یہ جاننا تو اب ان کا کام تھا۔ کیونکہ گاؤں والوں کے نزدیک گاؤں کے اچھے اور شریفانہ ماحول کو خراب کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔

عبدالرحمٰن کے لیے یہ نازنین کے منفی رویے کا دوسرا ثبوت تھا۔ اس سے قبل وہ پشینہ اور رئیس کی چھت والی ملاقات میں ملوث پائی گئی کیونکہ موبائل فون اس کا استعمال ہوا تھا۔ لیکن یہ دوسرا جھٹکا بہت بڑا اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ کیونکہ پچھلا معاملہ گھر میں ہی رہ گیا تھا پر اب تو گاؤں بھر میں ان کی عزت کی دھجیاں اُڑ رہی تھیں۔ جرگے میں معتبر حیثیت کے مالک عبدالرحمٰن نے آخری بار قریب سات سال پہلے چھوٹے بھائی کی بچی نگینہ والے حادثے میں ایسی تکلیف محسوس کی تھی اور انہیں لگا ابھی تو اس زخم کے گھرنڈ بھی تازہ تھے۔ اور اب۔ گھر میں مہمان کی حیثیت سے آئی ایک لڑکی جسے کتنی محبت اور کیسی ہمدردی کے لائق جانتے پناہ دی تھی۔ کیا بھروسا کرنا ان کی بھول تھی۔ یا ہمدردی جتانا۔ گھر سے اسکول جانے کا کہہ کر نکلنے والی، بجائے اسکول کے درے کی تنہائی میں ایک غیر مرد کے ساتھ پائی جائے تو گاؤں والوں کا غصے میں آنا جائز لگتا ہے۔ سات برس پہلے بھی اسی گھر خاندان کی لڑکی نے گاؤں کی غیرت کا خون کیا تھا۔ اور آج..... انہوں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ کریم اللہ کے اشتعال میں بدستور کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک اسی تندی سے نغمہ اور نازنین پر برس رہا تھا۔

''گھر آپ کا ہے رحمٰن لالہ۔ لیکن اولاد تو میری ہے نا۔ بس ایک خون کرنے کا اختیار دے دیں۔ اسے تو آج یہیں دفن کرکے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر نہیں تو میں کہتا ہوں، پہلا حق اب مجھ سے زیادہ آپ کا ہے۔ بہنوں آپ کا نمک کھا کر ایسی نمک حرامی کی سزا بھی آپ کی طرف سے بنتی ہے۔ میری طرف سے یہیں مار کر دفنا دیں۔ نہ میں اس کا باپ، نہ یہ میری بیٹی۔ کاش یہ دن آنے سے پہلے میں مرگیا ہوتا۔ تف ہے ایسی اولاد پر۔'' وہ ہتھیلی سے ماتھا پیٹتے وہیں صحن کے بیچوں بیچ بیٹھ کر رونے لگا۔

نغمہ کے لیے کسی سے نظریں چار کرنا بھی دوبھر تھا۔ سیف کو کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا تو فوراً پیچھے لپکی کیونکہ نازنین اسی کمرے میں تھی۔

''تم کیوں پیچھے آئیں؟ مارنے نہیں آیا تمہاری بہن کو۔'' سیف نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے نغمہ کو دیکھا۔ ''اور ملے گا کیا ایسی بدچلن کو مار کر۔ یہ تو خود کو مار ڈالنے کا مقام ہے۔ اب کیا زندہ

www.pakistanipoint.com

رہ کر کسی کا سامنا کرنے لائق رہ گئے ہیں ہم؟ اور یہ تم تھیں نا۔" وہ کمرے میں آ کر دبے دبے نغمہ پر چلایا۔

زندگی بھر مجھے گھر سے بھاگی ہوئی کے سوگ میں ڈوبا دیکھ کر طعنے مارنے والی۔ اب کہاں گئی تمہاری غیرت اور وہ شرافت کے دعوے۔ یہی اوقات ہے تم شریفوں کی۔ اس نے ہاتھ آئے گلدان کو زور سے دیوار پر دے مارا اور نازنین کو دیکھ کر نفرت سے تھوکتے ہوئے واپس باہر نکل گیا۔ دیوار سے لگی بت بنی پشمینہ بے یقینی سے نازنین کو دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کے اور رئیس کے حادثے کو دن ہی کتنے گزرے تھے۔ وہ جس حادثے میں بدنام ہونے سے بال بال بچی تھی، تب تو نازنین کو وہ رسوائی بھی پہاڑ جیسی لگ رہی تھی۔ تو پھر یہ اس نے کیا کر ڈالا تھا۔ اور واسع کے لیے تو اس کا رشتہ آیا تھا، جس سے اس نے خود ہی انکار کر دیا تھا، تو پھر اسی واسع سے ملنے وہ اکیلی کیوں چلی گئی۔ وہ بھی ایسی جگہ۔ اور واسع۔ لوگ جس کی شرافت اور سمجھداری کی مثالیں دیتے تھے۔ اب یہ محبت کا کون سا رخ تھا۔ وہ آج شاکڈ تھی لیکن اس کے اتنے ڈھیر سارے سوالوں کا جواب جس کے پاس تھا، وہ بے حس و حرکت کسی مجسمے جیسی دیوار سے ٹیک لگائے نیچے زمین پر بیٹھی سب کی باتیں سنے جا رہی تھی۔ ویران آنکھوں میں کسی کو صفائی دینے اور سچ بتانے کا ارمان بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ...... یہی اس کا نصیب تھا کہ ہمیشہ ٹھیک ہوتے بھی اسے غلط سمجھ لیا جائے۔ اُسے سچ جینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ کاش آج وہ کسی غیرت مند کے ہاتھوں مار دی جائے۔ اور اگر کسی میں اس کار خیر کو کرنے کی ہمت نہیں تو وہ خود ہی اپنے ہاتھوں آج اپنا خاتمہ کر کے دنیا کو ایک مقدر کی ماری سے نجات دلا دے۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ واقعی خراب ہے رباب۔ یہ سب تم اب بتا رہی ہو؟" نصیر کا بس نہیں چل رہا تھا اپنے بال نوچ لیتا یا رباب کا گلا ہی دبا دیتا۔ واسع پر جو کچھ گزری اسے دوپہر کو گھر آتے ہی معلوم ہو گیا تھا گاؤں اور خاندان میں نہ جانے کیا کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ نصیر کے لیے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ واسع سے وہ ایسی کسی حرکت کی توقع ہی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن توقع اور تصور سے ہٹ کر بھی یہ حقیقت کہ یہ سب واقعتاً ہو چکا تھا۔ واسع اور نازنین دور ویرانے میں ملاقات کر رہے تھے، عین اس جگہ جہاں اس سے قبل نگینہ اور احمد کے ساتھ کتنی بڑی ٹریجڈی ہو چکی تھی۔ حتیٰ کہ جس کا احوال بھی وہ خود واسع کے منہ سے سن چکا تھا۔

اس کے اماں بابا تمسخر اڑا کر افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ کسی کے رویے سے شک ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بھی گاؤں والوں جیسی زبان میں اظہار کرتے واسع اور نازنین کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ نصیر کے لیے یقین کرنا البتہ قطعی ناممکن تھا۔ وہ حواس باختہ اپنے گھر سے نکل کر واسع سے ملنے بھاگا، لیکن روتی ہوئی نانی اور جمیلہ مامی سے پتا چلا کہ اکا جان کے ڈیرے سے وہ اپنے گھر آیا ہی نہیں۔ باری سے معلوم ہوا کہ سیدھا اپنے ڈیرے پر چلا گیا تھا اور تب سے وہیں بند تھا۔ جمیلہ مامی صدمے سے نڈھال تھیں۔ ابھی تو باغ ملنے کی خوشی بھی ماند نہیں پڑی تھی، یہ کیسی نظر لگ گئی تھی۔ گاؤں کا گاؤں انگلیاں اٹھائے ان کے گھر کی طرف نفرت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

نصیر نے فوری طور پر ڈیرے جانے کی نیت کی، اس کا واسع سے مل کر حقیقت جاننا اشد ضروری تھا۔ لیکن مڑتے مڑتے نظر کمرے کے دروازے میں کھڑی رباب پر پڑی۔ وہ ماں اور دادی سے آنکھ بچا کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ نصیر نے چونک کر دیکھا۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر انتہا کی بے بسی ثبت تھی۔ نصیر نے لب بھینچ کر کچھ دیر سوچا، اب رباب کی بات وہ کیسے اور کہاں سنے۔ اس نے مخمصے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سے ایک بار پھر ادھر دیکھا اور وہ جیسے پہلے ہی سوچے کھڑے تھی۔ نصیر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر پچھلے صحن کو جاتے کوریڈور میں داخل ہوگئی۔ کچھ دور جا کر پلٹ کر نصیر کو دیکھا۔ وہ سمجھ گیا ایک وہی جگہ ایسی تھی جہاں دونوں کھل کر بات ہوسکتی تھی۔

"مامی میں پیچھے کے دروازے سے ڈیرے پر جارہا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں واسع سے مل کر اسے بھی یہیں لے آتا ہوں۔" اس نے مامی کو تسلی دی اور کوریڈور سے گزر کر خود بھی پچھلے حصے میں آ گیا۔ رباب یہاں واسع کے کمرے کے دروازے میں کھڑی تھی۔ اور اب جو کچھ اس کی زبانی نصیر کو معلوم ہوا تھا وہ رونگٹے کھڑے کردینے والا تھا۔ رباب نے اپنی نادانی بلکہ جہالت کی وجہ سے حالات کو کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا تھا۔ ایک اس کے چند روزہ برے رویے کی بنا پر اس بے وقوف نے بدگمانی کی کتنی اونچی دیوار کھڑی کرلی تھی، اور اس بدگمانی کے ایسے برے اثرات کہ آج تو لگ رہا تھا سب کچھ ہاتھ سے مکمل طور پر نکل چکا۔"

"تم اتنے دنوں تک ذکی جیسے آدمی کے ہاتھوں الو بنتی رہیں۔ اور تم نے اس پر بھروسا کیا رباب جس پر بھروسا کرنے کی بندہ اپنے دشمن کو بھی صلاح نہ دے۔ یہ تم نے کیا کیا رباب!"

"لیکن یہ تو میرا اندازہ ہے نصیر کہ ابھی جو کچھ ہوا شاید اس میں ذکی کا کوئی ہاتھ ہو۔ مجھے تو ابھی بھی یہی شک ہے کہ بات کچھ اور ہوگی۔"

"جیسے؟" نصیر بمشکل اپنا غصہ ضبط کیے کھڑا تھا

"نازنین نے واسع کو رشتے سے انکار کیا، تو ہوسکتا ہے واسع نے یہی پوچھنے کے لیے......"

"تو نازنین کے انکار کی وجہ کون ہے بے وقوف۔" وہ سخت جھنجلا گیا۔ "اب تم کسی خوش فہمی میں پڑنے کے بجائے پہلے اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالو، مجھ سے رشتہ ہوجانے کے لیے تم ذکی سے فیور چاہ رہی تھیں۔ یعنی اس سے بڑا مسیحا اور کوئی نہیں ملا تمہیں۔ اور اس نے تم سے بدلے میں کیا مانگا۔ واسع کے لیے نازنین کا انکار۔ ارے جب میں تمہیں صاف الفاظ میں کہہ گیا تھا کہ بنا کسی ادلہ بدلے کے رشتے ہوں گے تو تم نے بھروسا کیوں نہیں کیا میری بات پر۔"

"خدا کے لیے سمجھو نصیر!" رباب کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ "تمہارا بھروسا تو کیا تھا اور ذکی سے بھی میں نے کہہ دیا کہ اب اس سب کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یہ بات سن کر تو اس نے چہرے سے اچھائی کا نقاب اتار پھینکا۔ اس سے پہلے میں واقعی اس کی باتوں میں آ گئی تھی۔ لیکن اس آخری دن وہ مجھے دھمکانے پہ اُتر آیا۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے اس کا کہا نہ مانا تو وہ میری باتوں کی ریکارڈنگ تمہیں اور واسع کو سنوا دے گا۔ میں ڈر گئی تھی نصیر۔" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"اور تمہارے ڈر نے یہ دن دکھا دیا۔ مجھے واسع سے ملنے دو پہلے۔"

"واسع کو مت بتانا نصیر۔"

"شٹ اپ رباب۔" وہ غصے سے مڑا۔ "میرا ساتھ چاہنے کی اب کوشش بھی مت کرنا، تمہارا بھروسا تو اب میں زندگی بھر نہیں کرسکتا۔ تم جیسی جاہل لڑکیاں خود اپنی بھی دشمن ہوتی ہیں۔ کسی اور کا بھلا تم خاک کرو گی۔ تمہارے اس سچ کی میری نظر میں اتنی سی بھی وقعت نہیں ہے۔ کیا فائدہ ایسے سچ کا جو تم اس وقت سامنے لا رہی ہو۔ اور کان کھول کر سن لو رباب۔ اگر مجھے پتا چلا کہ واسع نازنین کے حادثے کا تعلق تمہاری اسی نادانی سے ہے تو معافی کے متعلق بھول ہی جانا۔" وہ غصے سے کہتا اسی پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

واسع کی پریشانی کیا کم تھی کہ اب رباب کے انکشافات نے اس میں کئی گنا اضافہ کردیا تھا۔ جانے یہ معاملہ اب کہاں جانے والا تھا۔ بظاہر تو بنا واسع کو سنے ہی اسے نازنین اور واسع کے معاملے میں کسی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مدد گار کی کوئی راہ دکھائی نہ دیتی تھی۔ گاؤں میں کس بری طرح دونوں کی سبکی ہو چکی تھی۔ اب اس سب کے پیچھے ذکی کا ہاتھ تھا یا نہیں تھا۔ وقت کو تو واپس نہیں پلٹایا جا سکتا تھا۔ گاؤں میں ہوئی رسوائی کا مداوا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ نصیر کا الجھا دماغ اس لمحے کسی بھی راہ کو نہ پاتے حد سے زیادہ مایوسی کا شکار ہو رہا تھا، معلوم نہیں واسع کی کیا حالت ہوگی۔

☆☆☆

پشمینہ کی آنکھ بالکل اچانک کھلی تھی۔ معلوم نہیں کیوں۔ لیکن وہ گہری نیند سے یوں جاگی تھی جیسے کچھ ہوا ہو۔ یہیں قریب۔ بالکل آس پاس۔ ذہن اب مکمل بیدار ہو چکا تھا پچھلی رات کی بھاری، ناخوش گوار باتیں ایک ایک کر کے یاد آتے طبیعت کو اور بوجھل کرنے لگیں۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ موسم چونکہ بہت حد تک تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اور نازنین اب بیٹھک والے کمرے میں سویا کرتی تھیں۔ پنکھے چلانا اب کے بند ہو چکے تھے۔ رات نسبتاً زیادہ خنک اور ٹھنڈی ہو چلی تھی۔ یہاں ان دونوں کے بستر نیچے قالین پر بچھے ہوتے تھے۔ اس نے نیم تاریکی میں نازنین کے بستر کی طرف دیکھا۔ سفید بستر پر گہری سرمئی چادر اور تکیے پر نظر پڑی۔ سرسری ایک بار دیکھ کر پشمینہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کے بل دائیں بائیں سر گھما کر درست کیے۔ اور اسی دوران یونہی ایک عجیب سی سوچ نے اسے دوبارہ ادھر دیکھنے پر مجبور کر لیا۔ نازنین کے بستر پر تکیے سے آخر تک لمبی تہہ کی وہ سرمئی چادر صرف چادر ہی تھی۔ بستر سے تقریباً پتلی پتلی سی تہہ، اس چادر میں وجود کوئی نہیں تھا۔ یقین آنے پر پشمینہ نے ہاتھ بڑھا کر چادر کھینچ ڈالی۔ واقعی نازنین وہاں نہیں تھی۔ خوف سے دل سکڑنے اور بند ہونے لگا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور اسی تیزی سے بھاگ کر کمرے کی لائٹ آن کی۔ نازنین پورے کمرے میں کہیں نہیں تھی۔

"یا اللہ خیر۔" وہ ہلکے وا کیے دروازے کو بنا آواز کیے کھول کر باہر آئی۔ غسل خانہ صحن کے بائیں ہاتھ پر بالکل کونے میں تھا اور روشن دان سے ظاہر تھا کہ لائٹ بند ہے۔ بلکہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ یعنی وہ باتھ روم میں تو نہیں تھی۔ دوسری امید بھری نگاہ کچن کی طرف ڈالی کہ شاید وہ پانی پینے گئی ہو لیکن کچن سمیت گھر کی سب ہی لائٹیں آف تھیں۔ اماں بابا۔ بھابی اور لالہ، بڑا ہال کمرا سب ہی کے دروازے بھی بند تھے اور اندھیرا بھی تھا۔ بڑھتی پریشانی پشمینہ کی ٹانگیں لرزنے لگی تھی۔ اس نے کسی خیال کے تحت اوپر چھت کی سیڑھیوں کو دیکھا۔ عجیب عجیب خیالات ذہن میں گردش کرنے لگے۔ چاہتی تو یہ تھی کہ اماں او ربھابی کے دروازے بجا کر سب کو فی الفور نازنین کی غیر موجودگی سے آگاہ کر دے لیکن پھر دوسرا خیال یہ آیا کہ کیا پتا وہ کسی وجہ سے چھت پر گئی ہو، کیا پتا واسع سے کچھ کہنے۔ پشمینہ نے اپنے خوف پر قابو پاتے اپنا قدم پہلی سیڑھی پر رکھا اور پھر ایک اور خیال نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ اس نے اب تک گھر کا بیرونی دروازہ تو چیک کیا ہی نہیں تھا۔ جو بات وہم بن کر اس کے لاشعور میں کھڑی تھی کہ نازنین کہیں چلی نہ گئی ہو وہ مسلسل اسے اپنا وہم سمجھ کر ٹال کیوں رہی تھی۔ وہ قدم پیچھے ہٹاتے بیٹھک کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی ڈیوڑھی تک آئی۔ سامنے پڑا پردہ ہاتھ سے ہٹایا اور نظر جیسے ہی کنڈی پر پڑی اس نے اپنی بے ساختہ چیخ روکنے کے لیے خود اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ دیا۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جبکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ سیف لالہ نے پوری آواز کے ساتھ آخر میں خود کنڈی بند کی تھی۔

"تو مطلب نازنین گھر سے باہر گئی تھی۔ کک..... کیوں۔ کہیں وہ اور واسع بھاگ تو نہیں گئے۔" پشمینہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ اگرچہ واسع نازنین کے نام کا ایک ساتھ جڑنا اس کے لیے حیران کن تھا۔ لیکن پچھلے روز گاؤں کے بچے بچے کی زبان پر یہ دو نام کسی دلچسپ قصے سے سنائی دینے لگے تھے۔ موجودہ صورت حال میں کہیں ان دونوں نے بھاگ جانے کو اپنے مسئلے کا حل نہ جانا

ہو۔ وہ فوراً اپنے کمرے میں آئی۔ اور نازنین کا موبائل تلاش کیا۔ یہ خوف بھی تھا کہ شاید وہ اپنا موبائل ساتھ لے گئی ہو لیکن موبائل اوپری خانے میں موجود تھا۔ پشمینہ نے دماغ استعمال کرتے سب سے پہلے رباب کا نمبر ملایا۔ دل ہی دل میں شدت سے یہ دعا مانگتے ہوئے کہ وہ موبائل اٹھا بھی لے۔ پشمینہ اب مزید دیر کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ دوران کال گھڑی کی طرف دیکھا، رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے تھے، گھنٹی جا رہی تھی، معلوم نہیں رباب.....

''ہیلو'' نیند سے بوجھل بلاشبہ وہ آواز رباب کی تھی۔ پشمینہ نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔

''رباب! میں ہوں پشمینہ'' اس نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''پلیز میری بات دھیان سے سنو، دیکھو، اونچا مت بولنا۔''

''پشمینہ!'' وہ فوراً اُٹھ بیٹھی۔ ''کیا ہوا، سب خیریت تو ہے؟''

''رباب! تم اس وقت کہاں ہو، مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''اپنے کمرے میں ہوں اور بے فکر رہو، اکیلی ہوں۔ بولو کیا ہوا ہے؟'' رباب کے حلق میں کچھ پھنسنے لگا۔

''نازنین گھر پر نہیں ہے رباب۔ اور باہر کا دروازہ بھی کھلا ہے، وہ کہیں باہر نکلی ہے، ابھی میں نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔''

''اوہ۔ تو تم کیوں نہیں بتا رہیں کسی کو، جلدی اٹھاؤ سب۔''

''رباب مجھے ایک بار صرف اتنا بتا دو کہ واسع کیا گھر پر ہے؟'' پشمینہ نے صاف الفاظ میں اپنی مجبوری ظاہر کی اور رباب کا حیرت سے منہ کھلا، یہ خیال تو اس کو آیا ہی نہیں۔

''آں۔ ہاں'' وہ جلدی سے بستر سے اتری۔ ''مم..... میں دیکھتی ہوں۔ اب کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتی پیچھے کے برآمدے میں آئی۔ کمرے کا دروازہ ہلکا سا دبایا تو وہ کھل گیا۔ نیلے نائٹ بلب کی روشنی میں اس کے بھائی کا چاند چہرا آنکھوں کے سامنے تھا۔ رباب نے ایک گہری پرسکون سانس لیتے فوراً واپسی اختیار کی۔

''واسع سو رہا ہے پشمینہ!''

''اوہ۔ تو پھر نازنین کہاں ہے مڑے۔ فون رکھتی ہوں رباب۔ مجھے سب کو جگانا ہوگا'' پشمینہ کو اچانک ہی اپنی اب تک کی خاموشی انتہا کی نادانی تصور ہوئی۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ اور رباب لب چباتے پریشانی سے نازنین کے متعلق سوچنے لگی۔

''یہ کیا کیا رباب! آج تمہاری غلطی نے ایک معصوم لڑکی کو کہاں لا کھڑا کیا، اس کا کیا قصور تھا، مرجاؤ رباب!'' وہ گھٹنوں کے بل قالین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

بابا بھی دھتکار کر چلے گئے تھے۔ اور اب پیچھے رہ جانے والوں کے لیے وہ ایک بوجھ ایک زبردستی آن پڑی مصیبت کے سوا کچھ نہ تھی۔ بابا بڑی آسانی سے کہہ گئے تھے کہ ان کی طرف سے اس گناہ کی پوٹ کو گولی سے اُڑا دیا جائے۔ لیکن یہ گناہ بھی کون اپنے سر لیتا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس مسلط کی گئی ان چاہی مصیبت کو جھیلنے پر مجبور تھے۔ اور نازنین کو ان بوجھ بھری سانسوں کا بار اب گوارا نہ تھا۔ اب سے بہت پہلے ایک دن حالات سے مجبور ہو کر ہر راستہ خود پر بند پاتے وہ پہلے بھی جان سے جانے کے بارے میں سوچ آئی تھی۔ اس کے بابا اسے لطف اللہ کے ساتھ بیاہ نہ دیں، اس خوف سے جان دینا ایک آپشن کے طور پر ذہن میں ابھرا ضرور تھا لیکن تب کچھ اور راہیں ایسی بھی تھیں جن پر جایا جا سکتا تھا۔ لیکن آج..... آج اس کے دامن میں کیا باقی رہا تھا۔ وہ رسوا بدنام، بدچلن دھتکاری ہوئی کہلائی جا رہی تھی۔ اس کا اللہ گواہ تھا کہ یہ رسوائی اور بدنامی کسی نے ایک دم اس کے وجود پر انڈیل دی تھی۔ اور اب

www.pakistanipoint.com

اللہ ہی دیکھ رہا تھا کہ وہ اس گندگی کے دھبے چاہ کر بھی اپنے دامن سے مٹا نہیں سکتی تھی۔ آج حقیقتاً کوئی دوسری راہ باقی نہ بچی تھی۔ آج بس ایک ہی راستہ صاف صاف دکھائی دے رہا تھا اور وہ موت کو جاتا تھا۔ اب زندہ رہنے میں کیا رکھا تھا۔ اس دنیا میں اب کوئی اسکا اپنا نہیں رہا تھا۔ جنہیں اپنا سمجھنے کی بھول کی تھی، معلوم نہیں کس گناہ کی پاداش میں سزا دینے پر تل گئے تھے۔ وہ یہاں سچ مچ کسی کو پہچان نہیں پائی تھی۔ اور کاش، کاش کہ وہ سب اس کے لیے اجنبی ہی رہتے۔ وہ جن محبتوں کے فریب میں آئی تھی وہ نرا آنکھ کا دھوکا تھا۔ سب نے آج مل کر اسے ایک گہری کھائی میں دھکا دے دیا تھا۔ آج اسے اپنی ماں کی بہت یاد آ رہی تھی۔ شاید وہ اسے بلا رہی تھی۔ آج اسے اپنی ماں کے پاس جانا تھا۔

کالی چادر میں لپٹی نازنین اس تاریک رات کی سیاہی میں بار بار ابھر کر مدغم ہو رہی تھی۔ اونچے نیچے پتھریلے راستوں سے بے نیاز وہ بنا سوچے اونچائیوں کی طرف بھاگتی جا رہی تھی۔ اونچائی پر پہنچ کر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ لرزتی پلکوں سے درد کے کئی آنسو ایک ساتھ ٹوٹ گرے۔

یہ ٹھنڈی ریت اور پتھروں کا میدان، یہ دریا، یہ پہاڑی سلسلہ اور۔ نظر دور دکھائی دیتی چند روشنیوں پر پڑی۔

''اور یہاں بستے یہ روایت پرست، مغرور بے رحم لوگ۔ یا اللہ میرے پاس تمہاری پناہ میں آنے کے سوا اب کوئی راستہ نہیں، مجھے معاف فرما دینا۔'' وہ زخمی پیروں کے ساتھ بالآخر پہاڑ کی چوٹی تک آ پہنچی تھی، جہاں سے واپسی کا راستہ بہت آسان بڑا سیدھا تھا اس نے بنا ایک بھی پل کچھ اور سوچے بنا اپنی آنکھیں بند کیں اور خود کو پھڑ پھڑاتی ہوا کے سپرد کر دینے کو باز و وا کیے۔

''اَئے مہ کوا (مت کرو)۔'' ایک غصیلی کرخت آواز نے لمحہ بھر کو اس کے قدم لرزائے، پلٹ کر سخت تعجب سے اس اچانک آ جانے والے کو دیکھا، آنے والا ابھی بھی کافی فاصلے پر تھا، اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر موجود اس وقت اُترائی کی گویا نوک پہ کھڑی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑے جسم کے آر پار ہوئے جا رہے تھے۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں آنکھیں بند کر کے خود کو آگے کی طرف جھکا دیا۔

''عزت نہیں تو زندگی بھی نہیں۔''

''اور...... آہ......'' آگے جاتی نازنین کی گردن میں اپنی ہی چادر کا پھندا سا پڑا، اس کی چادر کا ہوا سے لہراتا پلو تھام کر اسے گرنے سے روک دیا گیا تھا۔ جس مرد کو ابھی وہ خاصے فاصلے پر سمجھ رہی تھی، وہ اس کی طرح شہری نہیں بلکہ ان ہی پہاڑوں کا پروردہ، یہاں کے ہر پتھر، ہر اونچ نیچ سے آگاہ اس کی سوچ سے کہیں تیز کہیں زیادہ باخبر تھا۔ وہ پلو کھینچنے سے گردن پر دباؤ پڑتے ہی واپس کھنچی چلی آئی۔ آنے والے نے دوسرا جھٹکا دیا اور وہ اونچائی سے نیچے کو آئی اس کے بازو سے آ لگی۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ غصے سے چلانے لگی۔

''مت آئیں میرے اور میری موت کے بیچ۔'' وہ دیوانی سی ہو رہی تھی اور جنونی انداز میں اس کے ہاتھوں پر پنجے گاڑ رہی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے نازنین کے شانوں کو مضبوطی سے تھام کر سختی سے اس کا رخ پورا اپنی طرف موڑا۔ ''تم جان نہیں دو گی نازنین، یہ اس کہانی کا انجام نہیں ہے۔''

''یہی ہے۔'' وہ پوری طاقت سے چلائی۔

''یہی ہے اس بھیانک کہانی کا پہلا اور آخری انجام، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہذیانی کیفیت میں اسے مکے مارتے خود کو چھڑوانے میں لگی تھی۔ لیکن وہ اس کی کلائی کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں سختی سے پکڑے تقریباً بھگاتے ہوئے پہاڑ سے نیچے لے آیا۔ اس وقت نازنین کی جو حالت تھی اگر وہ اسی اونچائی پہ رکا رہتا تو بعید نہیں تھا کہ وہ کسی طرح خود کو چھڑوا کر بنا سوچے کود جاتی۔ اور اب اس نے زیادہ اعتماد سے نازنین کو سامنے کھڑا کیا، کہ اب کم از کم وہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

جان دینے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

''ہمت مت ہارو نازنین! اور نہ ہی خود کو اکیلا سمجھو۔''

''میرا اب کوئی نہیں ہے، کوئی بھی نہیں۔'' وہ تھک کر رونے لگی۔

''بھائی کے ہوتے ایسا سمجھو گی تو ڈوب مرنے کا مقام ہے میرے لیے۔''

''مجھے ہر شے نے دکھ دیا ہے نصیر بھائی۔'' وہ ہاتھوں میں چہرا دیئے ہچکیاں لے کر رونے لگی اور نصیر کے چہرے پر پہلی اداسی بھری مسکراہٹ چمکی۔ نازنین نے اسے بھائی کہہ کر دلی سکون بخشا تھا۔ باقی اس کے گلے بھی بجا تھے، اس گاؤں نے، یہاں کے لوگوں نے اسے کتنا درد دیا تھا، وہ کس سے کہتی۔

''میں جانتا ہوں نازنین، ہم نے تمہیں مایوس کیا ہے۔ لیکن یہاں موجود ہر شخص کو ایک ترازو میں مت تولو۔ یہاں درد دینے والے ہی نہیں، درد بانٹنے والے بھی ہیں۔ ہم نے چوٹ دی ہے، مرہم بھی ہم لگائیں گے۔''

''عزت پہ بٹہ لگ جائے تو پھر کیسا مرہم، کون سی دوا، اب کسی مداوے کی چاہ ہی نہیں۔'' وہ رو رو کر اپنا غم کہنے لگی۔

''کیا تم نے کچھ غلط کیا ہے نازنین؟'' نصیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا لیکن وہ خاموش رہی۔

''بولو نازنین! کیا تم غلط تھیں؟'' نصیر نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تو نازنین نے روتی آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں ہلایا۔

''تو پھر یہ مایوسی کیوں؟ کیا ایسے میں تمہاری موت تمہیں بے گناہ ثابت کردے گی۔ نہیں نازنین۔ عقل کے اندھے بہرے تمہارے اس عمل کو محض تمہاری شرمندگی اور گناہوں پر پچھتاوا تصور کرتے کہانی کو تمہارے مرنے کے بعد ایک اور رنگ دیں گے۔ کوئی بھی اسے تمہارے سچا ہونے کی دلیل ہرگز نہیں مانے گا۔''

''میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔'' وہ روتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔

''تمہارے ساتھ یہ سب کس نے کیا، مجھے معلوم ہو چکا ہے، اور اب اس کے جھوٹ سے پردہ ہٹانے اور تمہارے سچ کو دنیا کے سامنے لانے میں تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہے۔ بولو نازنین سچ کو دنیا پہ ظاہر کرنے میں میرا ساتھ دو گی نا؟''

''کس نے کیا یہ سب؟'' نازنین نے پہلی مرتبہ تعجب سے سر اٹھا کر نصیر کو دیکھا۔ روتی آنکھوں میں کچھ جان لینے کا اشتیاق درد بن کر جھلک رہا تھا۔ نصیر نے اس حسرت و یاس کو پہلی مرتبہ بڑے چونک کر دیکھا۔ نازنین کی تڑپ کی وجہ شاید وہ جانتا تھا۔ اس کے اندر سے بے ساختہ ابھرتا یہ سوال اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

''تم واسع پر شک کر رہی تھیں؟'' وہ متعجب ہوا۔ نازنین کے لیے نظریں ملانا دوبھر ہو گیا۔ اس نے بے ساختہ سر جھکا دیا۔

''خدا کے لیے ایسی بات سوچنا بھی مت۔ واسع بھی اس قصے میں اتنا ہی بے قصور ہے جتنی کہ تم۔ وہ بھی کسی بہت اپنے کی سازش کا شکار ہوا ہے، میں نے واسع کو سن لیا ہے نازنین۔ اور اب مجھے تمہیں سننا ہے۔''

''پھر کس نے کیا یہ سب؟'' نازنین کے دوسرے سوال نے نصیر پر سب واضح کر دیا۔ واسع کی دھوکا دہی کا خیال نازنین کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوا تھا۔

''میں پہلے تمہیں سنوں گا، پھر تمہیں ہر بات بتاؤں گا، لیکن فی الحال میں بغیر سنے آنکھیں بند کر کے تمہاری سچائی پر یقین کر رہا ہوں، اسی کو اپنے بھائی کا ساتھ سمجھو۔ اور ابھی ہم گھر جا رہے ہیں۔ وہاں تمہاری گمشدگی کی وجہ سے بہت پریشانی ہے، اور گھبراؤ مت، میرے ہوتے تمہیں کسی کو جواب دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ آؤ'' نصیر اسے ساتھ لیے گاؤں کی طرف بڑھا اور اسی وقت اس کا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

موبائل بجنے لگا۔ نصیر نے موبائل نکال کر نمبر دیکھا، کال رباب کی طرف سے آرہی تھی۔ اس نے نتھنے پھلاتے کال اٹینڈ کی۔

"ہوں۔ بولو۔"

"نازنین ملی نصیر؟" رباب کے لہجے میں بے تابی تھی

"ہاں میرے ساتھ ہے، اور بالکل ٹھیک ہے، میں اسے گھر لا رہا ہوں۔"

باوجود اس کے کہ وہ رباب سے سخت خفا تھا اسے بتانا ضروری سمجھا کیونکہ رباب کی کال کی وجہ سے ہی وہ نازنین کو ڈھونڈنے نکلا تھا۔ پشمینہ سے بات کے بعد رباب کو پہلا خیال نصیر کا آیا، واسع سے مدد لینا اس وقت خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے نصیر کو کال ملا دی۔ اور یوں تو نصیر اس کی کال کسی صورت اٹینڈ نہ کرتا لیکن رات کے ساڑھے بارہ بجے کال آتی دیکھ کر اسے واسع کی طرف سے فکر لاحق ہوئی اس لیے فوراً اٹھالی تھی۔ اور نازنین کو ڈھونڈ لینے میں اسے کتوں کے بھونکنے سے مدد ملی تھی۔ گاؤں کی پراسرار خاموشی اور سناٹے میں کتے ضرور وہاں کسی نفس کی موجودگی کی وجہ سے بھونک رہے تھے۔ یہی سوچ کر وہ اس پہاڑ کی جانب بڑھا تھا جو عین اسے نازنین تک لے گیا۔

"نازنین کو گھر مت لانا نصیر۔" رباب کی آواز میں واضح گھبراہٹ تھی۔ "پشمینہ نے یہاں گھر میں سب کو بتا دیا ہے۔ میں نے چھت سے دیکھا۔ سیف لالہ بندوق نکال رہے تھے۔ اکا جان بھی بہت غصے میں ہیں۔ یہ لوگ ناز کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"اُف ان کی بندوقیں۔" نصیر جھنجھلایا۔ "اچھا میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اسے اپنے گھر چھوڑ کر ان سب سے بات کرنے اکیلا جاؤں گا۔" نصیر نے ساتھ ساتھ سوچ بچار کرتے کال آف کر کے نازنین کو دیکھا۔

"ابھی تمہیں میرے گھر چلنا ہوگا، فکر مت کرو۔ زیادہ سے زیادہ اماں کچھ بول دیں گی۔ چپ کر کے سن لینا، زمرد تمہارا اچھا خیال رکھے گی۔ آؤ۔" وہ اسے لیے گاؤں کی طرف بڑھ گیا اور واپس جاتے قدموں کے ساتھ دل کے درد میں تو اب بھی کوئی کمی نہ آئی تھی لیکن نجانے کیوں نصیر کی دلائی امید تاریک راستے پر ایک ٹمٹماتے دیے جیسی جلنے لگی تھی۔

☆☆☆

اکا جان وہ اکیلی تھی۔ خدانخواستہ کسی کے ساتھ بھاگ نہیں رہی تھی۔ اپنی جان دینے جا رہی تھی۔ میں نے عین وقت پر بچا لیا۔ نصیر نے ان کے شانوں پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے کہنا شروع کیا۔ نازنین کو وہ زمرد کے پاس بٹھا آیا تھا۔ اماں کی باتوں سے نمٹنے کا ابھی اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ یہاں آ کر جب اس نے نازنین کے خیریت سے اپنے گھر میں ہونے کا بتایا تو سیف بندوق برآمدے میں پھینک کر غصے سے اپنے کمرے میں چلا گیا اور وہ اکا جان کو لیے بیٹھک والے کمرے میں آ بیٹھا۔ وہ بھی اس وقت سخت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ نازنین کی حرکت پر انہیں غصہ بھی تھا اور افسوس بھی۔ ادھر نصیر کی بات بھی بہت لمبی تھی۔ اسے بہت کچھ انہیں بتانا ہی نہیں، منوانا بھی تھا۔

"ہاں اور جان دے کر تو بہت بھلا کر رہی تھی ہمارا۔ یوں بھی الٹا ہم ہی پھنستے۔ اکا جان کا شدت جذبات سے چہرا لال ہو رہا تھا۔ "آج ہے کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا وقت۔ تم ہی بتاؤ نصیر۔ پڑھے لکھے سمجھ دار ہو۔ آپ ہی انصاف کرو۔ کیسی مشکل گھڑی میں اس لڑکی کا ہم نے ساتھ دیا۔ کیا اس دن کے لیے کہ گاؤں بھر میں ہماری بنی بنائی عزت کا جنازہ نکال دیا۔ اور وہ واسع۔" انہوں نے غصے سے ہاتھ لہرایا۔ "کیسا نیک اور شریف سمجھا تھا اسے۔ سب اس سیدھی عقل کا قصور ہے بیٹے۔" انہوں نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"ایسا نہیں ہے اکا جان۔ کوئی قصور نہیں ہے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آپ کی سمجھ کا۔'' نصیر کے لیے اپنا موقف بیان کرنا سخت دشوار ہو رہا تھا۔ اکا جان کا غصہ بھی تو کم ہو۔

''آپ پلیز میری پوری بات سن لیں۔ آرام اور تحمل سے۔ آپ کے لیے سب سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بعض اوقات جو ہمیں دکھائی دے رہا ہوتا ہے، وہ ویسا نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔''

''نہ واسع نے کچھ کیا، نہ نازنین نے۔ یہ سب ذکی کی سازش ہے، آپ بس ایک بار مجھے تسلی سے اور شروع سے سب بتانے دیں۔ نازنین بھی مہینوں سے آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ نے دیکھا وہ کتنی نیک سلجھی ہوئی بچی ہے۔ اور یقین مانیں وہ ایسی ہی ہے جیسا اب تک کے وقت میں آپ نے اسے سمجھا۔ یہی بات میں واسع کے لیے کہوں گا۔ اس پر بھی اپنا بھروسا قائم رکھیں۔ میری شام کو ہی اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے میں نازنین کو بھی سن کر آرہا ہوں۔ پہلے میں بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مجھے بھی تصویر کا وہی رخ دکھائی دے رہا تھا جو دکھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن اب میں ہر بات سمجھ رہا ہوں۔''

نصیر نے کہنا شروع کیا۔ وہ انہیں بتانے لگا اماں کی جبار ماما کی طرف رشتے میں دلچسپی کے متعلق، پھر اپنی پسند اور بدلئی کے مسائل۔ رباب کی پریشانی۔ اس کے راز کا ذکی کے ہاتھوں میں آنا۔ اِدھر جرگے میں واسع کی جیت۔ واسع کا نازنین کے لیے رشتہ بھیجنا، اور یہاں ذکی کا واسع کی پسند یعنی نازنین اس سے چھین لینے کی کوشش۔ اور اس کوشش میں ذکی کا رباب کو استعمال کرنا، پھر رباب کے منع کرنے پر نازنین کا واسع کے لیے انکار، اور اس انکار کے نتیجے میں ذکی کا نازنین کے لیے رشتہ بھیجنا، لیکن نازنین کا پشمینہ رئیس والے واقعے کے بعد اپنی حیثیت مشکوک ہونے کے بعد یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ اور ذکی کو بھی انکار۔ اور یہاں تک ساری تفصیل بتانے کے بعد نصیر رُکا۔

اور اکا جان یہاں سے شروع ہوتی ہے ذکی کی وہ اصل سازش جس کا پچھلے روز نازنین اور واسع بے خبری میں شکار ہو گئے۔ نصیر نے یہاں تک کے حالات پر اکا جان کو تفصیل سے کھل کر روشنی ڈالی تاکہ پس منظر ذہن میں ہونے کی وجہ سے وہ باقی کے معاملات کو با آسانی سمجھ جائیں۔

''ذکی نے چند دن پہلے رباب کو کال کر کے دھمکی دی کہ نازنین نے رشتے سے مجھے انکار کر دیا ہے لہٰذا وہ جائے اور اسے کسی طرح قائل کرے۔ رباب نے اسے صاف انکار کر دیا اور بتایا کہ نازنین اب یہاں رہنا نہیں چاہتی اور کچھ ہی دنوں میں واپس کوئٹہ جا رہی ہے ہمیشہ کے لیے، اور تب ذکی نے اپنا پلان تبدیل کر دیا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ نازنین اب اسے نہیں ملنے والی اس کا فیصلہ اٹل ہے اور واسع کو بھی انکار ہو چکا ہے۔ تو اس نے واسع سے باغ کی جیت پر اور نازنین سے رشتے کے انکار پر بدلہ لینے کی ٹھانی۔ باغ واپس ملنے کے بعد ہر کسی کی زبان پر آج کل ایک ہی بات تھی کہ جبار برسوں بھائی کے یتیموں کا حق کھاتا رہا تھا۔ اور واسع نے اپنا حق واپس پالیا، وہ بھی بنا کیس کیے چچا کی عزت کا پاس رکھتے ہوئے۔ اور ذکی سے یہ بات برداشت نہ ہوئی تھی۔ اس نے واسع کی عزت کو پورے گاؤں میں اچھالنے کا مذموم منصوبہ تیار کیا۔ واسع نے بتایا کہ پچھلے روز عدالت سے واپسی پر وہ جونہی سڑک سے اُتر کر گھر کی طرف آ رہا تھا اسے ایک انجان نمبر سے کال موصول ہوئی جس میں گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا گیا کہ اس کے بھائی باری کو کچھ آدمی زبردستی گھاٹی کی طرف لے جا رہے تھے، وہ اسے بچا لے۔ واسع اس وقت گھاٹی سے زیادہ دور نہیں تھا، وہ بنا سوچے فوراً وہاں بھاگا، وہ کہتا ہے کہ وہاں پہنچ کر جب میں نے کسی کو وہاں نہ پایا تو گھر فون ملا کر رباب سے باری کا پوچھا، اور اس نے کہا کہ باری تو صبح سے گھر پر ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میرے گھر آنے تک اسے کہیں باہر مت جانے دینا اور واپسی کے لیے مڑا تو سامنے نازنین نظر آئی وہ اسے ایسی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جگہ دیکھ کر حیران ہوا لیکن ابھی وہ اس سے پوچھ بھی نہیں پایا تھا کہ درے سے مردوں نے آنا شروع کر دیا۔ اور ہاں جب میں نے نازنین سے اس کے وہاں جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ اسکول میں بیٹھی تھی جب ایک بچہ رقعہ لے کر آیا۔ رقعہ رباب کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ گھاٹی کے پہاڑ سے کود کر اپنی جان دے رہی ہے۔ نازنین کہتی ہے کہ میں بھی بنا سوچے اس کی جان بچانے فوراً وہاں پہنچی، جبکہ رباب قسم کھانے کو تیار ہے کہ اس نے کسی کو کوئی رقعہ نہیں لکھا۔

تو خیر ادھر جب بہت سارے مرد گھاٹی میں جمع ہو گئے تو چاہیے تو یہ تھا کہ ایک مرد اور برقع پوش خاتون کو دیکھ کر چپ چاپ وہاں سے گزر جاتے لیکن عبدالقادر نے لوگوں میں اشتعال پیدا کیا۔ اور یہ عبدالقادر جبار ماما کا خاص ملازم ہے۔ اور واسع اور نازنین سے الگ الگ یہ واقعہ سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ یہ سب ذکی کی سازش تھی کیونکہ ان دونوں کو ہی جھوٹ بول کر ایک ہی وقت میں گھاٹی پر اکٹھا کیا گیا اور اچانک اس موقع پر وہاں گاؤں والوں کو بھی جمع کیا گیا۔

"ہوں۔" نصیر کے مستقل بولنے کے دوران عبدالرحمٰن بالکل خاموش رہے اور دھیان سے اسے سنتے رہے تھے۔ بات تو بالکل واضح تھی۔ "لیکن نصیر، یہ بات ثابت کیسے ہو گی، اور پھر جو بدنامی ہو چکی ہے گاؤں بھر میں اس کا مداوا بھی تو ممکن نہیں۔" اکا جان نے حقیقی افسوس سے آہ بھری۔

"مداوا کیوں نہیں ہے اکا جان، سچ کے لیے کھڑا تو ہونا پڑتا ہے، پھر بات صرف واسع کی عزت یا ہمارے خاندان کی نہیں، بات ہماری گھر آئی مہمان کی بھی ہے۔ وہ اپنی جان دے رہی تھی اور اگر دے چکی ہوتی تو بتائیں تب ہم مداوا کیسے کرتے۔"

"لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں، ذکی بھلا اپنا جرم کیوں قبول کرے گا، پھر جو باتیں تم نے ابھی مجھے بتائیں، کیسے گاؤں کے ایک ایک بندے کو جا کر

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل
300

چلمن

نادرہ خاتون
قیمت -/300 روپے

پیاری

نسیم سحر قریشی
قیمت -/400 روپے

دست کوزہ گر

فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Waqar Azeem pakistanipoint.com

بتائیں۔'' اکاجان واقعی مایوس تھے۔ ان کے ذہن میں کوئی مناسب حل موجود نہیں تھا۔

''بات فی الحال ذکی سے قبول کروانے کی نہیں، بات واسع اور نازنین کے سچ کی ہے۔ وہ وہاں کسی بری نیت سے نہیں گئے تھے اور یہ بات ان سب لوگوں کو معلوم ہونی چاہیے جو ان دونوں کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ میرے ذہن میں اس کا ایک ہی حل ہے۔'' نصیر قدرے رک رک کر اصل بات تک آیا۔

''کیسا حل؟''

''گاؤں کے بڑے جرگے میں دونوں سے قسم اُٹھوا کر پوچھا جائے کہ.....''

''گاؤں کا بڑا جرگہ؟'' اکاجان نے بے یقینی سے دوہرایا۔ ''لیکن نصیر اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، ہماری عورتیں جرگہ میں۔ اور پھر نازنین ہی نہیں۔ پھر تو رباب کو بھی آنا پڑے گا۔ اور گھر کی باتیں۔''

''باتیں نہیں اکاجان، سازشیں۔ اور اس سے پہلے کہ سازشوں کا یہ جال ہمارے خاندان میں نفرتیں اور دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہو جائے اسے یہیں ختم کر دینا چاہیے، اور جہاں تک بات ہے عورتوں کو جرگے میں بلانے کی تو سچ کی راہ دشوار تو ہوتی ہے۔ ویسے بھی جتنا برا اس وقت واسع اور نازنین کے ساتھ ہو چکا ہے، اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ یہ تو مصیبت سے نکلنے کی راہ ہے۔''

''مجھے سوچنے کا وقت دو نصیر۔'' اکاجان عجیب الجھن میں پڑ گئے تھے۔

''ذکی کو اس کے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں خدارا۔'' نصیر کا بس نہیں چل رہا تھا وہ انہیں قائل کرنے کے لیے کیا کہے۔ ''واسع اور نازنین کی زندگی برباد ہو جائے گی، پھر جتنی بڑی یہ مصیبت ہے، اس کا حل بھی تو اسی حساب سے نکلے گا۔ بڑے فیصلے تو کرنے پڑیں گے اکاجان۔''

''پہلے مجھے واسع اور نازنین کو سننے دو۔'' اکاجان نے نصیر کو دیکھا۔

''کیوں نہیں اکاجان۔ یہ تو بہت ضروری ہے۔ بلکہ آپ رباب کا بھی بلائیں، وہ بھی ساری بات اپنی زبانی بتائے۔''

''ہوں۔ تو پھر کل صبح ہمارے گھر میں بات ہوگی۔ تم ہی واسع اور نازنین کو بھی لاؤ گے اور رباب کو بھی۔''

''جی ٹھیک ہے۔ اور.....'' وہ اجازت لیتے رُکا پھر کچھ سوچا۔ ''اور آپ سیف لالہ کو بھی وہاں بٹھائیں گے، مجھے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔''

''اور بات؟'' وہ چونکے ''اور کیا؟''

''وہ اصل میں دوسری بات واسع کے بتانے کی ہے۔ اس لیے فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ صبح حاضر ہوتا ہوں۔''

''ہوں صحیح۔ اور نازنین! عبدالرحمٰن کو آتے ہی نصیر نے بتایا تھا کہ وہ اُس کے گھر ہے۔''

''جی صبح میں پہلے اسے لے آؤں گا۔ دراصل رباب نے مجھے کال کر کے بتایا تھا کہ سیف لالہ بندوق لیے نکل رہے ہیں، اور بندوقیں جب غصے میں اُٹھتی ہیں تو نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی۔ ہمارے ہاں نوے فیصد سچ گولی کھانے والے کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔'' نصیر کا شکوہ زبان پر آئے بنا رہ نہیں سکا۔ اکاجان خاموش رہے۔

میں نے نازنین کو یقین دلایا ہے کہ اسے انصاف دلانے اور دنیا میں اس کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے تک میں اس کا ساتھ دوں گا۔ ورنہ ہم گھر آئی مہمان کے ساتھ انصاف نہ کر سکنے پر تاعمر اپنی نظروں میں شرمندہ رہیں گے۔ اور اگر اسے انصاف نہ ملا تو یہاں آنے کے اپنے فیصلے پر وہ قبر تک پچھتائے گی۔

ایسا تو میں بھی نہیں چاہتا نصیر۔ اکاجان بس اتنا ہی کہہ پائے۔ اور نصیر ان کی طرف سے مکمل یقین دہانی کی حسرت لیے ہی وہاں سے چلا گیا۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

www.pakistanipoint.com

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ بہت سے علاقے لاک ڈاؤن کی زد میں ہیں جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔ ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو مارچ یا جون کا پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/70 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بینک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 03172266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/840 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام ''عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030'' کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/7000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/8000 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 03172266944 پر رابطہ کریں

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

شفق افتخار

چھاؤں جیسے لوگ

سے پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی لگتی تھی۔ اس لیے بہت سنبھل کر اپنا مدعا بیان کر رہی تھی۔

"آپ کے والد کے دل کے دو والو مکمل بند ہو چکے ہیں۔ دوا اور پرہیز سے مرض کو کچھ عرصے تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے مگر اس کا واحد حل سرجری ہی ہے۔"

ڈاکٹر نے تفصیلاً اپنی بات مکمل کر کے اس لڑکی کے چہرے پہ نگاہ ڈالی تھی۔ جس کے چہرے پہ اس لمحے مایوسی در آئی تھی۔ اس کی شفاف آنکھوں میں امید کے دیے کو بجھتے ہوئے صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

"جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب، ایک دم سے اتنے پیسوں کا انتظام کرنا ایک غریب انسان کے لیے بہت مشکل ہے۔ میں ایک معمولی سی اسکول ٹیچر ہوں اور میرے بابا ایک فیکٹری میں سپروائزر۔ میں جلد ہی کچھ انتظام کرتی ہوں۔ تب تک آپ کچھ ٹریٹمنٹ اگر دینا چاہیں تو۔"

"جی، میں میڈیسن تو لکھ دیتا ہوں، یہ

"ڈاکٹر صاحب! میرے ابا ٹھیک تو ہو جائیں گے نا....."

اس چوبیس پچیس سالہ لڑکی نے بہت آس و امید بھرے لہجے میں سامنے بیٹھے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

"جی ان شاء اللہ کیوں نہیں، آپ اللہ پہ بھروسا رکھیں آپ کے والد بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن میری نظر میں ان کی بیماری کا علاج صرف آپریشن ہی ہے۔ وگرنہ خدانخواستہ بیماری بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب کیا صرف دوا سے یہ بیماری ٹھیک نہیں ہو سکتی ہے۔ دراصل میرے اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں اتنی جلدی ان کا آپریشن کروا سکوں۔ اگر کچھ عرصہ ٹھہر کر کروالوں تو میرا مطلب ہے کہ تب تک آپ ان کا علاج دوا کے ذریعے کر سکیں تو....."

اس لڑکی نے بہت جھجک کر اپنی مجبوری کو ڈھکے چھپے الفاظ میں ڈاکٹر کے سامنے بیان کیا تھا۔ وہ شکل

www.pakistanipoint.com

مکمل ناول

پرائیویٹ ہاسپٹل ہے، یہاں تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود یہاں ملازم ہوں۔ مگر میں آپ کو ڈاکٹر سعید خان تک ضرور ریفر کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی مدد ضرور کریں گے۔"

ڈاکٹر نے ایک چٹ پہ ہاسپٹل اور ڈاکٹر کا نام لکھ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ ڈاکٹر سعید خان ان کے سینئر ڈاکٹر تھے اور ان کے ہاسپٹل میں ایسے لوگوں کا بالکل مفت علاج ہوتا تھا۔

"میں ڈاکٹر سعید کو کال کر دوں گا۔"

"تھینک یو ڈاکٹر صاحب...... تھینک یو سو مچ۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

اس لڑکی نے خوشی اور تشکر کے ملے جلے تاثرات سے وہ چٹ تھامی تھی اور اس کا شکریہ ادا کر کے اٹھ گئی تھی۔

"نیکسٹ......"

اس نے گھنٹی بجا کر اگلے مریض کو اندر بلایا تھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ مگر وہ ڈاکٹر سعید خان کو کال کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

"السلام علیکم امی......" ہادی نے تھکے ہوئے انداز میں ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا......" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا اور ہاتھ میں تھاما اخبار لپیٹ کر ایک طرف میں رکھا تھا۔

"بچے اسکول چلے گئے۔"

ہادی نے گرم چائے کپ میں نکالی تھی۔ اس وقت گرم گرم چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ وہ نائٹ ڈیوٹی کر کے گھر آیا تھا۔ اور اس وقت بھوک اور نیند سے برا حال تھا۔ سو وہ فریش ہو کر ناشتہ کرنے چلا آیا۔ پھر سونے کا ارادہ تھا۔

"ہاں بیٹا چلے گئے ہیں۔ بس رافع اپنے کمرے میں ہے۔ کہہ رہا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس لیے نہیں گیا، میں نے بھی کہا کہ اچھا ہے آرام کرے۔" انہوں نے ہاٹ پاٹ سے پراٹھا نکال کر ہادی کے سامنے رکھی پلیٹ میں رکھا اور ساتھ ہی آملیٹ بھی دیا۔

"امی میں کئی دنوں سے نوٹس کر رہا ہوں کہ رافع کی پڑھائی میں دلچسپی بہت کم ہو گئی ہے۔ آئے دن اسکول سے چھٹیاں کرتا ہے اور گھر پہ بھی کم ہی نظر آتا ہے۔ آپ پلیز خیال رکھیں۔ نظر رکھا کریں اس پہ......"

ہادی نے چائے کا مگ رکھتے ہوئے پریشان کن انداز میں ماں سے کہا تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ کل رات اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر رافع پوری رات دوستوں کے ساتھ گزار آیا ہے اور طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اپنی نیند پوری کر رہا ہے۔

"بیٹا! میں تو پوری کوشش کرتی ہوں کہ جتنا ہو سکے بچوں کا خیال رکھوں مگر میں بھی کیا کروں۔ مجبور ہوں۔"

دو سال پہلے ان پہ فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ جس کے بعد وہ اچھے مستقل علاج اور فزیوتھراپی سے بیڈ پہ سے وہیل چیئر تک تو آ گئی تھیں۔ مگر پھر بھی ان کے لیے چوبیس گھنٹے بچوں پہ نگاہ رکھنا مشکل تھا اور پھر رافع نوجوان ہو رہا تھا۔ وہ زندگی کو ایک نئے رخ سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اسے شدید توجہ اور رہنمائی کی ضرورت تھی۔ جو کہ اسے نہیں مل رہی تھی۔ اور یہی بات ہادی کو پریشان کر رہی تھی کہ کہیں خدانخواستہ وہ بگڑ نہ جائے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! مگر ہم اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں...... اور وہ رفعت وہ بھی تو ہے نا...... اس کو اتنے پیسے کس بات کے دیتا ہوں میں اس لیے نا کہ وہ بچوں کا خیال رکھے۔ مگر الٹا بچوں کو روز اس سے کوئی نئی شکایت رہتی ہے۔ اور رہی بات صبا کی تو اس کا اپنا گھر ہے۔ ذمہ داریاں ہیں۔ وہ روز روز تو یہاں نہیں آ سکتی نا۔"

ہادی نے ماں کو پریشان دیکھ کر انہیں سمجھایا تھا۔

"رفعت کی بھی خوب کہی بیٹا تم نے...... اسے تو

بس اب اپنے پیسوں سے مطلب ہے۔ یوں بھی اس کے بیٹے کو نوکری مل گئی ہے تو وہ اب ماں سے کام چھڑانا چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کام چھوڑ جائے پھر تو کیا ہوگا۔''

رفعت کے نوکری چھوڑنے کا سن کر ہادی بھی حقیقتاً پریشان ہوگیا تھا۔ گھر میں رفعت کے علاوہ ایک ملازم لڑکا بھی تھا ناصر، جو رفعت کی کچن میں مدد کرنے کے علاوہ باہر کے بھی کام نمٹا دیا کرتا تھا۔

''چلیں اللہ خیر کرے گا امی۔۔! آپ اتنا پریشان نہ ہوں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ کچھ نہ کچھ بندوبست ہوجائے گا۔''

ہادی نے اپنی فکر چھپاتے ہوئے پریشان ماں کو تسلی دی تھی اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے ان کا دھیان بٹانے لگا تھا۔ ناشتے کے بعد امی کی فزیوتھراپسٹ آگئی تو وہ آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ کیونکہ دو بجے پھر اسے ڈیوٹی پہ جانا تھا اور تب تک وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

''مومنہ بیٹے! یہاں بیٹھو میرے پاس۔''

رات کے کھانے کے بعد جب وہ ابا کو چائے دے کر جانے لگی تو ابا نے اسے روک لیا تھا۔

''جی ابا بولیں..... کچھ چاہیے آپ کو طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟''

وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے بولی تھی۔ اس کے پاس اب باپ کا ہی سہارا تھا۔ ہر دم اس ان میں ہی جان اٹکی رہتی تھی۔

''ارے نہیں کچھ نہیں چاہیے مجھے اور طبیعت بھی ٹھیک ہے میری۔ تو فکر نہ کر۔''

انہوں نے مسکرا کر کہتے ہوئے چائے کا سپ لیا۔ ان کی مسکراہٹ دیکھ کر مومنہ کے چہرے پہ اطمینان اتر آیا تھا۔

''مومنہ تو چائے بالکل اپنی ماں جیسی بناتی ہے۔ وہ بھی بالکل ایسی ہی چائے بناتی تھی۔ جس کا ایک گھونٹ ہی ساری تھکن اتار دیتا تھا۔ ہا آہ.....

بڑی جلدی تھی اسے جانے کی..... اکیلا کر گئی ہم دونوں کو.....''

ماں کے ذکر پہ باپ کے چہرے پہ اترتا ہوا دکھ مومنہ نے واضح محسوس کیا۔ دو سال پہلے اماں اچانک ہی چل بسیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کا غم بانٹنے کو اکیلے رہ گئے اور اب ابا کی صحت بھی دن بدن گرنے لگی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ ڈاکٹر ہادی سے اسے ڈاکٹر سعید خان کا پتا مل گیا تھا۔ اور وہ وہاں ابا کو وہاں لے گئی تھی۔ وہاں ابا کا علاج شروع ہوگیا تھا اور مہینے بعد آپریشن کی تاریخ بھی مل گئی تھی۔ اور یہ سب مفت ہو رہا تھا۔

''آج اماں بہت یاد آرہی ہیں ابا آپ کو.....''

اس نے ذہن سے ہر وسوسے کو جھٹک کر ان سے پوچھا تھا جن کے چہرے پہ ابھی بھی کسی کی یاد نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

''وہ نیک بخت بھولی ہی کب تھی۔'' ابا نے سرد آہ بھری۔

''مومنہ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔''

''ابا! آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ آپ ٹھیک ہوجائیں گے ان شاء اللہ اگر آپ ہی ایسی باتیں کریں گے تو مجھے ہمت کون دے گا۔''

مومنہ نے دل میں ابھرتے وسوسوں سے گھبرا کر انہیں ٹوک دیا تھا۔

''میں بھی بس تمہاری خاطر ہی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مگر میرے بچے! بھلا زندگی اور موت پہ کب کسی کا بس چلا ہے۔ ہو سکے تو اپنے زور بازو پہ بھروسا رکھنا اور نہ کر سکو تو اپنی خالہ کے پاس چلی جانا۔ وہ غریب ہیں مگر ان کا دل بڑا ہے، اپنے تایا کے پاس کبھی نہ جانا وہ بخیل انسان ہیں انہوں نے ساری زندگی مجھے سوتیلا ہی سمجھا، ارے مومنہ! روکیوں رہی ہو بیٹا۔''

باتیں کرتے کرتے یکدم ہی ابا کی نظر اس کے چہرے پہ پڑی تھی جہاں آنسو ایک قطار کی صورت گر

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

رہے تھے۔ وہ بے ساختہ ہی اٹھ بیٹھے تھے۔

''ابا پلیز! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے، آپ کو کچھ نہیں ہوگا، ورنہ میں بھی مرجاؤں گی۔ میں اکیلی کیسے رہوں گی اور کیوں رہوں۔''

وہ روتی ہوئی ابا کے سینے سے آ لگی تھی۔ وہ ہولے ہولے اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے سمجھانے لگے۔ ان کا مقصد صرف مومنہ کو زمانے کی اونچ نیچ سمجھانا تھا۔ مگر وہ پگلی تو بس روئے ہی جارہی تھی۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا اور حسب معمول وہ ڈاکٹر سعید خان کے خیراتی اسپتال میں موجود تھا۔ جہاں یہ وہ ہر اتوار کو مریضوں کو مفت دیکھتا تھا اور اس وقت لنچ ٹائم تھا۔ ہادی لنچ کے لیے اسپتال کے کیفے کی طرف جارہا تھا۔ تبھی اوٹی کے باہر سیاہ چادر میں لپٹی لڑکی پہ اس کا نگاہ پڑی تھی۔ چہرہ جانا پہچانا سا لگا تھا۔

''ارے یہ تو وہی ہے جو میرے پاس اپنے فادر کے ساتھ آئی تھیں اور میں نے انہیں ڈاکٹر سعید خان کے پاس بھیجا تھا۔''

''ایکسکیوزمی۔'' وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔

''آپ یہاں، آپ کے والد صاحب کیسے ہیں؟'' ہادی نے اس کے قریب پہنچ کے سوال کیا۔

''ڈاکٹر صاحب! آج صبح اچانک میرے ابا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ میں انہیں یہاں لے آئی اور اب وہ کب سے اندر ہیں مگر کوئی بھی کچھ نہیں بتارہا ہے۔''

وہ ہادی کو دیکھ کر پریشانی سے بولی۔

''اچھا آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اندر جاکر پتا کرتا ہوں۔ آپ حوصلہ کریں مومنہ۔''

ہادی اسے تسلی دے کر آپریشن تھیٹر کا بھاری دروازہ دھکیل کر اندر چلا گیا تھا اور مومنہ نم آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

دس منٹ بعد اوٹی کا دروازہ کھلا تھا۔ مومنہ سرعت سے قریب آئی تھی اور بڑی آس بھری نگاہوں سے ہادی کو دیکھا تھا۔ جو ایک مضبوط اعصاب کا مالک ڈاکٹر ہوتے ہوئے بھی اس لمحے الفاظ جمع کررہا تھا کہ وہ سامنے کھڑی لڑکی کو کیسے بتائے کہ تقدیر نے اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیلا ہے۔

''ڈاکٹر صاحب..... میرے ابا ٹھیک ہیں نا..... وہ ٹھیک تو ہوجائیں گے نا..... میں ان سے مل لوں۔''

آنکھوں میں نمی لیے اس کے لہجے میں آس و امید کے ساتھ اور کئی وسوسے بھی تھے۔

''مومنہ.....!'' وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔

''آپ کے ابا اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔ آئی ایم سوری.....'' مومنہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ ہادی نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر ہلکا سا تھپتھپایا تھا۔

''حوصلہ کریں۔ اللہ کی یہی مرضی تھی۔''

وہ مڑ کر واپس اسی دروازے کے پیچھے گم ہوگیا تو مومنہ منہ پر ہاتھ رکھے دیوار کے سہارے زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

مومنہ کے والد کے انتقال کا سن کر ہادی کے دل پہ ایک بوجھ سا آ گرا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مومنہ کا اپنے والد کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی نہ تھا اور بنا والدین کے زندگی گزارنا کیسا ہوتا ہے یہ ہادی اچھی طرح جانتا تھا۔

ہادی کے والد کا جب انتقال ہوا تب ہادی میڈیکل کے آخری سال میں تھا اس کے لیے وہ دن بہت مشکل تھے۔ اسے لگتا تھا کہ وہ یکدم ہی گھنی چھاؤں سے نکل کر کڑی دھوپ میں آ گیا ہے۔ بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے بھی اسے باپ کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ پھر چار سال پہلے بڑی بھابی کا انتقال اور احد بھائی کا دیار غیر جا بسنا۔ اپنی اولاد سے لاتعلقی اختیار کرلینا..... امی کی بیماری، چھوٹی بہن، بیمار ماں اور چار چھوٹے بچے یہ سب یک

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

دم ہی ہادی کی ذمہ دار بن گئے تھے۔ ان مشکل حالات کو ہادی نے کیسے سامنا کیا اور سنبھالا یہ صرف ہادی ہی جانتا تھا۔ لیکن اب بعض دفعہ وہ تھکنے لگتا تھا۔ چڑ جاتا تھا۔

وہ جانے کب تک یونہی اپنی سوچوں میں گم بیٹھا رہتا کہ دروازے پہ ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا تھا۔

"بس جی آجائیں۔"

ہادی نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو سنبھالا۔ گلاسز آنکھوں پہ لگائے اور کرسی پہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"مومنہ آپ۔" ستے چہرے اور سوجی آنکھوں سمیت مومنہ کو دروازے سے اندر آتا دیکھ کر وہ بے اختیار ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ سے ایک ریکویسٹ کرنا تھی۔"

کالی چادر کے ہالے میں لپٹے اس کے چہرے پہ اس لمحے دکھ و غم کے علاوہ شرمندگی و تکلیف کے آثار بھی تھے۔

"جی ضرور کہیے، مجھے خوشی ہوگی اگر میں آپ کے کسی کام آسکا تو آپ بیٹھیے پلیز۔"

ہادی نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا تھا اور ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اسے لگا کہ مومنہ کو اس لمحے اس کی ضرورت ہے۔ مومنہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس تھام کر ایک گھونٹ بھر کر گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ ہادی منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مومنہ! جو بھی بات ہے پلیز آپ اطمینان سے کہیں....." ہادی نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

"دراصل، وہ دراصل میں چاہتی ہوں کہ انہیں یہاں سے لے جانے کا انتظام کرلوں۔ پھر انہیں لے جاؤں گی۔" تمام تر ہمت جمع کر کے اس نے کتنی مشکلوں سے یہ بات سامنے بیٹھے شخص سے کہی تھی۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔

ہادی کو اس لمحے اس لڑکی پہ جی بھر کر ترس آیا تھا۔ قدرت بھی انسان کو کیسی کیسی آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔

"مومنہ آپ اٹھیں میرے ساتھ چلیں۔" ہادی اس لمحے ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"لیکن کہاں.....؟" یہ سوال اس کے لبوں سے زیادہ چہرے پہ تحریر تھا۔

"بھروسا رکھیں..... میرے ساتھ آئیں پلیز۔"

ہادی مومنہ کو لے کر ڈاکٹر سعید خان کے پاس چلا آیا تھا اور جب ڈاکٹر سعید خان کے سامنے ساری صورتحال آئی تو ان کے دل کو تاسف نے گھیر لیا تھا۔ پھر اس دن مومنہ کے والد کی تدفین کے سارے انتظامات ڈاکٹر سعید خان کے ساتھ مل کر ہادی نے کیے تھے۔ مومنہ نے لوگوں کے پوچھنے پہ یہی کہا کہ وہ لوگ ابا کی فیکٹری سے ہیں۔ دنیا دکھاوے کو تایا جنازے میں شریک ضرور ہوئے تھے مگر گھر کے اندر آکر مومنہ کے سر پہ ہاتھ رکھ کر تسلی کے دو بول تک نہ بولے شاید اس خوف سے کہیں جوان لڑکی کی ذمہ داری ان کے سر نہ آجائے۔ کیونکہ اس وقت اس کے سب سے زیادہ قریبی رشتے دار وہی تھے یا خالہ جو ابا کے انتقال کی خبر سن کر ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی تھیں اور اب مومنہ کو خود سے لگائے بیٹھی تھیں اور مومنہ کے منہ سے اس کی بے بسی کی داستان سن کر اسی شدت سے رو رہی تھیں۔ جتنی شدت سے مومنہ کو اس کے سارے خسارے رلا رہے تھے۔ تب ہی کسی نے آکر اس سے کہا کہ ابا کی فیکٹری سے جو لوگ آئے ہیں وہ اسے بلا رہے ہیں۔ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ اٹھ کر دروازے تک آئی تھی۔ ستا چہرہ سوجی سرخ آنکھیں۔ غم سے نڈھال مومنہ پہ اس لمحے ہادی کو بے حد ترس آیا تھا۔

"مومنہ! معذرت چاہتا ہوں اس وقت آپ کو ڈسٹرب کیا..... یہ آپ کے والد کی کچھ چیزیں جو ہاسپٹل والوں نے دیں..... اور یہ میرا اور

www.pakistanipoint.com

ڈاکٹر سعید کا کارڈ اس پہ تمام نمبرز اور ایڈریس سب موجود ہیں آپ کو بھی کوئی بھی کام ہو آپ بلا جھجک کہہ سکتی ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی آپ کے کام آ کر۔''

ہادی نے ہاسپٹل کی فائل کے ساتھ ایک زپ لاک بیگ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ جس میں ابا کا والٹ اور ان کا ایک سستا سا موبائل تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ چیزیں تھام لی تھیں۔

''آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں آپ کو دینے کے لیے۔''

سوکھے لبوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔ آنکھوں میں پھر سے پانی بھرنے لگا تھا۔

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں مومنہ! یہ ہمارا فرض تھا، چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔''

ہادی نے ہولے سے اس کا سر تھپکا تھا اور وہاں سے چلا آیا تھا کہ مزید اس سچویشن میں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ تشکر کے مارے مومنہ کو خود پہ قابو پانا مشکل لگ رہا تھا۔ اس مطلبی دنیا میں آج بھی ایسے لوگ بستے ہیں جو بنا کسی غرض اور لالچ کے اس حد تک کسی کی مدد کرتے ہیں۔ یہ مومنہ نے آج جانا تھا۔

☆☆☆

ہادی مخل طبیعت کے ساتھ گھر آیا تھا۔ آج کا دن اس پہ بہت بھاری گزرا تھا۔ مومنہ کو دیکھ کر اسے وہ وقت یاد آ گیا تھا۔ جب اس کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ دل عجیب اداس سا ہو رہا تھا۔ مگر گھر میں داخل ہوتے ہی تیز بجتے بلکہ چنگھاڑتے میوزک نے طبیعت مزید مکدر کر دی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ یہ کس کا کام ہے۔ وہ اندر لاؤنج میں آیا تو سامنے لگے ایل ای ڈی پہ کوئی انڈین سونگ فل آواز میں چل رہا تھا اور سامنے لہک لہک کر جھاڑو لگاتی وہی شخصیت تھی جس کی ہادی توقع کر رہا تھا۔ ہادی نے آگے بڑھ کر ایل ای ڈی بند کیا تو وہ تڑپ کر پیچھے مڑا تھا۔

''ہا..... ہاد..... ہادی بھائی آپ.....''

جھاڑو وہیں پھینک کر وہ گرتا پڑتا ہادی کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ..... یہ کوئی طریقہ ہے۔ باہر گیٹ تک آواز آ رہی ہے میوزک کی..... کیا سوچتے ہوں گے محلے والے۔''

ہادی نے ہاتھ میں پکڑی چیزیں وہیں ٹیبل پہ رکھیں اور خود بھی تھکا تھکا سا وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

''وہ ہادی بھائی... ! آپ کو پتا ہے نا کہ مجھ سے میوزک کے بنا کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔''

وہ بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آیا تھا۔

''تو میوزک انسانوں کی طرح بھی سنا جا سکتا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے گھر میں بچے ہیں..... امی ہیں ان پہ کیا اثر پڑے گا۔''

ہادی نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اسے ڈپٹا تھا۔ ناصر اس گھر کا چہیتا ملازم تھا۔ دراصل بابا کے زمانے میں ان کے یہاں ایک چوکیدار تھے۔ ناصر ان کا بیٹا تھا۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ یہیں رہتا تھا۔ یہاں بھی کوئی اسے ملازم نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح ہی تھا پڑھائی سے اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ میٹرک کے بعد اس نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ کچن تو زیادہ تر وہی سنبھالتا تھا۔

بس مسئلہ یہ تھا کہ عورتوں والی عادات و خصوصیات اس میں ذرا زیادہ تھیں۔

میوزک کے بنا ایک قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''کہاں ہیں سب لوگ اور رفعت کہاں ہیں تم کیوں ان کے کام کر رہے ہو.....''

ہادی نے ادھر ادھر دیکھا تھا اس وقت کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ امی، نہ بچے، پتا نہیں سب کہاں تھے۔

''لو جی ہادی بھائی آپ کو پتا ہی نہیں رفعت باجی کو تین دن ہوئے ان کا بیٹا آ کر لے گیا ہے۔ تب

www.paksociety.com

سے مجھ غریب کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ جھاڑو پونچھا لگا لگا کر اور آپ کو خبر ہی نہیں۔ اب میں غریب اکیلا کیا کیا کروں جی کچن دیکھوں۔ باہر کے کام دیکھوں یا صفائیاں کروں جی اور بچے امی جی کے کمرے میں ہیں جی، بلاؤں اور ہاں ہادی بھائی امی جی کی فزیوتھراپسٹ کا فون آیا تھا جی وہ کل سے نہیں آئے گی اسے کہیں اور نوکری مل گئی ہے۔''

''اور کوئی بری خبر ہے تو وہ بھی سنا دو ناصر.....''

ہادی نے سر اور آنکھوں کو انگلیوں سے دباتے ہوئے بے زاری انداز میں کہا۔ تو وہ کھی کھی کرنے لگا تھا۔ ہادی نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

''میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں جی.....''

وہ گھبرا کر بھاگا تو وہ بھی اٹھ کر فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

☆☆☆

وہ سب اس وقت رات کے کھانے پہ جمع تھے۔ آج صبا بھی آئی ہوئی تھی۔ صبا ہادی سے چھوٹی تھی۔ اور اس کی شادی کو دو سال ہوئے تھے۔ اس کی ایک سال کی بیٹی بھی تھی۔ وہ یہیں قریب ہی رہتی تھیں۔ اس لیے اکثر ہی خبر گیری کو آ جایا کرتی تھی۔ مگر وہ روز روز نہیں آ سکتی تھی کہ اسے اپنا گھر بھی دیکھنا تھا۔ اس وقت بھی وہ ناصر کے ساتھ مل کر ٹیبل لگوا رہی تھی۔ اس کی بیٹی عنایا امی جی کی گود میں بیٹھی تھی..... باقی مریم..... شزا اور واسع بھی وہیں موجود تھے۔ سوائے رافع کے۔

''رافع کہاں ہے.....؟''

ہادی نے میز کے گرد رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ اپنے دوستوں کی طرف نکلا ہوا ہے۔ کمبائن اسٹڈی کا پلان تھا۔ کھانا بھی وہیں کھائے گا، مجھے بتا کر گیا ہے۔''

امی جان نے گود میں بیٹھی ایک سالہ عنایا کو سیریلیک کھلاتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں امی کہ رافع زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا ہے اور پڑھائی پہ اس کی توجہ بالکل بھی نہیں ہے۔'' وہ فکر مندی سے بولا تھا۔

ہادی نے امی کی گود میں بیٹھی عنایا کو پیار کیا تو وہ اس کی توجہ پا کر کھلکھلائی تھی اور اس کے پاس آنے کے لیے ہمکنے لگی تھی۔ ہادی نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے شزا کی پیٹ میں چاول نکالے تھا۔

''چاچو! آپ کو یاد ہے نا کہ آپ نے کل ہمارے اسکول آنا ہے۔ پیرنٹس ٹیچرز میٹنگ ہے۔'' مریم نے کھانا کھاتے ہوئے اسے یاد دلایا تھا۔

''اوہاں..... اچھا کیا آپ نے یاد دلا دیا بیٹا..... میرے تو ذہن سے بالکل ہی نکل گیا تھا۔''

ہادی حقیقتاً بھولا ہوا تھا کہ اسے کل بچوں کے اسکول جانا تھا۔

''کتنے بجے تک آنا ہوگا بیٹا؟'' ہادی نے اس سے پوچھا تھا۔

''چاچو دس بجے تک لیکن آپ یاد سے آ جایئے گا پلیز، بھول مت جایئے گا۔''

''او کے میری جان آپ اطمینان سے کھانا کھاؤ، چاچو یاد آ جائیں گے۔'' ہادی نے بھنویں سکوڑ کر ہلکی مسکراہٹ سے تینوں کو دیکھا تھا۔

''تھینک یو چاچو.....'' وہ تینوں ایک ساتھ بولے تو وہ مسکرا دیا تھا۔

اسی لمحے صبا نے آ کر عنایا کو اس کی گود سے لیا تو وہ بھی کھانے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''اف..... اتنا نمک.....''

پہلا لقمہ لیتے ہی اس کے منہ میں جیسے زہر سا گھل گیا تھا۔ ''یہ ناصر آخر کرتا کیا ہے امی، سالن میں نمک ڈالا ہے یا نمک میں سالن گھول دیا ہے۔ اندازہ بھی ہے، کہ یہ نمک صحت کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے۔''

ہادی نے بے زاری اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے پلیٹ تھی۔ اس کی ساری بھوک ہی مر گئی تھی۔

www.pakistanipoint.com

''ایک میری اکیلی جان ہادی بھائی! میں کیا کیا کروں۔ گھر دیکھوں باہر کے کام دیکھوں اگر ذرا سا نمک تیز ہو گیا تو کیا ہوا'' ناصر نے کچن سے نکل کر چمچہ لہراتے ہوئے فوراً ہی اپنا دفاع کیا تھا۔

''ایک تو اس لڑکے کی ڈرامے بازیاں ختم نہیں ہوتیں۔''

ہادی نے اسے تیز نگاہ سے دیکھا تھا۔ جو رونی شکل بنائے کھڑا تھا۔

''صبا پلیز یار تم کوئی فل ٹائم میڈ تلاش کر کے دو..... کم از کم کھانا تو ڈھنگ کا ملے.....''

ہادی نے ہمیشہ کی طرح صبا سے مدد مانگی تھی۔

''میں تو آج بھی ایک عورت کو ساتھ لائی تھی مگر امی کو وہ پسند نہیں آئی۔'' صبا نے ماں کی طرف آنکھوں سے اشارہ کر کے ہادی کو بتایا تو ہادی نے ماں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ہاں مجھے وہ عورت تھوڑی عجیب سی لگی عجیب نگاہوں سے گھر کو بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ میرا دل نہیں چاہا کہ اسے پورے گھر کی ذمہ داری دے کر پورا گھر اس کے حوالہ کر دوں۔''

انہوں نے جو محسوس کیا وہ بتا دیا تھا۔

''تم کہاں چلے، کھانا تو کھا لو نا، یہ چاول تو یہ صبا نے بنائے ہیں۔'' امی نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا تھا۔

''بھوک نہیں ہے امی.....!''

وہ کہہ کر کمرے میں چلا گیا تھا۔ ایک تھکا دینے والے دن کا اختتام بھی تھکا دینے والا ہوا تھا۔

''ویسے امی آپ ہادی کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں؟''

''وہ نہیں مانے گا یہ تجویز اسے کئی بار دے چکی ہوں مگر وہ نہیں مانتا ہے۔''

امی نے قطعی انداز میں کہہ کر پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا..... کہ سالن میں نمک واقعی تیز تھا۔ چند لقموں سے زیادہ کھایا ہی نہیں گیا تھا۔

''مگر کیوں۔'' صبا نے اچنبھے سے پوچھا۔

''وہ کہتا ہے کہ پہلے رافع پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو جائے تاکہ اپنے بہن بھائیوں کی ذمہ داری اٹھا سکے۔ پھر وہ اپنے بارے میں سوچے گا۔'' انہوں نے اسے ہادی کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔

''مگر امی اس میں تو کئی سال لگ جائیں گے تب تک ایسا کیسے چلے گا۔ آپ جانتی ہیں کہ میں آپ لوگوں کی طرف سے کتنی پریشان رہتی ہوں۔ میرا سارا دھیان یہیں لگا رہتا ہے۔ کم از کم ہادی کی شادی سے میں اور آپ تو سکون میں آ جائیں گے نا، بچے بھی اپنی لائف میں سیٹل ہو ہی جائیں گے وہ کب تک اس طرح بیٹھا رہے گا۔''

صبا سچ کہہ رہی تھی اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی اسے یہاں کی فکر زیادہ رہتی تھی۔

''میں تمہاری پریشانی سمجھ سکتی ہوں بیٹا۔ مگر تمہیں پتا ہے نا کہ ہادی اپنی دھن کا کتنا پکا ہے۔ جو ایک بار ارادہ کر لے پھر وہی کرتا ہے۔ تم اتنی فکر مت کرو اللہ مالک ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا اور وہ یقیناً ہم سب کے لیے بہتر ہی ہوگا۔''

انہوں نے بیٹی کو تو تسلی دے دی تھی مگر سچ یہی تھا کہ وہ یہی سب سوچ سوچ کر ہمہ وقت پریشان رہتی تھیں۔

☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پہ مریم نے پھر اسے یاد دلایا تھا کہ اسے آج ان کے اسکول جانا ہے۔

وہ خود بھی چاہ رہا تھا کافی دنوں سے وہ ان کے اسکول جائے اور بچوں کی پڑھائی کی رپورٹ لے خاص کر رافع کی، وہ دیکھ رہا تھا کہ رافع پڑھائی سے بھاگ رہا ہے۔ بس سارا دن آوارہ گردی، موبائل اور دوست اور آج کل کے نوجوانوں کا نیا شوق ٹک ٹاک پہ وڈیو بنانے کا۔ اور فینز جمع کرنے کا وہ بھی اسی میں مشغول رہتا تھا۔ اس لیے ہادی چاہتا تھا کہ وہ اس کے اسکول سے رپورٹ لے اور پھر اچھی طرح سے اسے بیٹھ کر سمجھائے اور وہی ہوا تھا۔ اسکول میں مریم..... واسع اور شزا کی رپورٹ تسلی بخش تھی۔ لیکن

Haqar Azeem www.pakistanipoint.com

رافع کی ٹیچر نے شکایتوں کے انبار لگا دیے تھے۔ جنہیں سن کر ہادی شرمندہ ہو رہا تھا۔ جبکہ اس کے قریب کھڑا رافع مسکراہٹ دبائے ایسے کھڑا تھا جیسے اس ڈانٹ کو بھی انجوائے کر رہا ہو۔ اور ہادی کو پورا یقین تھا کہ وہ اس لمحے کو بھی وڈیو میں ریکارڈ کر رہا ہوگا اور بعد میں وہ اس ڈانٹ کو بھی اپنی مظلومیت کی داستان بنا کر اپلوڈ کرے گا اور ہزاروں لائکس اور کمنٹس سمیٹے گا۔

ہادی خراب موڈ کے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ آج اچھی طرح رافع کی کلاس لے گا۔ وہ تیزی سے وہاں سے باہر آیا تھا۔ کیونکہ اسے ہاسپٹل سے دیر ہو رہی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے ابھی گاڑی اسٹارٹ ہی کر رہا تھا کہ کسی نے اسی سائیڈ سے شیشے پہ دستک دی تھی۔ ہادی نے گردن موڑ کر دیکھا اور فوراً ہی گاڑی سے اتر آیا تھا۔ کیونکہ اخلاق کا تقاضا ہی تھا۔

''ارے مومنہ آپ یہاں، خیریت ہے۔'' اس نے آنکھوں پہ ٹکے گاگلز اتار کر پاکٹ میں اٹکائے تھے۔

''جاب کے لیے آئی تھی۔''

مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تاثر ضرور تھا۔ جس نے ہادی کو چونکا دیا تھا۔

''جاب۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔

''آئی تھینک جاب تو آپ کے پاس تھی نا.....''

''اب نہیں ہے اس لیے یہاں آئی ہوں۔ مگر یہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔''

''اوہ.....'' ہادی کو افسوس ہوا مگر اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔ مومنہ کی سنجیدگی اور لیا دیا انداز اسے زیادہ کچھ کہنے سے روک رہا تھا۔

''یہ آپ کے پیسے، اچھا ہوا آپ یہیں مل گئے ورنہ میں یہاں سے نکل کر آپ کے ہاسپٹل ہی آ رہی تھی۔'' مومنہ نے اپنے بیگ سے کچھ پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے تھے ہادی جانتا تھا کہ وہ کون سے پیسے ہیں۔

''مگر یہ تو.....'' ہادی نے ہاتھ آگے نہیں بڑھائے تھے۔

''جب مجھے آپ کی مدد کی ضرورت تھی۔ میں نے خود بڑھ کر آپ سے مانگی۔ مگر آپ نے میرے بابا کے والٹ میں یہ رقم کیا سوچ کر رکھی، میں نہیں جانتی۔ مگر میں اس کی مستحق نہیں ہوں۔ یہ کسی مستحق کو دے دیجیے گا۔''

ہادی نے اس رات جب جاتے وقت اسے بابا کی چیزیں پکڑائی تھیں تو مومنہ اس وقت غم سے اس قدر نڈھال تھی کہ اس نے بنا دیکھے ہی وہ ساری چیزیں بابا کی الماری میں رکھ دی تھیں۔ لیکن جب ذرا ہوش سنبھالا تو یوں ہی وہ ابا کی چیزیں نکالے بیٹھی اپنے تنہا رہ جانے کا غم منا رہی تھی۔ کیونکہ آج خالہ بھی نا چاہتے ہوئے اسے تنہا چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ تب ہی اس کی نگاہ ابا کے والٹ سے جھانکتے ہزار ہزار کے کئی نوٹوں پر پڑی تھی۔ اس نے حیرت سے وہ نوٹ باہر نکال لیے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ابا کے انتقال کے روز ان کے والٹ میں کتنی رقم تھی اور اب یہ اتنے سارے پیسے کہاں سے آئے تھے۔ اس کا ذہن ڈاکٹر ہادی کی طرف گیا تھا۔ اور اسے پورا یقین تھا کہ یہ رقم یقیناً اس نے ہی رکھی ہے۔

لمحہ بھر کو اس رقم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے تھے۔ وہ اس رقم سے اپنی کتنی ہی ضرورتیں پوری کر سکتی تھی۔ گھر کا کرایہ دے سکتی تھی اور ایسے میں جب اس کی جاب بھی ختم ہو گئی تھی۔ اسے اس رقم کی بہت ضرورت تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے تشکر پہ عزت نفس حاوی ہونے لگی تھی۔ کیا وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ وہ یوں کسی کے دیے ہوئے پیسوں پہ گزارہ کرے گی۔ نہیں قطعی نہیں ابھی اس میں اتنا حوصلہ اتنی طاقت و ہمت تھی کہ وہ آگے بڑھ کر زندگی کا مقابلہ کر سکے اور اس کے قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ اس نے وہ رقم اٹھا کر امانتاً سنبھال کر رکھ دی تھی۔

www.pakistanipoint.com

وہ آج گھر سے یہی سوچ کر نکلی تھی کہ انٹرویو کے بعد وہ ڈاکٹر ہادی کے پاس جائے گی اور انہیں یہ رقم لوٹا دے گی۔ مگر اتفاق تھا کہ یوں سر راہ ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری مومنہ، یہ رقم میں نے ہی آپ کے بابا کے والٹ میں رکھی تھی مگر کسی غلط سوچ یا نیت سے نہیں۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ بس مدد کے خیال سے رکھی تھی کہ شاید آپ کو ضرورت پڑ جائے۔"

حالانکہ ہادی کا ارادہ اور نیت دونوں ہی نیک تھے مگر پھر بھی اس نے فوراً ہی مومنہ کی دل آزاری کے خیال سے اس سے معذرت کی تھی۔ اگلے انٹرویو کا وقت ہونے والا تھا۔ اور دوسرا اسکول یہاں سے خاصا دور تھا۔ اس لیے وہ سر ہلا کہ آگے بڑھ گئی۔ جبکہ ہادی ہاتھ میں رقم تھامے دور جاتی مومنہ کو دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ ارادہ اب بھی نیک ہی تھا بس اللہ مدد کرے۔

وہ سر جھٹک کر گاڑی میں آ بیٹھا تھا کہ ڈیوٹی ٹائم شروع ہونے والا تھا۔

☆☆☆

ہادی ہاسپٹل سے گھر آیا تو صبا بھی آ چکی تھی دراصل آج ہادی نے ہی اسے فون کر کے یہاں آنے کو کہا تھا۔ وہ جو بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے امی کے ساتھ صبا کی موجودگی بھی ضروری تھی۔ دونوں کی رائے اور مشورے سے ہی وہ یہ کام کرنا چاہتا تھا۔

مسلسل ایک ہفتے سے وہ اس مسئلے پہ ہی سوچ رہا تھا۔ رفعت کے چلے جانے کے بعد اسے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے یہی مناسب لگ رہا تھا۔ وہ فریش ہو کر آیا تو صبا چائے بنا چکی تھی۔

"چائے تم نے بنائی ہے۔"

ہادی نے لہرا کر آتے ہوئے ناصر کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نہیں، صبا باجی نے بنائی ہے۔" اس نے ایک ادا سے ٹرے لا کر ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔

"شکر ہے۔ ورنہ میرا جوشاندہ پینے کا کوئی موڈ نہیں تھا اس وقت۔" ہادی نے پلیٹ سے بسکٹ اٹھا کر منہ میں رکھا اور چائے کا مگ اٹھا لیا۔ ناصر اس کی بات پہ خفگی سے الہڑ محبوبہ کی طرح پیر پٹخ کر کچن میں چلا گیا تھا۔ صبا امی کو بھی وہیں لے آئی تھی۔

"ہاں بتاؤ بیٹے کیا بات ہے۔ جس کا تم کل ذکر کر رہے تھے۔"

امی نے چائے کا گھونٹ لے کر اس سے پوچھا۔ صبا بھی اس کی طرف ہی متوجہ تھی۔

"امی بات یہ ہے کہ ہم تینوں ہی گھر، بچوں اور آپ کی دیکھ بھال کے لیے پریشان ہیں اور کتنے ہی دنوں سے آپ دونوں ایک فل ٹائم میڈ ڈھونڈ رہی ہیں۔ جو قابل بھروسا بھی ہو مگر فی الحال اس کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا ہے تو میرے پاس اس کا ایک حل ہے اگر آپ دونوں کو مناسب لگے تو۔"

ہادی نے باری باری ماں اور بہن دونوں کے چہروں پہ نگاہ ڈالی تھی۔

"کیسا حل......" صبا نے فوراً ہی پوچھا تھا۔ ذہن آج کل بس ہادی کی شادی میں پھنسا رہتا تھا۔ وہ سمجھی کہ ہادی بھی ایسا ہی کوئی ارادہ کیے بیٹھا ہے۔

"دراصل ایک لڑکی ہے امی...... مومنہ......"

"او...... لڑکی......"

صبا نے ہونٹ سکوڑے تو ہادی نے اسے خفگی سے دیکھا۔ وہ معنی خیز سا مسکرا کر سیدھی ہوئی تھی۔

"میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ ہم اسے کیئر ٹیکر رکھ لیں بس...... کیونکہ اس وقت اسے جاب اور رہائش دونوں کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اس سے بات کروں۔"

"مگر بیٹا! وہ کون ہے کہاں سے ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو۔" سوال امی کی طرف سے آیا تو ہادی نے انہیں وہ سب کہہ سنایا تھا کہ جتنا وہ جانتا تھا۔ جسے سن کر وہ بھی سے مومنہ کے لیے دکھی ہوئی تھیں۔

"وہ ایک قابل بھروسا اور دیانت دار لڑکی ہے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس کی گارنٹی میں آپ کو دیتا ہوں۔ باقی آپ دونوں کی مرضی ہے جیسے کہیں۔"
ہادی نے فیصلے کا حق اب ان دونوں کو دے دیا تھا۔
"ٹھیک ہے ہادی تم اس سے بات کر کے بلاؤ۔ ہم مل لیتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔"
امی نے رضا مندی دی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے صبا کی طرف دیکھا تھا۔ صبا نے بھی رضا مندی سے کندھے اچکائے تو وہ مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھا تھا۔
اب سب سے مشکل مرحلہ مومنہ سے بات کرنے کا تھا۔ کیونکہ ابھی تک یہ بات صرف ہادی نے اپنے طور پر کی تھی، وہ مانتی ہے یا نہیں اس بات کا ہادی کو قطعی اندازہ نہ تھا۔
"امی! مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگ رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہادی بہانے سے اس لڑکی کو ہم سے ملوا کر گھر لانا چاہتا ہو۔"
ہادی کے جانے کے بعد صبا اٹھ کر ماں کے قریب آ بیٹھی تھی اور سرگوشی میں بولی تھی۔
"میرا ہادی ایسا نہیں ہے۔" ایک ماں کا یقین تھا۔ جو اس لمحے ان کے لہجے میں بولا تھا۔
"اگر اسے ایسا کچھ بھی کرنا ہوتا تو ایسے بہت سے مواقع تھے اس کے پاس جب وہ سب کچھ بھلا کر صرف اپنے لیے سوچ سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ جب اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ تب اس نے نہایت خاموشی سے ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اف تک نہیں کی، ہم سب کو سنبھالا۔ ہم سب کا سائبان بن گیا وہ۔ تف ہے احد پہ کہ سگا باپ ہو کر بھی اس نے کبھی پلٹ کر اپنے بچوں کی خبر نہ لی کہ وہ بدنصیب ماں کے مرنے کے بعد اور باپ کے بنا کیسے ہیں مگر ہادی نے ان بچوں کو ہمیشہ اپنی جان سے بڑھ کر چاہا اور پالا۔ اپنا مستقبل خراب کیا...... اپنی اسکالرشپ چھوڑی۔ اب بھلا وہ بہانے کیوں تلاش کرے گا۔"
صبا نے جذباتی ہوتی ماں کو خود سے لگا لیا تھا۔ ہادی کے لیے وہ ہمیشہ سے ایسے ہی جذباتی ہو جاتی تھیں۔

☆☆☆

یہ اس سے اگلے دن کی بات تھی۔ ہادی ہاسپٹل میں معمول کے راؤنڈ پہ تھا۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔ اسکرین پہ جگمگاتے مومنہ کے نمبر کو پہلے تو اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے کچھ سوچ کر اس نے ذرا دور ہٹ کر کال پک کی تھی۔
"السلام علیکم ڈاکٹر ہادی۔"
ایئر پیس سے مومنہ کی تھکی تھکی سی آواز ہادی کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مومنہ آپ......"
ہادی نے اپنے مخصوص لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں، دراصل میں اپنے اس دن کے رویے پہ آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں کچھ زیادہ ہی روڈ ہو گئی تھی۔ مجھے تب ہی احساس ہو گیا تھا۔ مگر میں اپنی پریشانیوں میں الجھ کر آپ کو کال نہ کر سکی۔"
"ارے نہیں مومنہ اٹس اوکے ہو جاتا...... مجھے آپ کا رویہ غلط نہیں لگا۔ شاید آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی ایسا ہی ری ایکٹ کرتا...... جیسے آپ نے کیا۔ آپ بتائیں آپ کی جاب کا کیا بنا......"
ہادی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اسے احساس شرمندگی سے نکالنا چاہا تھا اور وہ خود بھی اس سے جاب کی بات کرنا چاہ رہا تھا۔
"جاب ابھی تک نہیں ہے میرے پاس۔ کوشش کر رہی ہوں۔ اللہ مالک ہے۔"
ہادی کو اس لمحے اس کی آواز میں نمی سی گھلتی محسوس ہوئی تھی۔ ایک بے بسی جو وہ محسوس کر سکتا تھا۔ کچھ ایسا ہی وقت یا اس سے ملتا جلتا اس پہ بھی گزرا تھا۔ فرق یہ تھا کہ اس وقت اس کے اپنے اس کے ساتھ تھے۔ خاص کر اس کی ماں جبکہ مومنہ حالات کا

مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تنہا تھی۔

"پریشان نہ ہوں مومنہ ......اللہ بہتر کارساز ہے۔اگر ابھی آپ کی کال نہ آتی تو میں آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔ایک جاب ہے آپ کے لیے اگر آپ کرنا چاہیں تو۔"

"کون سی جاب؟"

ہادی کی اس بات نے گویا مومنہ کے اندر نئی روح پھونک دی تھی۔

"مومنہ ایسا کریں کہ ٹائم نکال کر مجھ سے مل لیں۔پھر میں آپ کو بہتر طور پہ بتا سکوں گا امید ہے آپ کو برا نہیں لگے گا۔" ہادی کو لگا کہ وہ مل کر اس کو مناسب طریقے سے قائل کر سکے گا۔سو کہہ دیا۔

"جی ٹھیک ہے میں آجاؤں گی آپ سے ملنے۔آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

اس نے لرزتی آواز میں اس کا شکریہ ادا کر کے کال بند کی تو ہادی نے بھی ایک مرحلہ سر ہونے پہ شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

حالات زندگی سے پریشان مومنہ اگلے ہی دن صبح ڈاکٹر ہادی کے ہاسپٹل جا پہنچی تھی۔اسے ان دنوں جاب کی اشد ضرورت تھی کہ سر چھپانے کا آسرا بھی چھننے کو تھا۔خالہ چاہ کر بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہی تھیں۔وہ خود غریب گھر سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کے اپنے آٹھ بچے تھے۔کمانے والے صرف خالو بلکہ وہ سب ہی حتی المقدور بھر کوشش کرتے تھے گھر چلانے کی۔

بوڑھی ساس بھی ساتھ تھیں۔اور آج کل کے دور میں ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی خاطر انسان مسلسل مشین کی طرح کام کر کر کے چڑچڑا ہو جاتا ہے۔خالو بھی ایسے ہی تھے۔

ایسے میں خالو نے اس کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔حالانکہ مومنہ نے کہا کہ وہ جاب کر کے اپنا خرچا خود اٹھا لے گی۔بس سر چھپانے کو جگہ اور اپنوں کا آسرا مل جائے تو زندگی سہل ہو جائے گی۔مگر خالو نہ مانے تو خالہ اس کے سامنے بے بسی سے رو پڑی تھیں۔ان کی مجبوری سمجھ کر مومنہ نے مزید اصرار نہ کیا۔

تایا سوتیلے تو تھے ہی مگر انسانیت سے بھی مبرا تھے۔دنیا دکھاوے کو بھی اس کی خبر گیری کو نہ آئے۔

بھلا ہو محلے کے امام صاحب کی بیگم کا کے بعد رات کو اس کے پاس سونے آجاتی تھیں۔دن کا بیشتر حصہ بھی اس کے ساتھ ہی گزارتیں کہ بچے جوان تھے۔گھر کی کوئی خاص ذمہ داری ان پر نہ تھی۔مگر کب تک۔

تین مہینوں سے گھر کا کرایہ نہیں دیا تھا۔مالک مکان نے اب بس ایک ہفتے کی مہلت دی تھی۔مومنہ کے پاس ان سب باتوں کا کوئی حل نہ تھا۔مقامی اسکول میں نوکری کا جو آسرا تھا، وہ بھی ختم ہو گیا۔کرے تو کیا کرے ازحد پریشان تھی۔

ایسے میں ایک بار پھر ڈاکٹر ہادی اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر آئے تھے۔اور ان کے سابقہ رویے کو دیکھتے ہوئے مومنہ کو ان پہ اعتبار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا تھا۔

ہادی نے تمام حالات اس کے سامنے رکھ دیے تھے اور جاب کی تفصیل بھی اسے بتا دی تھی۔جسے سن کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی تھی۔اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ڈاکٹر ہادی اسے کوئی ایسی جاب آفر کریں گے۔

"دیکھیں مومنہ! میں جانتا ہوں کہ اس وقت شاید میں تھوڑا خود غرض ہو کر سوچ رہا ہوں کیونکہ اپنے گھر کے لیے مجھے خاص کر اپنی ماں اور بچوں کے لیے کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے۔جو قابل بھروسا اور میری غیر موجودگی میں ان کا خیال رکھے اور جتنا میں آپ کو جان پایا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ پہ بھروسا کر کے مجھے کبھی کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔اب آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کوئی جلدی نہیں ہے۔پھر اگر آپ کا ذہن و دل مطمئن ہو تو آپ چل کر میری فیملی سے مل لیں۔اگر نہیں تو آپ پہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔" ہادی نے تمام حالات اسے بتا کر فیصلہ اس پہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

چھوڑا تھا۔ تاکہ وہ کسی دباؤ کا شکار نہ ہو۔

''آپ چائے لیں گی یا ٹھنڈا......''

ہادی نے محض اس کا دھیان بٹانے کو پوچھا تھا...... تاکہ وہ ریلیکس ہو کر فیصلہ کرے۔ مومنہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

''چائے اور پلیز ایک گلاس پانی بھی۔''

اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری تو پیاس کی شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ وہ صبح سے بھوکی ہے کیوں کہ گھر میں تو راشن بھی ختم ہو چکا تھا۔ امام صاحب کی بیگم آتے ہوئے اپنے ساتھ کھانا لے آتی تھیں۔ تو وہ کھا لیتی تھیں۔ کبھی شرم کے مارے منع کر دیتی تھی یہ کہہ کر کہ وہ کھا چکی ہے۔ رات میں جب بھوک زیادہ ستاتی تو اٹھ کر پانی کا ایک گلاس پی لیتی ایسی تنہائی اور مفلسی اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

''چائے لیجیے پلیز......''

ہادی کی آواز اسے خیالات سے باہر کھینچ لائی تھی۔ اس کے سامنے ٹرے رکھی تھی۔ جس میں پانی کا گلاس، بھاپ اڑاتا چائے کا مگ اور سینڈوچز رکھے تھے۔ وہ اپنی چائے کا مگ اٹھا چکا تھا۔

''دراصل آج میں نے ناشتہ نہیں کیا...... کیونکہ جیسا ناشتہ ناصر بنانے لگا اس سے تو بہتر یہ کینٹین کے سینڈوچ ہیں۔ اس لیے منگا لیے پلیز لیجیے نا۔''

ہادی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے ایک سینڈوچ اٹھایا تھا۔ مقصد صرف مومنہ کی عزت نفس کو بحال کرنا تھا۔ ورنہ ناشتہ تو وہ ڈٹ کر کر کے آیا تھا۔ کم بخت ناصر ایک ناشتہ ہی تو اچھا بناتا تھا۔

مومنہ نے اس کے اصرار پہ ایک سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔ نوالہ لے کر پانی پیا تو جیسے زندگی کا احساس اندر جاگا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر چائے کا مگ اٹھا لیا تھا۔ ہادی اس کا ایک ایک انداز دیکھ رہا تھا۔ اسے اس لڑکی کی یہی بات پسند تھی کہ وہ تھک کر گرتی تھی مگر پھر اگلے ہی لمحے اتنی ہی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحب، چائے بہت مزے کی تھی اور سینڈوچز بھی دراصل آج ناشتہ میں نے بھی نہیں کیا تھا۔''

اس نے خالی مگ ٹرے میں رکھتے ہوئے ہادی کا شکریہ ادا کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''مجھے اس جاب پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ کی فیملی سے ملنا چاہوں گی۔''

وہ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

مومنہ کو لے کر ہادی سیدھا امی کے کمرے میں ہی چلا آیا تھا۔ لنچ ٹائم ختم ہونے والا تھا۔ مگر وہ ڈیوٹی سے دو گھنٹے کا آف لے کر آیا تھا۔ بچے ابھی اسکول سے نہیں آئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کام کو آج ہی نمٹا لے۔ مومنہ کو امی سے متعارف کروا کے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ تاکہ وہ دونوں کھل کر تسلی سے بات کر سکیں۔

امی نے شفقت سے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ــــ یہ سادا اور معصوم چہرے والی لڑکی انہیں اچھی لگی تھی۔ مومنہ نے مختصراً اپنے تمام حالات انہیں کہہ سنائے تھے۔ کچھ تو وہ ہادی کی زبانی بھی سن چکی تھیں۔ مگر اس کے منہ سے سن کر سچ اور جھوٹ کو پرکھنا چاہتی تھیں۔ وہ ایک جہاندیدہ خاتون تھیں۔ انسانوں کی تھوڑی بہت انہیں بھی پرکھ تھی۔ سچ جھوٹ اور اچھے برے میں پہچان کر سکتی تھیں۔

''پہلے کہاں نوکری کرتی تھیں بیٹا۔'' انہوں نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

''آنٹی ہمارے گھر سے تھوڑی دور ایک اسکول تھا وہیں جاب کرتی تھی۔ ابا کی بیماری کی وجہ سے چھٹیاں کرنا پڑیں تو انہوں نے جاب سے نکال دیا۔''

وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں پہ نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر ہادی کی امی اسے اچھی لگی تھیں۔ شفیق سی نرم مزاج...... مگر اتنی پوچھ گچھ تو ان کا حق تھا نا...... ایسے ہی تو اپنے گھر کی ذمہ داری کسی پہ نہیں ڈال سکتی تھیں نا...... انہوں نے ہر طرح سے اپنی تسلی کر لی تھی۔ رشتے دار، دوست احباب وغیرہ۔ اتنے دن وہ

www.pakistanipoint.com Waqar Azeem

اکیلی کیسے رہی وغیرہ وغیرہ۔ اور سب سے بڑھ کر مومنہ کی شخصیت سے چھلکتا وقار اور بردباری ظاہر کر رہی تھی کہ وہ مجبور ضرور ہے مگر کمزور نہیں۔

''جی جناب...... امی ہو گئیں تمام باتیں۔ کیسی لگیں مومنہ آپ کو۔'' ہادی نے کمرے میں داخل ہو کر بلند آواز سے خوش گوار لہجے میں پوچھا تھا۔

''ہاں بیٹا...... مومنہ بہت پیاری بچی ہے۔ میں نے اپنی ساری تسلی کر لی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ مومنہ اب یہیں رہے گی۔ مومنہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے نا یہاں رہنے پہ۔''

انہوں نے ہادی کو مطمئن کر کے پھر مومنہ سے پوچھا تھا۔

''نہیں آنٹی! مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ اس وقت مجھے صرف سر چھپانے کی جگہ اور دو وقت کی روٹی چاہیے۔ اور وہ اگر یہاں عزت سے مل رہی ہے تو میرے لیے یہی بہت ہے۔''

''مومنہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھیے۔ اور اگر کل کو آپ کو کہیں اور کوئی اچھی جاب ملتی ہے تو آپ جا سکتی ہیں۔ آپ پہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ ابھی بچے اسکول سے آتے ہیں تو میں آپ کو سب سے ملواتا ہوں۔ پھر آپ امی کے روم میں یا بچوں کے روم میں جہاں مناسب لگے اپنا سامان سیٹ کر لیں۔''

ہادی نے اسے بھرپور تسلی دی تو اس نے مطمئن ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''یہ رافع ہے۔ میرا سب سے بڑا بھتیجا اور لاڈلا بھی...... یہ مریم ہے یہ واسع ہے اور یہ ہماری چھوٹی سی گڑیا شیزا...... اور بچو یہ مومنہ ہیں۔ یہ آج سے ہمارے ساتھ رہیں گی اور آپ کا خیال رکھیں گی۔ آپ کو کوئی بھی مسئلہ ہو آپ ان سے شیئر کر سکتے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں آپ کی کیئر ٹیکر ہوں گی۔''

رات کے کھانے پہ ہادی نے سب بچوں سے مومنہ کا تعارف کرایا تھا۔ باقی سب تو ٹھیک تھے بس رافع کا منہ بن گیا تھا مومنہ کو دیکھ کر۔

رفعت آنٹی سے جان چھوٹی تو یہ نئی مصیبت آ گئی تھی۔ وہ پندرہ سال کا تھا۔ اولیول کر رہا تھا۔ نئی دنیا تھی، نئے خواب تھے۔ کسی کی بھی روک ٹوک اس کی اونچی اڑان میں خلل ڈالتی تھی۔ دادو کی تو وہ کم ہی سنتا تھا۔ چاچو سے بھی اب کترانے لگا تھا۔ ناصر تو خیر کسی گنتی میں ہی نہ تھا۔ اب یہ مومنہ سے کیسے جان چھڑائے گا۔ اس کے منہ کے بگڑتے زاویے ہادی اور مومنہ دونوں کی نظروں سے چھپ نہ سکے۔

''اور یہ ناصر ہے بیٹا...... اپنے بچپن سے ہی ہمارے گھر پہ ہے۔'' امی نے ٹیبل پہ پانی رکھتے ناصر سے اسے متعارف کرایا تھا۔ اس نے دانت نکال کر ایک ادا سے مومنہ کو سلام کیا تو جانے کیوں مومنہ کے لبوں کو ہنسی چھو گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ سنجیدگی سے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی تھی۔

''اس پہ بھی آپ کو خاص نگاہ رکھنا ہوگی تاکہ یہ نمک میں کھانا بنانے کے بجائے کھانے میں نمک ڈالا کرے۔''

ہادی کی بات پہ وہ ہمیشہ کی طرح منہ بناتا ہوا کچن میں جا کر گم ہو گیا تھا۔

مومنہ نے اپنا سامان بچوں کے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح سے بچوں سے جلدی گھل مل سکے گی۔ البتہ رافع اور ہادی کے کمرے اوپر والی منزل پہ تھے۔ نیچے تین کمرے تھے۔ ایک بچوں کے زیر استعمال تھا۔ ایک امی کا اور ایک صبا کا تھا وہ اب بھی اس کے ہی استعمال میں تھا۔ وہ جب بھی آتی تھی۔ وہیں رہتی تھی۔

''مومنہ! بچیاں اب بڑی ہو رہی ہیں۔ انہیں کسی کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنی باتیں و مسائل شیئر کر سکیں۔ آپ نے دیکھا امی پیرالائز ہیں وہ اتنا نہیں کر سکتی ہیں۔ یہ بچے بہت پیارے ہیں آپ کو تنگ نہیں کریں گے۔ ہاں رافع آپ کو تھوڑا پریشان کر سکتا ہے۔ لیکن آئی ہوپ کہ آپ ٹیکل کر لیں گی اور

Vidar Azeem
www.pakistanipoint.com

میں بھی اسے سمجھادوں گا۔''

ہادی کے ہر انداز سے ہر بات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے گھر اور بچوں کی کتنی فکر ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ پتا نہیں مومنہ یہ ذمہ داری نبھا پائے گی یا نہیں۔

''میری پوری کوشش ہوگی کہ میں آپ کے بھروسے پہ پوری اتروں اور اسے قائم رکھوں۔ میں پوری ایمان داری سے اپنی ذمہ داری نبھاؤں گی۔ آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

مومنہ کے تسلی آمیز لہجے نے ہادی کو مطمئن کر دیا تھا۔ باقی اللہ بہتر کرنے والا تھا۔

☆☆☆

امی کو جب مومنہ کے ساتھ خوش اور مطمئن دیکھا تو ہادی کے سر سے ایک بوجھ سا اتر گیا تھا۔ وہ مطمئن سا ہو کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ جانے کیوں رافع کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم رک سے گئے تھے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے وہ یقیناً جاگ رہا ہوگا۔ یہی سوچ کر اس نے دو قدم چل کر اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک دی۔

کچھ لمحوں کے توقف سے دروازہ کھل گیا تھا۔

''چاچو، آپ.....''

وہ کچھ گڑبڑایا سا تھا۔

''ہاں میں، کیوں نہیں آ سکتا کیا۔ بس دل چاہا تم سے باتیں کرنے کو سو چلا آیا۔ تم کیا کر رہے تھے۔''

''کچھ بھی نہیں بس سونے لگا تھا۔''

ہادی نے کمرے میں اندر آنے کو قدم بڑھائے تو ہادی نے پیچھے ہٹ کر اسے اندر آنے دیا اور خود آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے کھول دیے تھے۔ کمرے میں رچی باس اور گھٹن بتا رہی تھی کہ رافع اس کے آنے سے پہلے کیا کر رہا تھا۔

''اور ینگ مین ..... پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری۔'' ہادی نے دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

''ٹھیک جا رہی ہے چاچو.....''

رافع بھی اب ذرا سا ریلیکس ہو کر بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔ اپنے تئیں وہ یہ سمجھا کہ شاید چاچو کو کچھ پتا نہیں تھا۔ مگر نوجوانی کی مستی میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ چاچو اس سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور تجربے میں بھی۔

''مگر تمہاری رپورٹس اور ٹیچرز تو کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔'' ہادی نے اشارے سے اسے اپنے پاس آ کر بیٹھنے کو کہا۔

''چاچو وہ تو میں ایسے.....'' وہ جھجکتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''دیکھو رافع، میں نے کبھی تم پہ بے جا سختی نہیں کی ہے۔ ہمیشہ پیار سے سمجھایا ہے اب بھی یہی کہوں گا بیٹا کہ چند سال صرف چند سال اپنی پڑھائی اور کیریئر پہ فوکس کر لو۔ یہ موج مستی۔ یہ دوستیاں، شغل میلے، ساری زندگی چلتے ہیں۔ لیکن کیریئر بنانے کا موقع انسان کو زندگی میں صرف ایک بار ہی ملتا ہے۔ اسے مت گنواؤ کیونکہ تمہارے مستقبل پہ ہی تمہارے بہن بھائیوں کے مستقبل کا بھی انحصار ہے۔''

ہادی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے ہمیشہ کی طرح نہایت پیار اور آرام سے سمجھایا تھا۔

''وہ میری ذمہ داری نہیں ہیں۔ جن کی ہیں انہیں کہیں کہ خود آ کر اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے فضول کی ذمہ داریاں اٹھانے کا۔'' ہمیشہ کی طرح وہ اس ذکر پہ برہم ہوا تھا۔ اور سخت لہجے میں بولا تھا۔ ہادی جانتا تھا کہ اسے باپ سے بہت سی شکایتیں ہیں۔ مگر اس کا حل ہادی کے پاس نہیں تھا۔

''بیٹا بعض دفعہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان چاہی ذمہ داریاں اٹھانا بھی پڑتی ہیں اور نبھانا بھی..... پھر دل سے اٹھاؤ یا بوجھ سمجھ کر۔'' وہ نہیں چاہتا تھا کہ جو قیمتی وقت اس کا کھو گیا وہ رافع کا بھی کھو جائے۔

''اتنی مشکل باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں چاچو۔ بٹ آئی پرامس کہ سنجیدگی سے پڑھائی کروں

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

گا اور آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر مجھے آپ یہ بتائیں کہ وہ محترمہ کون ہیں اور ہمارے گھر کیوں آئی ہیں اور کب تک رہیں گی۔''

رافع نے بات کو بدلا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہادی جلد از جلد اس کے کمرے سے چلا جائے تاکہ وہ ٹک ٹاک پہ نئی وڈیو بنا کر اپلوڈ کر سکے۔ وہ بھی آج کل کے بچوں کی طرح لائکس اور کمنٹس کی ڈور میں دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ اپنے سنہرے مستقبل کی پرواہ کیے بنا۔

''وہ آپ کی کیئر ٹیکر ہیں بیٹا، رفعت باجی کے بعد کسی خیال رکھنے والے کی ضرورت تھی نا..... سو مومنہ اسی لیے یہاں آئی ہیں۔ وہ آپ سب کا خیال رکھیں گی۔ پر میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔ وہ آپ کو ڈسٹرب نہیں کریں گی۔ مگر تمہیں بھی ایک پرامس کرنا ہوگا کہ تم ان سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔ اور ہاں پلیز سمیر سے دوستی کم کرو یار۔ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔''

ہادی دراصل رافع سے یہی بات کرنے آیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رافع مومنہ کو لفٹ ٹائم ضرور دے گا۔ رافع نے اس سے وعدہ کر کے سر اثبات میں ہلا کر اسے یقین دہانی تو کرا دی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت صرف ہادی کا دل رکھنے کو سب کہہ رہا تھا۔ وہ اسے سونے کی تاکید کرتا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ رافع نے کمرہ لاک کر کے موبائل آن کر لیا تھا۔ کمرہ پھر سے دھویں سے بھرنے لگا تھا۔

☆☆☆

''مومنہ آپی آپ کتنی پیاری ہیں نا..... آپ اب یہیں رہیں گی نا ہمارے ساتھ۔'' وہ تینوں ہی جلد اس سے گھل مل گئے تھے۔ اب مریم اس کے ساتھ بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ گول چہرے اور بڑی بڑی آنکھوں والی ایک پیاری صحت مند بچی تھی۔

''جی میں اب یہیں رہوں گی آپ لوگوں کے ساتھ.....''

مومنہ نے اسے پیار کرتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔ اسے حقیقتاً یہاں آ کر اچھا لگ رہا تھا۔ کمرہ کافی کشادہ تھا۔ جس میں ایک ڈبل بیڈ اور ایک سنگل بیڈ تھا۔ پہلے رافع بھی یہیں رہتا تھا۔ پھر اس نے تقریباً سال پھر پہلے اپنا کمرہ الگ سیٹ کر لیا تھا۔ مومنہ نے اپنے لیے وہ سنگل بیڈ منتخب کر لیا تھا۔ جبکہ ڈبل بیڈ پہ وہ تینوں سوتے تھے۔ ایک بڑی الماری تھی۔ جس کے ایک کونے میں مومنہ نے اپنا مختصر سا سامان سیٹ کر لیا تھا۔ بچوں کی رائیٹنگ ٹیبل اور سامنے کھڑکی کے نیچے ایک کارپٹ سا بچھا تھا۔ اس کے اوپر فلور کشنز وغیرہ رکھے تھے اور وہیں اوپر دیوار میں لگے ریکس میں بچوں کے کھلونے تھے۔ شاید وہ وہیں نیچے بیٹھ کر کھیلتے ہوں گے۔ کیونکہ وہاں نیچے کارپٹ پہ کاؤچز اور چھوٹی کرسیاں وغیرہ بھی رکھی تھیں۔ کمرہ بڑا مگر بے ترتیب تھا۔ جیسے کافی دنوں سے ٹھیک سے صفائی نہ ہوئی ہو۔

''آپ ہمارے ساتھ کھیلیں گی، باتیں کریں گی۔''

یہ واسع تھا۔ جو ابھی تک شرمایا شرمایا سا مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔ شیزا البتہ سو چکی تھی۔ مومنہ کے اثبات میں جواب دینے پہ وہ دوستانہ سا مسکرا دیا تھا۔ تبھی دروازہ دھکیل کر آنٹی وہیل چیئر پہ اندر آئی تھیں۔

''ارے آنٹی آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے بلا لیا ہوتا.....'' مومنہ انہیں دیکھ کر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ان کی وہیل چیئر گھما کر انہیں بیڈ کے قریب لے آئی تھی۔

''ارے کوئی بات نہیں بیٹا..... سوچا تم سے پوچھوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور بچوں کو بھی دیکھ لوں۔ تنگ تو نہیں کر رہے تمہیں۔''

انہوں نے مریم اور واسع کو دیکھ کر مسکرا کر پوچھا تھا اور سوئی ہوئی شیزا کو پیار کیا تھا۔

''نہیں نہیں آنٹی کسی چیز کی ضرورت نہیں شکریہ۔''

مومنہ بھی وہیں بیڈ کے کنارے ذرا سا ترچھا ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''بیٹا کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔ کوئی بھی بات ہو بلا جھجک کہنا..... تم بھی میری بیٹی کی طرح ہو۔ اس

www.paksociety.com

گھر کا فرد ہو تم بھی آج سے ..... خود کو ملازمہ مت سمجھنا۔''

''جی آنٹی۔'' جانے کیوں اس لمحے مومنہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اگر آج اماں اور ابا ہوتے تو کیا اسے یہ نوکری کرنے دیتے۔ ماں باپ کی یاد نے اسے آبدیدہ کر دیا تھا۔

''اچھا اب تم سو جاؤ باقی باتیں کل ہوں گی۔''

انہوں نے مومنہ کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اور اسے جلد سونے کی تلقین کرتیں اپنی آٹو میٹک وہیل چیئر گھماتی وہ کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ تو مومنہ بھی ان کے ساتھ ہی چلی آئی تھی۔ انہیں ان کے کمرے میں جا کر بیڈ پہ لٹا کر اچھی طرح تسلی کر کے وہ بھی بچوں کے کمرے میں آ کر لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

اس بار صبا پورے دو ہفتوں بعد گھر آئی۔ وجہ عنایا کی خرابی طبیعت تھی اسے بخار تھا۔ اور گھر بھر کی لاڈلی عنایا بہت چڑچڑی ہو گئی تھی۔ صبا اس لیے یہاں نہیں آ سکی تھی اور حیرت کی بات تھی کہ گھر سے فون تو آئے تھے عنایا کی طبیعت پوچھنے کے لیے مگر کسی نے بھی اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ مسئلہ ہو گیا اور وہ مسئلہ ہو گیا۔

امی سے جب بھی بات ہوئی انہوں نے مومنہ کی تعریف ہی کی تھی اور یہ بھی کہ اس نے بڑی ذمہ داری سے سب کچھ سنبھال لیا ہے۔ اس لیے صبا کو اسے دیکھنے کا اشتیاق تو جو تھا سو تھا مگر وہ تھوڑا ان سیکور بھی محسوس کر رہی تھی۔ کیونکہ شادی کے بعد بھی میکے کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں ہی تھی ..... اور اس کے بنا آج بھی وہ گھر نہیں چلتا تھا اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اسے ہی بلایا جاتا تھا۔

اس لیے صبا کو تھوڑا برا لگ رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ اس گھر کی بیٹی ہے اور جو مقام جو اہمیت اس کی ہے وہ کبھی مومنہ کو نہیں مل سکتی ہے۔ چاہے وہ کچھ بھی کر لے۔ خود کو چاہے وہ جتنا بھی اعتبار اور بھروسے کے قابل بنا لے وہ یہاں ایک ملازمہ ایک کیئر ٹیکر کی حیثیت سے آئی تھی اور مومنہ کو بھی اپنی حیثیت کا اچھی طرح سے اندازہ تھا۔ اس لیے ان گزرے دو ہفتوں میں اس نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ سب کچھ اچھی طرح سے سمجھ لے اور سنبھال لے تاکہ کسی کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو۔

صبا جب سے آئی تھی وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ کتنی ذمہ داری سے سب کام کر رہی تھی اور یہاں تک کہ ناصر بھی اس کے سامنے بڑا ذمہ دار بنا کھڑا تھا۔ بچے بھی اس سے گھل مل گئے تھے اور گھر بھی صاف ستھرا لگ رہا تھا۔ امی کی صحت بھی ٹھیک لگ رہی تھی۔ ہادی سے پوچھ کر مومنہ نے ان کی فزیوتھراپی کی ذمہ داری بھی لے لی تھی۔

''آنٹی کھانا لگا دیا ہے۔ آپ لوگ آ جائیں پلیز۔''

صبا امی کے ساتھ ان کے کمرے میں ہی تھی جب دستک دے کر مومنہ چلی آئی تھی اور انہیں کھانا لگ جانے کی اطلاع دی تھی۔ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے وہ ایک سنجیدہ اور بردبار لڑکی تھی ..... جس کی سادگی میں بھی ایک وقار تھا۔

''اچھا بیٹا! تم چلو ہم آتے ہیں۔ بچے آ گئے اسکول سے۔''

''جی بچے آ گئے ہیں اپنے کمرے میں فریش ہو رہے ہیں۔ آپ آ جائیں میں انہیں بھی دیکھتی ہوں۔''

امی نے جاتی ہوئی مومنہ سے پوچھا تو اس نے رک کر انہیں بتایا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''

امی کے کہنے پہ وہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

''امی ذرا خیال رکھیے گا مجھے تو یہ لڑکی خاصی چالاک اور تیز لگ رہی ہے۔ یوں بھی بظاہر سیدھے لوگ اندر سے گھنے ہوتے ہیں۔''

صبا کی مدھم آواز پہ انہوں نے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

www.pakistanipoint.com
Maria Azam

''ایسا کچھ نہیں ہے صبا..... ہر ایک کے بارے میں فوراً رائے قائم مت کر لیا کرو۔ میں پچھلے دو ہفتوں سے اس بچی کو دن رات دیکھ رہی ہوں۔ میں تمہیں اس کے سب حالات بتا چکی ہوں پھر بھی تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔ اب اتنی پرکھ تو مجھے بھی ہے انسانوں کی۔''

''امی میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔ آپ تو ناراض ہونے لگی ہیں۔ میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ خیال رکھیے گا۔ جوان لڑکی ہے۔ کسی غیر پہ اتنا بھروسہ اور وہ بھی آج کل کے دور میں صحیح نہیں ہے۔ گھر میں دو جوان لڑکے ہیں کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو جواب دہ تو ہم ہوں گے نا.....''

امی کی خفگی کے خیال سے صبا نے زیادہ نہ سہی پھر بھی اپنے تھوڑے بہت خیالات ان تک پہنچا ہی دیے تھے۔ وہ اس بات پہ بھی خفا تھی کہ وہ اتنی عورتیں لائی تھی کام کے لیے۔ جنہیں وہ کسی نہ کسی حوالے سے جانتی تھی۔ مگر امی کو ان میں سے کوئی ایک بھی پسند نہ آئی اور اب ایک بالکل انجان لڑکی کو رکھ لیا تھا۔

''اللہ مالک ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مجھے اپنے بچوں پہ بھی یقین ہے اور اپنے اللہ پہ بھی..... تم بھی پریشان نہ ہو۔ چلو اٹھو، کھانا پر بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔''

انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں بات ختم کی تو صبا بھی ان کا اشارہ پا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''ابے یار..... یہ کون ہے تیرے گھر میں پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔''

سمیر نے رافع کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر ابرو اچکا کر مومنہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تھا۔ وہ سب دوست اس وقت رافع کے گھر آئے ہوئے تھے۔ اور اب سب ہی واپسی کے لیے نکل رہے تھے۔ اتفاقاً ہی سمیر کی نگاہ مومنہ پہ پڑی تھی جو شزا کے ساتھ لاؤنج میں تھی اور وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

''ہماری میڈ ہیں۔'' رافع نے سرسری سا بتایا تھا۔

''ایسی ایٹم میڈ تجھے کہاں سے ملی رافع، ذرا ہمیں بھی تو پتا بتاؤ۔'' سمیر کا ایک آنکھ دبا کر پوچھنے والا انداز خاصا نوفرانہ تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟''

ہادی تیار ہو کر ہاسپٹل جانے کے لیے نکلا تھا۔ تبھی رافع اور اس کے دوستوں کی آوازیں اس کے کانوں تک پڑی تھیں اور سمیر کے انداز پہ وہ خود کو روک نہیں پایا تھا۔

''وہ، وہ کچھ نہیں چاچو.....''

وہ چاروں ہی گڑبڑائے تھے۔ یوں بھی رافع کے دوست ہادی سے ذرا کتراتے تھے۔ خاص کر سمیر کیونکہ ہادی پہلے بھی کئی بار انہیں روک ٹوک کر چکا تھا۔

''تم لوگوں کو کسی نے گھر کی عورتوں کے بارے میں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی یا نئے دور کے تقاضوں کو نبھاتے نبھاتے بالکل ہی تہذیب بھلا بیٹھے ہو.....''

''سوری چاچو..... ہم چلتے ہیں رافع۔''

وہ تینوں ہی کنی کترا کر نکلے تھے۔

''چاچو! آپ نے ایک میڈ کی خاطر میرے دوستوں کی انسلٹ کی ہے۔ وہ میرے مہمان تھے۔''

رافع کا سرخ چہرہ بتا رہا تھا کہ اس نے کس مشکل سے برداشت کیا ہے۔

''کسی کے گھر مہمان بن کر جانے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں رافع، اپنے دوستوں کو پہلے ایٹی کیٹس سکھاؤ پھر گھر بلاؤ۔ وہ میڈ سہی مگر ہے تو ایک لڑکی کیا اس کی کوئی عزت نہیں۔ چلو اور کچھ نہ سہی یہی سوچ لو کہ وہ تم سے عمر میں بڑی ہے۔ اس کا ہی لحاظ کر لو۔ اگر اس کی جگہ مریم یا شیزا ہوتیں پھر۔''

ہادی نے خشک لہجے میں اسے سخت سنائی تھیں۔ وہ کئی دنوں سے رافع کی حرکتوں کو نوٹس کر رہا تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے دوست اسے بگاڑ رہے تھے۔ خاص کر سمیر وہ امیر ماں باپ کی بگڑی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ہوئی اولاد تھا۔ اس وقت تو رافع ہادی کے لحاظ میں چپ ہو گیا تھا۔ مگر اس دن کے بعد سے اس نے مومنہ سے بیر باندھ لیا تھا۔ وہ ہر حال میں اسے اس گھر سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس لیے کوئی بھی موقع اسے نیچا دکھانے کا جانے نہیں دیتا تھا۔

☆☆☆

اس رات ہادی کو گھر آنے میں خاصی دیر ہو گئی تھی۔ اس کی ڈیوٹی تو شام چھ بجے ختم ہو گئی تھی۔ مگر ایک دوست کو ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑا تو اس کی جگہ ہادی نے ڈیوٹی کر لی تھی۔ یوں گھر آتے آتے اس کو تقریباً رات کے بارہ بج گئے تھے۔ اسے سخت بھوک لگی تھی اور کافی کی طلب بھی ستا رہی تھی۔ سو وہ فریش ہو کر کھانا کھانے کے ارادے سے کچن میں چلا آیا تھا۔ جہاں مومنہ پہلے سے ہی موجود تھی۔ وہ شاید بچوں کے کمرے میں رکھنے کے لیے پانی لینے آئی تھی۔

''السلام علیکم .....'' اس نے ہادی کو کچن میں آتے دیکھ کر کہا تھا۔

''وعلیکم اسلام..... کیسی ہیں آپ مومنہ۔''

ہادی نے خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی خیریت پوچھی تھی۔

''جی میں ٹھیک ہوں۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا کیا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل وہیں کچن کاؤنٹر پر رکھ دی تھی۔

''جی وہ دراصل بھوک لگی تھی تو کھانا لینے کچن میں آیا تھا۔''

ہادی اسے بتا کر فریج کی طرف بڑھا تھا تاکہ کھانا نکال سکے۔ ناصر اکثر ہی اس کا کھانا فریج میں رکھ دیتا تھا۔ وہ اگر کبھی لیٹ ہو جاتا تو بجائے اسے پریشان کرنے کے خود ہی گرم کر کے کھا لیتا تھا۔ عموماً تو وہ ہاسپٹل میں ہی کچھ نہ کچھ کھا کر ہی آتا تھا۔

''آپ بیٹھیں، میں گرم کر دیتی ہوں۔''

مومنہ اسے روک کر خود فریج سے کھانا نکالنے لگی تھی۔ اور تازہ روٹی بنانے کے لیے چولہے پہ توا بھی رکھ دیا تھا۔

''ارے نہیں اٹس اوکے، میں خود کر لوں گا۔ آپ زحمت نہ کریں۔ یا ناصر کو بلا لیتا ہوں۔''

ہادی نے اسے روکنا چاہا تھا کہ وہ اتنی رات گئے اس کے لیے کھانا گرم کرلے۔ کم از کم یہ اس کی ذمہ داری میں شامل نہیں تھا اور پھر یوں اپنے لیے کسی کو زحمت دینا ہادی کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے سب کام خود سے کرنے کا عادی تھا۔

''نہیں اس میں زحمت کیسی یہ تو میرا کام ہے۔ دراصل ناصر کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں نے اسے آرام کرنے کا کہا تھا۔ آج کھانا بھی میں نے ہی بنایا ہے۔''

مومنہ نے آلو چکن کا سالن، سلاد اور تازہ روٹی کے ساتھ اس کے سامنے چن دیا تھا۔ ٹیبل میں فروٹ کسٹرڈ تھا۔ کھانا مناسب نمک مرچ کے ساتھ خوش ذائقہ تھا۔ اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

''دراصل مجھے زیادہ چیزیں بنانا نہیں آتی ہیں۔ اس لیے بس سادہ سا کھانا بنا دیا ہے۔''

وہ شرمندہ سی اس کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ وہ لوئر کلاس سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی۔ جو چٹنی اور اچار رکھا کر بھی شکر ادا کرتے تھے۔ ہاں ناصر ساتھ کھڑا ہوتا تو وہ بچوں کی پسند کی چیزوں کی ترکیب اسے بتاتا جاتا تھا اور وہ بنا دیا کرتی تھی۔ آنٹی نے بھی کافی کچھ سکھایا تھا۔ آج بچوں نے تو میکرونی بنوائی تھی۔ باقی سب کے لیے اس نے یہ کھانا بنا دیا تھا۔

''نہیں کھانا تو بہت مزیدار ہے اور گھر کا بنا کھانا چاہے سادہ ہی کیوں نہ ہو۔ مزے دار ہوتا ہے۔ میں نے تو بھوک سے زیادہ ہی کھا لیا ہے۔''

اور واقعی میں ہادی نے سیر ہو کر کھایا تھا اور شکر ادا کیا تھا۔

''وہ آپ سے ایک بات کرنا تھی۔''

ہادی جب کھانا کھانے کے بعد اپنے لیے کافی بنانے لگا تو اسے اپنے پیچھے مومنہ کی جھجکتی ہوئی آواز

Waqar Azeem www.Pakistanipoint.com

سنائی دی تھی۔

''جی بولیں۔ کچھ چاہیے آپ کو، پیسے وغیرہ۔''

ہادی سمجھا، ایسی کوئی بات ہوگی۔ اس لیے اس کی جھجک دور کرنے کو خود ہی پوچھ لیا تھا۔

''نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے..... دراصل کل صفائی کے دوران مجھے رافع کے کمرے سے یہ ملا۔''

مومنہ نے اپنی ہتھیلی پہ رکھا لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ ہادی کی طرف بڑھایا تھا۔ غصے اور ضبط سے ہادی نے لب بھینچ لیے تھے۔ اسے رافع کی حرکات پہ شک تو بہت پہلے سے تھا۔ مگر آج یقین ہوگیا تھا۔

''آئی ایم سوری یہ ہے تو پرسنل مگر مجھے لگا کہ مجھے آپ کو بتانا چاہیے۔ پلیز آپ اس کو سمجھائیں، وہ ابھی بہت چھوٹا ہے اور یہ سب صحیح نہیں ہے اس کی صحت کے لیے، مجھے اس کے دوست بھی عجیب سے لگتے ہیں اور آنٹی بھی اس کی وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔''

مومنہ کے لہجے میں فکرمندی اور پریشانی چھلک رہی تھی۔ جیسے کسی اپنے کے لیے پریشان ہوا جاتا ہے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں خود اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اور اسے کئی بار سمجھایا بھی ہے۔ مگر وہ عمر کے جس حصے میں ہے وہاں ہر صحیح غلط اور غلط صحیح لگتا ہے۔ آپ اس سے کچھ مت کہیے گا۔ میں خود اس سے بات کروں گا۔''

ہادی نے وہ دونوں چیزیں مومنہ کے ہاتھ سے لے لی تھیں۔ اس نے اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ وہ اب رافع سے سنجیدگی سے بات کرے گا۔ اور اگر وہ نہ مانا تو پھر اسے کوئی انتہائی قدم اٹھانا ہوگا۔ کیونکہ بہرحال وہ بچے اس کی ذمہ داری تھے۔

''جی ٹھیک ہے، جیسے آپ کو مناسب لگے۔''

''تھینک یو مومنہ فار یور کنسرن مجھے خوشی ہے کہ آپ کو اس گھر میں لانے کا میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔''

''اس میں شکریہ کیا ڈاکٹر ہادی یہ میری ذمہ داری ہے۔''

مومنہ پانی کی بوتل لے کر وہاں سے چلی گئی تو کافی بناتے ہوئے ہادی مسلسل رافع کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

عنایا کی سالگرہ آ رہی تھی۔ صبا نے فرمائش کی تھی کہ اسے ماموں سے ڈول ہاؤس لینا ہے۔ بالکل ویسا جیسا شزا کے پاس ہے اور شزا کو بھی ہادی نے ہی وہ ڈول ہاؤس اس کی سالگرہ پہ لے کر دیا تھا۔ ہادی نے صبا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بالکل ویسا ہی ڈول ہاؤس عنایا کو لے کر دے گا جیسا شزا کے پاس ہے۔ مگر اب وقت کا مسئلہ تھا۔ اسے وقت ہی نہیں مل رہا کہ وہ شاپنگ کے لیے جائے۔

اتفاق تھا کہ آج وہ جلدی فری ہوگیا تھا۔ سو جلدی گھر چلا آیا تھا۔ ارادہ تھا کہ سب بچوں کو آؤٹنگ پہ لے جائے گا اور لگے ہاتھوں عنایا کا گفٹ بھی خرید دے گا، کیونکہ شزا اور واسع بھی کافی دنوں سے آؤٹنگ پہ جانے کا کہہ رہے تھے بچے تو باہر جانے کا سن کر ہی خوش ہوگئے تھے۔ رافع البتہ گھر پہ نہیں تھا۔ ہادی نے اسے کال کی تو اس کا نمبر آف تھا۔

''مومنہ آپی آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں نا، مزہ آئے گا۔'' جب سب چلنے کو تیار ہو کر آئے تو مریم نے مومنہ سے کہا تھا۔

''نہیں مریم! آپ لوگ جاؤ انجوائے کرو۔ میں کیا کروں گی جا کر اور ویسے بھی گھر میں آنٹی اکیلی رہ جائیں گی۔'' مومنہ نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔ شزا اور واسع بھی مریم کی دیکھا دیکھی ضد کرنے لگے کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

''بچے اتنی ضد کر رہے ہیں تو چلی چلیے نا مومنہ، یوں بھی اب یہ شیطان مجھ سے کہاں سنبھلتے ہیں اور امی کے ساتھ ناصر ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

ہادی تیار ہو کر آیا تو بچوں کی تکرار سن کر وہیں رک گیا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔''

Nagma Azeem www.pakistanipoint.com

کلائی پہ گھڑی باندھتے اس شخص کو وہ انکار نہیں کر پائی تھی۔

وہ سب تیار ہو کر گاڑی میں آبیٹھے تھے۔ مریم آگے ہادی کے ساتھ تھی جبکہ وہ شزا اور واسع کے ساتھ پیچھے بیٹھی تھی۔ تینوں بچے اس سے اپنی اپنی فرمائش کر رہے تھے اور وہ ہنس ہنس کر ان سب کی سن رہا تھا۔ مومنہ نے کبھی اس کے ماتھے پہ ایک شکن تک نہیں دیکھی تھی۔ کتنا بے غرض اور پرخلوص تھا یہ شخص جو ہمیشہ خود کو آخری نمبر پہ رکھ کر پہلے دوسروں کے لیے سوچتا تھا۔

گاڑی ایک شاپنگ مال کے سامنے رکی تو وہ بھی اپنی سوچوں سے باہر نکلی تھی۔ شزا اور واسع پہلے پلے ایریا جانے کو مچلنے لگے تو ہادی انہیں سمجھا کر پہلے شاپنگ کے لیے لے آیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک بار بچے پلے ایریا میں چلے گئے تو ان کو وہاں سے نکالنا کس قدر مشکل تھا۔ ہادی نے عنایا کے لیے ڈول ہاؤس اور ان کی فیملی کے لیے اور بھی شاپنگ کی تھی۔ بچوں نے بھی اپنی اپنی پسند کی شاپنگ کی تھی۔ مومنہ ان کے ساتھ ساتھ خاموشی سے چل رہی تھی۔ وہ پہلی بار کسی اتنے بڑے شاپنگ مال میں آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور ستائش تو تھی مگر حسرت نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اپنے حال میں خوش رہنے والوں میں سے تھی۔

"مومنہ آپی! چاچو بلا رہے ہیں۔"

اپنی سوچوں میں گم کھڑی مومنہ کو مریم نے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر ہادی کی طرف پلٹی تھی۔

"جی ......" وہ اس وقت لیڈیز گارمنٹ کی شاپ پہ کھڑے تھے۔ جہاں ہادی امی اور صبا کے لیے جوڑے لے رہا تھا۔

"دراصل میں امی اور صبا کے لیے لینا چاہ رہا ہوں۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا لوں آپ پلیز کچھ مدد کریں میری۔"

ہادی نے اس سے درخواست کی تو وہ کاؤنٹر کے قریب چلی آئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آنٹی کے لیے یہ ٹھیک رہے گا۔"

اس نے ایک دیدہ زیب پرنٹ کے براؤن کلر کے سوٹ کو اٹھا کر ہادی کے سامنے کیا تھا۔

"ہوں گڈ چوائس۔ ٹھیک ہے امی کے لیے یہ لے لیتے ہیں اور صبا کے لیے یہ کیسا ہے۔"

ہادی نے اس کی پسند سراہ کر ایک سیاہ جوڑے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہوں بہت اچھا ہے۔" مومنہ نے سر ہلا کر اس کی پسند کو سند بخشی تھی کہ وہ جوڑا واقعی بہت اچھا تھا۔

"آپ اپنے لیے بھی کچھ پسند کریں نا مومنہ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ بھی کچھ لیں گی تو۔"

دونوں جوڑے سیلز مین کو پیک کرنے کو کہہ کر ہادی نے مومنہ سے کہا تھا۔ اس لمحے اس کے لہجے میں صرف خلوص تھا۔ وہ مومنہ کی اپنے فیملی ممبرز کی طرح ہی عزت کرتا تھا۔

"نہیں میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔ آپ کا بہت شکریہ۔"

مومنہ نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔ اس طرح سے کہ اسے برا بھی نہ لگے۔ ہادی نے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا۔ مزید اصرار نہیں کیا تھا۔ وہ سیلز مین کو پیسے دینے لگا تو مومنہ موقع غنیمت جان کر واسع کے پیچھے باہر نکل آئی تھی۔ جو پلے ایریا جانے کو بے چین ہو رہا تھا۔ واسع اور شزا پلے ایریا گئے تو ہادی مومنہ اور مریم کے ساتھ سامنے بنے فوڈ کورٹ میں آ گیا تھا۔ مگر سامنے کے منظر نے اس کی تیوری پہ بل ڈال دیے تھے۔

☆☆☆

سگریٹ کے دھواں کے مرغولوں میں دھندلا سا وہ چہرہ رافع کا ہی تھا۔ جو دو ٹیبلز چھوڑ کر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ سب ایک ہی اسٹائل سے بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ وڈیوز بنا رہے تھے اور

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

آتے جاتے لوگوں پہ کمنٹس کر رہے تھے۔ اس کا یہ لوفرانہ انداز ہادی کو طیش دلا گیا تھا۔ اس نے لمحہ لگایا تھا اور اس کے سر پہ جا کھڑا ہوا تھا۔

”رافع اٹھو، فوراً یہاں سے اور گھر چلو۔“ رافع اسے یوں اچانک سامنے دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ میں تھاما سگریٹ اس نے جوتے کی نوک تلے مسل دیا تھا۔

”چاچو......آپ یہاں... میں......“

رافع کا خیال تھا کہ ہادی تو اس وقت ہاسپٹل میں ہوتا ہے۔ وہ اکیڈمی کا کہہ کر گھر سے نکل آیا تھا اور ہادی یوں اچانک اس کے سر پہ آن کھڑا ہوا تھا کہ اسے کوئی بہانا سوجھا ہی نہیں تھا۔

”میں نے کہا ہے رافع فوراً اٹھو یہاں سے اور میرے ساتھ گھر چلو، نو مور ایکسکیوز۔“

ہادی نے اسی سخت لہجے میں غصے سے کہا تو رافع اٹھ کر چپ چاپ ہادی کے ساتھ ہو لیا تھا۔ کیونکہ اس وقت ہادی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کس قدر غصے میں ہے۔

وہ سب بچوں کو لے کر گھر تو آ گیا تھا۔ مگر رافع کی وجہ سے بہت الجھ گیا تھا اور پریشان بھی تھا۔ ہر طرح سے ہر طریقے سے اسے سمجھا کر دیکھ لیا تھا مگر وہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھا۔ پہلی بار ہادی کو سب کچھ سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا ورنہ بھابھی کے اچانک انتقال اور احد بھائی کے بیرون ملک جا بسنے اور اولاد سے لاتعلقی کے بعد بھی ہادی نے خوش اسلوبی سے سب سنبھالا تھا مگر اب سب ہاتھ سے نکلتا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

گھر آ کر ہادی کا رویہ معمول کے مطابق تھا۔ وہ ناصر کو کھانا لگانے کا کہہ کر امی کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے ساری چیزیں آ کر امی کو تھما دی تھیں۔ صبا اور عنایا کے گفٹس اور امی کا جوڑا جو انہیں بہت پسند آیا تھا۔

”جیتے رہو۔ خوش رہو بیٹا اللہ اسی طرح تمہارے رزق حلال میں برکت ڈالے۔“

امی نے نم آنکھوں سے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”تم نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا ہادی۔“

وہ جواب جانتی تھیں پھر بھی اس سے پوچھا تھا۔

”ضرورت نہیں تھی امی ...... جب ہو گی تب لے لوں گا اور بچوں کی چیزیں ان کے پاس ہیں، وہ آپ کو خود ہی دکھا دیں گے۔“ اس نے ہمیشہ والا جواب دیا تھا، وہ جانتی تھیں کہ وہ ہمیشہ ہی اپنی ضرورتوں کو پیچھے دھکیل دیتا ہے۔

”اور ہاں امی یہ پلیز مومنہ کو دے دیجیے گا۔ اس نے تو کچھ بھی لینے سے منع کر دیا تھا۔ پر مجھے اچھا نہیں لگا کہ سب کے لیے لوں اور اس کے لیے نہیں، میرا دینا مناسب نہیں ہے آپ دیں گی تو وہ رکھ لے گی۔“

اس نے ایک شاپنگ بیگ ان کی طرف بڑھایا تھا۔ جس میں دو بہت خوب صورت جوڑے تھے۔

”بہت اچھا کیا بیٹا...... میں ابھی تم سے یہی کہنے والی تھی۔ بچی ہے اس کا دل بھی چاہتا ہو گا۔ میں اسے دے دوں گی۔ جیتے رہو۔“

امی نے اس کے عمل کو سراہا تو وہ خوش دلی سے مسکرا کر باہر نکل آیا تھا۔ جہاں ناصر نے کھانا لگا دیا تھا۔ وہ بھی اپنا تحفہ پا کر خوش تھا۔

☆☆☆

”چلو بچو آپ لوگوں کے ٹیوٹر آ گئے ہیں۔ جلدی جلدی اپنے بیگ اٹھاؤ اور پڑھنے چلو۔ وہ انتظار کر رہے ہیں۔“

مومنہ نے بچوں کے کمرے میں آ کر جلدی مچائی تھی۔ جو کہ اسکول سے آ کر ریسٹ کرنے کے بعد ابھی بھی سست سے بیٹھے تھے۔

”چلو شاباش......“

اس نے واسع اور شیزا کو بیگ پکڑا کر باہر دوڑایا تھا، جہاں فیضان ان کا ٹیوٹر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہادی کے دوست کا کزن تھا۔ پڑھائی سے فارغ ہو کر جاب کی تلاش میں تھا۔ ہادی نے اپنے دوست کے

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کہنے پہ ہی اسے ٹیوشن پہ رکھا تھا اور وہ اچھا پڑھا رہا تھا بچوں کو اب تو مومنہ بھی نظر رکھتی تھی تو ہادی مطمئن تھا۔

''مریم! کیا ہو گیا ہے یار..... اٹھو ٹیوشن کا ٹائم ہو گیا ہے.....'' مومنہ نے اسی طرح مریم کو پیر لٹکائے بیٹھے دیکھ کر کہا تھا پھر اس کے پاس چلی آئی تھی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟''

اس نے فکرمندی سے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر دیکھا تھا۔ بخار تو نہیں تھا۔

''مجھے ٹیوشن نہیں پڑھنا آپی.....''

مریم نے اس کی طرف دیکھ کر بے زاری سے کہا تھا۔

''مگر کیوں، کیوں نہیں پڑھنا ہے۔ کیا ہوا ہے مریم۔'' مومنہ نے اس کے گرد بازو حائل کر کے پیار سے پوچھا تھا۔

''مجھے آپ پڑھا دیا کریں۔ مجھے فیضان سر سے نہیں پڑھنا ہے۔'' مریم نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا تھا۔

''لیکن کیوں بیٹا کوئی وجہ بھی تو ہو نا، دل نہیں چاہ رہا یا وہ اچھا نہیں پڑھاتے ہیں۔ کیا بات ہے بتاؤ مجھے۔'' مومنہ نے اس کے چہرے پہ نگاہ ڈال کر پوچھا جیسے کچھ کھوجنا چاہ رہی تھی۔ مریم نے پہلے کبھی اس طرح سے ضد نہیں کی تھی۔ وہ ایک سمجھ دار بچی تھی۔ اور پڑھائی میں بھی بہت اچھی اسٹوڈنٹ تھی۔

''کچھ نہیں مومنہ آپی ٹھیک ہے میں جاتی ہوں پڑھنے، میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ آپ میرا بیگ پیک کر دیں پلیز۔''

مریم بے دلی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو مومنہ اس کا بیگ پیک کرنے لگی تھی۔ مریم نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کچھ تو تھا ایسا جو وہ بتانے سے جھجک رہی تھی مگر کیا مومنہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''یہ لیں آنٹی! آپ کے پیروں کی مالش ہو گئی ہے۔ میں ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔ پھر آپ کو دوا دیتی ہوں۔ تو آپ سکون سے سو جایئے گا۔''

مومنہ نے ان کی ٹانگوں کی مالش کرنے کے بعد اچھی طرح کمبل ان پہ پھیلا کر کہا اور خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی تھی۔ واپس آ کر ان کی دوا نکال کر انہیں دی اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھا نیم گرم دودھ کا گلاس تھمایا تاکہ وہ دوا کھا سکیں۔

''جیتی رہو بیٹا خوش رہو۔'' انہوں نے نیم گرم دودھ سے دوا کھا کر اسے دعا دی تھی۔

''چلیں، اب آپ سو جائیں آرام سے تھک گئی ہوں گی۔'' آنٹی کے لبوں سے نکلی دعاؤں نے اس میں نئی توانائی بھر دی تھیں۔

''ہاں میں تو اب سو جاؤں گی۔ تم ایک کام کرو۔ وہ میری الماری کھولو ذرا.....''

انہوں نے ہاتھ میں تھامے گلاس سے دودھ کا گھونٹ بھرا اور مومنہ کو جانے سے روکا تھا۔ مومنہ نے آگے بڑھ کر الماری کا پٹ کھول کر ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''یہ سامنے جو دو شاپنگ بیگ ہیں، وہ اٹھا لاؤ.....''

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سمجھایا تھا۔ مومنہ نے سامنے رکھے بیگز لا کر انہیں پکڑا دیے تھے۔ اور واپس ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ تمہارے لیے ہیں بیٹا! ہادی لایا تھا، کہہ رہا تھا امی آپ دے دیجیے گا۔ میں دوں گا تو شاید مناسب نہ لگے۔'' انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر وہی کہا جو حقیقت تھی۔

''مگر آنٹی میں.....'' مومنہ نے جھجک کر کہا تھا۔

پتا نہیں یہ لینا ٹھیک تھا یا نہیں جبکہ اسے اپنے کام کی تنخواہ ملتی تھی۔

''اگر مگر کیا بیٹا! کسی کے خلوص سے دی ہوئی چیز کو منع نہیں کرتے۔ ہم تمہیں اس گھر کا فرد کہتے نہیں بلکہ مانتے بھی ہیں۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی ہی مانا پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہادی سب کے لیے کچھ لائے اور تمہارے لیے نہیں، ناصر تو اس سے فرمائشیں

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

کر کے چیزیں منگواتا ہے۔ رکھ لو بچے کوئی اتنے قیمتی نہیں ہیں۔''

ان کی محبت اور ہادی کے خلوص نے اس کے لب سی دیے تھے۔ تشکر اس لمحے اس کی آنکھوں میں نمی بن کر چھلکا تھا۔

''چلو اب یہ سب سمیٹو اور جا کر آرام کرو اور ہاں کل ناصر کے ساتھ جا کر ٹیلر کو دے آنا۔''

''جی آنٹی بہت شکریہ.....''

مومنہ انہیں شب بخیر کہہ کر وہ کپڑے اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ تینوں بچے سو چکے تھے۔ اب سنگل بیڈ پہ مریم جبکہ وہ شزا اور واسع کے ساتھ سوئی تھی۔ کیونکہ اب شزا کو اس سے لپٹ کر سونے کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ایک عرصے بعد اسے نئے کپڑے ملے تھے۔

اس نے کاہی سوٹ کا دوپٹہ کھول کر اپنے اوپر پھیلا لیا تھا۔ عرصہ ہوا اس نے گہرے رنگ پہننا چھوڑ دیے تھے۔ اپنے کپڑے پرانے ہوئے تو اس نے اماں کے نکال کر پہننا شروع کر دیے تھے۔ اسے کاہی دوپٹے کے ہالے میں اپنا آپ بہت مختلف لگا تھا۔

وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔ دل میں ہادی کے لیے تشکر کے جذبات پھر سے سر اٹھا رہے تھے۔ وہ سب کے ساتھ کتنا مخلص تھا۔ کتنا خیال رکھتا تھا سب کا۔ یہی سب سوچتی وہ سامان سمیٹ کر کب نیند کی وادی میں اتری اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

☆☆☆

اگلے دو دن کیسے نکل گئے پتا ہی نہیں لگا تھا۔ تیسرے دن جب وہ ناصر کے ساتھ گروسری کے لیے جانے لگی تھی تب آنٹی نے ہی ناصر سے کہا تھا کہ اسے ٹیلر کے پاس لے جائے۔ تبھی مومنہ کو یاد آیا کہ اسے تو کپڑے ٹیلر کو دینے تھے۔ عموماً وہ اور ناصر ایک ساتھ باہر نہیں جاتے تھے مگر آج کام کچھ زیادہ تھا۔ سو جانا پڑا۔

یوں بھی آج خلاف توقع رافع اس وقت گھر پہ موجود تھا۔ اس لیے وہ آنٹی کو بتا کر ناصر کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ ویسے بھی انہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جانا تھا۔ مگر جب وہ دونوں گھر لوٹے تو گھر کا مین گیٹ کھلا ہوا تھا اور لاؤنج سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ جہاں کارٹون چل رہا تھا۔ حالانکہ یہ تو بچوں کے ٹیوشن کا ٹائم تھا۔ وہ فکر مندی سے آگے بڑھی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ رافع کسی کو بھی بتائے بغیر گھر سے نکل گیا ہوگا اور آنٹی اپنے کمرے میں ہوں گی اور بچوں کے ٹیوٹر پتا نہیں آئے تھے یا نہیں۔

وہ سارا سامان ناصر کو پکڑا کر اور اسے کچن میں رکھنے کا کہہ کر تیزی سے لاؤنج میں آئی تھی۔ جہاں خاصی بلند آواز میں ٹی وی چل رہا تھا اور واسع اور شزا چپس کے پیکٹ ہاتھ میں پکڑے پوری طرح ٹی وی دیکھنے میں محو تھے۔

''واسع.....شزا آپ دونوں یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ کیا ٹیوٹر نہیں آئے آپ لوگوں کے.....'' مومنہ نے ان کے قریب آ کر پوچھا تھا۔

''آئے ہیں۔ مگر انہوں نے ہمیں ہوم ورک کرا کر چھٹی دے دی۔ اور یہ چپس اور چاکلیٹ دے کر کہا کہ جا کر ٹی وی دیکھو۔ آج تم لوگوں کی چھٹی ہے۔'' واسع نے تفصیل سے اسے بتایا تھا۔

''اور مریم.....؟'' جانے کیوں اس لمحے مومنہ کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

''وہ اندر پڑھ رہی ہیں۔ ان کا کل ٹیسٹ ہے نا تبھی تو سر نے ہمیں چھٹی دی تاکہ ان کو اچھے سے تیاری کرا سکیں۔'' شزا نے چاکلیٹ کا ریپر پھاڑ کر اسے منہ میں رکھا تھا۔

مومنہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تھی جہاں وہ لوگ بیٹھ کر ٹیوشن پڑھتے تھے۔ اس کا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ لیکن ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر آ کر وہ ٹھہر گئی تھی۔ اس کا ذہن اس لمحے کچھ اور سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

مومنہ دبے قدموں گھر کے پچھلی طرف چلی آئی تھی۔ جہاں ایک گلی سی بنی تھی۔ جس میں ایک چھوٹا سا اسٹور تھا اور پانی کی موٹر وغیرہ لگی تھی۔ گھر کے کمروں کی کھڑکیاں بھی اس طرف کھلی تھیں۔ درمیان والی ڈرائینگ روم کی کھڑکی تھی۔ مومنہ نے ناصر کو ساتھ لے لیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر بات وہی ہے جو وہ سوچ رہی ہے تو کوئی تو ہو جو اس کے ساتھ ہو۔ اس کا ساتھ دے سکے۔ ضرورت پڑنے پہ۔

ناصر اس سے پوچھتا ہی رہا کہ کیا بات ہے مگر مومنہ نے اسے چپ رہنے کو کہا اور اس سے اس کا موبائل لے لیا تھا۔ اس کے پاس اسمارٹ فون تھا۔ جو رافع نے اسے دیا تھا اس کی پکچر کوالٹی یقیناً اچھی ہوگی۔

مومنہ نے کیمرہ آن کر کے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکایا تھا۔ ایسے کہ اندر موجود کسی کو کچھ محسوس نہ ہو۔ اور کیمرے میں نظر آتا اندر کا منظر جو مومنہ کو نظر آیا اس نے مومنہ کے شک کو یقین میں بدل دیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن اس لمحے بہت تیز ہوگئی تھی۔ اس نے بمشکل خود پہ قابو رکھا تھا۔ کیونکہ اس سچویشن میں کسی بھی ٹھوس ثبوت کا ہونا بہت ضروری تھا۔ اور کیمرے کی آنکھ اس وقت صاف اور واضح بتا رہی تھی کہ اندر ایک تیرہ سال کی معصوم سی بچی کو شیطان بس دبوچنے کو تیار ہے۔ وہ کسمسا رہی ہے۔ گھبرا رہی ہے۔ مگر شیطان کے بہکاوے عروج پہ تھے۔

اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزرتا مومنہ نے وڈیو سیو کر کے موبائل ہاتھ میں پکڑا اور تیر کی تیزی سے اندر آئی تھی۔ ہانپتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈرائینگ روم کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس کے پیروں تلے زمین اس وقت کھسکی جب اس نے دروازے کو اندر سے لاک پایا تھا۔ ناصر اب بھی ناسمجھی سے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اندر کون ہے اور مومنہ باجی کیا کر رہی ہیں۔

"دروازہ کھولو ...... میں کہتی ہوں کھولو دروازہ۔"

اس نے بری طرح دونوں ہاتھوں سے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا اور اندر شیطان بہت بری طرح سے بوکھلایا تھا۔ اپنے مقصد کی ناکامی پہ بری طرح سے جھنجھلایا تھا۔ مگر دروازے پہ ہوتی مسلسل دستک نے اسے دروازہ کھولنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"کیا کر رہے تھے تم اندر ہاں بولو۔ کیا کر رہے تھے۔ تم بچی کے ساتھ جواب دو۔ تمہیں شرم نہیں آتی ہے۔ اتنی گھناؤنی حرکت کرتے ہوئے۔ اتنا کیسے گر گئے تم۔"

اس نے ڈری سہمی کانپتی ہوئی مریم کو بازو سے پکڑ کر اپنے پیچھے چھپا لیا تھا۔ ناصر کی اب سمجھ میں آیا تھا۔ وہ غصے سے فیضان کی طرف بڑھا تھا۔

"میں، میں، میں کچھ نہیں کر رہا تھا یہ، یہ خود ہی میرے ساتھ......"

"بکواس بند کرو اپنی......"

وہ بری طرح ہکلایا تو مومنہ نے غصے سے اسے چپ کرا دیا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی ہے۔ ایک تیرہ سال کی بچی پہ الزام لگاتے ہو۔ جسے ان باتوں کا مطلب بھی نہیں معلوم، اتنا گر گئے ہو تم اپنے نفس کے آگے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے کچھ نہیں کہا ہے۔ آپ پتا نہیں کیا سمجھ رہی ہیں۔ میں تو مریم کو ٹیسٹ کی تیاری کرا رہا تھا۔" وہ اب بھی خود کو بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا تھا۔

"اب تم سے ڈاکٹر ہادی ہی پوچھیں گے کہ تم کون سے ٹیسٹ کی تیاری کرا رہے تھے۔ میرے پاس ثبوت ہے اور دیکھنا کہ میں تمہارے ساتھ کرتی کیا ہوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور اب کبھی مجھے یہاں نظر نہ آنا......"

فیضان نے عافیت اسی میں جانی کہ وہ یہاں سے خاموشی سے نکل جائے۔ کیونکہ بہتری اسی میں تھی۔ مومنہ کا وجود ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

وہ خود سے لپٹی لرزتی کانپتی مریم کو لیے صوفے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

پہ بیٹھ گئی تھی۔ اگر وہ وقت پہ نہ آتی تو کیا ہوتا۔ یہ سوچ ہی اس کو ڈرا رہی تھی۔ ناصر بھاگ کر پانی لے آیا تھا۔

''آپ نے مجھے کیوں روکا مومنہ باجی۔ میں اس کو مزہ چکھا دیتا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی۔''

''بس ناصر بھائی ابھی ہم اتنا ہی کر سکتے تھے۔ دیکھیں مریم کتنا ڈر گئی ہے۔ ہمیں اس وقت بچوں کا سوچنا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ہم ملازم ہیں۔ اب آگے ڈاکٹر ہادی خود ہی اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔ آپ پلیز ابھی کسی کو کچھ مت کہیے گا اور ہاں آپ کا فون ابھی میرے پاس ہی ہے۔ ٹھیک ہے۔''

''جی ٹھیک ہے مومنہ باجی، جیسا آپ کہیں۔''

ناصر کو اچھی طرح سمجھا کر وہ مریم کو ساتھ لے کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ بہت بری طرح ڈر گئی تھی۔ اس وقت اسے سنبھالنا بہت ضروری تھا۔

☆☆☆

''مجھے سب کچھ سچ سچ بتاؤ مریم، اس نے تمہارے ساتھ کچھ برا تو نہیں کیا نا..... دیکھو ڈرو مت سچ بتاؤ بالکل.....''

اس نے ڈری سہمی مریم کو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا تھا۔ جس کا چہرہ ڈر اور خوف سے نیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ اسے ابھی بھی اپنے وجود پہ ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''آپی پہلے تو سر بہت اچھے تھے۔ بہت پیار سے پڑھاتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ عجیب حرکتیں کرنے لگے۔ شزا اور واسع کو جلدی باہر بھیج دیتے تھے۔ اور پھر مجھ سے عجیب عجیب باتیں کرتے تھے۔ آج بھی مجھے کہہ رہے تھے کہ میرے ساتھ گھر چلو۔ ڈھیر سارے گفٹس دوں گا۔ میں نے منع کیا تو..... شکر ہے آپی کہ آپ آ گئیں ورنہ تو.....''

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ مومنہ کو اس معصوم سی بچی پہ جی بھر کر ترس آیا تھا۔

''تم نے کبھی کسی کو بتایا کچھ..... آنٹی کو چاچو یا پھوپھو کو..... کسی کو بھی۔'' مومنہ نے پیار سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

''نہیں مجھے ڈر لگتا تھا وہ کہتے تھے کہ کسی کو بتایا تو بہت برا کروں گا تمہارے ساتھ..... میں تب ہی تو کہتی تھی نا کہ مجھے ان سے نہیں پڑھنا ہے، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے اب خود کو محفوظ تصور کر رہی تھی۔

''تمہیں کیوں ڈر لگتا تھا گڑیا..... ڈرے تو وہ جو غلط کرے۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ لیکن اگر کبھی بھی ایسی کوئی بات ہو تو۔ چھپاؤ مت ٹھیک ہے نا، اب پریشان مت ہو۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔''

پھر مومنہ دیر تک اسے سمجھاتی رہی تھی۔ وہ اب بڑی ہو رہی تھی اور اسے ان باتوں کو سمجھنے کی ضرورت تھی۔ اور فیضان نے اس کے اکیلے پن کا فائدہ اٹھایا تھا۔ کیونکہ مومنہ سے پہلے وہ جب بھی آتا تھا تو گھر میں ایک بوڑھی اپاہج دادی کے علاوہ اور ہوتا ہی کون تھا۔ جو اسے دیکھتا۔

یہ تو شکر تھا کہ اللہ نے مومنہ کو وہاں ان بچوں کے لیے بھیج دیا۔ ورنہ پتا نہیں کیا ہو جاتا۔

☆☆☆

مریم کو پچھلے دو دن سے شدید بخار تھا جو کہ کم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔ مگر اس بخار کا سبب مومنہ ابھی کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔ کیونکہ پہلے ہی مریم بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی۔

مومنہ یہ بات صرف ہادی سے شیئر کرنا چاہتی تھی مگر وہ پچھلے دو دن سے کسی سیمینار میں شرکت کے لیے شہر سے باہر تھا اور یہ سب اس کی غیر موجودگی میں ہی ہوا تھا۔ آج اسے واپس آ جانا تھا اور مومنہ چاہتی تھی کہ وہ سب سے پہلے اسے بتائے پھر وہ جو چاہے ایکشن لے..... اتفاق تھا کہ آج صبا آ گئی تھی تو مومنہ اس کے ساتھ مریم کو ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔ صبا بھی مریم کی حالت دیکھ کر فکر مند ہو گئی تھی اور اس وقت زیادہ پریشان ہو گئی تھی جب ڈاکٹر نے مریم کے بخار کا سبب کوئی ذہنی دباؤ بتایا۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

صبا نے مومنہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو مومنہ نے بروقت بات سنبھالی کہ ایگزام کا ٹینشن ہے اور مریم کی تیاری پوری نہیں ہے، اب صبا مطمئن ہوئی یا نہیں لیکن بہرحال اس نے کچھ کہا نہیں تھا زیادہ۔

واسع اور شزا گھر پہ تھے اور مومنہ نے ناصر کو خاص تاکید کی تھی کہ ان کا خیال رکھے۔ انہیں اکیلا نہ چھوڑے اور باہر بھی نہ جانے دے۔

ناصر اس وقت اس کا واحد راز دار تھا اور اس کا موبائل بھی ابھی تک مومنہ کے پاس ہی تھا اور اس بے چارے نے ابھی تک واپس بھی نہ مانگا تھا۔

آج ڈاکٹر ہادی کسی وجہ سے نہیں آپائے تھے۔ اب انہیں صبح آنا تھا۔ اور آنٹی کئی بار پوچھ چکی تھیں کہ پچھلے دو دن سے بچوں کا ٹیوٹر انہیں پڑھانے کیوں نہیں آرہا ہے۔ فضول میں بچوں کا وقت ضائع ہورہا ہے اور وہ بھی ایسے میں جب کہ ان کے امتحان سر پہ تھے۔ مومنہ نے بہانہ بنا دیا کہ وہ چھٹی پہ ہے کوئی ایمرجنسی تھی۔

مومنہ کو صرف ہادی کا انتظار تھا۔ اس سے پوچھ کر ہی وہ آگے کا کوئی لائحہ عمل ترتیب دے سکتی تھی کہ یہ بات کسی کو بتانی ہے یا نہیں..... ہادی اس دن نہیں آسکا تھا۔ اگلے دن صبح صبح پہنچا تھا اور پھر سیدھا ہاسپٹل چلا آیا تھا، کیونکہ اس کی ڈیوٹی تھی۔

مریم کا بخار آج کچھ کم تھا، صبا بھی اپنے گھر واپس جا چکی تھی۔ رافع ہادی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر پچھلے دو دن سے گھر ہی نہیں آیا تھا۔ بس تھوڑی دیر کو آتا تھا اور پھر کسی کو بتائے بنا چلا جاتا تھا۔ دادی کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا تھا۔ اور ناصر اور مومنہ تو خیر کسی گنتی میں ہی نہ تھے۔ ہاں رات کے کھانے پہ سب اکٹھے ہوئے تو آنٹی نے پھر سے بچوں کے ٹیوٹر کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ رافع بھی موجود تھا۔

''اچھا کیوں خیریت ہے۔ کچھ بتا کر گیا تھا۔''

ہادی نے واسع اور شیزا کو کھانا کھلاتی مومنہ سے پوچھا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گئی تھی کہ اب سب کے سامنے کیا کہے۔

''جی انہیں ایمرجنسی میں شہر سے باہر جانا تھا اس لیے چھٹی لے کر گئے ہیں۔''

مومنہ نے نگاہ چرا کر کہا تو اس کے چہرے کے تاثرات کو پل بھر میں ہادی نے نوٹس کیا تھا۔ جانے کیوں اسے محسوس ہوا کہ بات وہ نہیں جو مومنہ کہہ رہی ہے بلکہ اصل بات کچھ اور ہے۔

''اچھا ٹھیک ہے میں کال کر کے پتا کرتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں امی۔''

''ہاں تم ابھی کال کرو اسے .....بچوں کی پڑھائی کا حرج ہورہا ہے۔''

''آنٹی آپ پریشان نہ ہوں، میں کال کرتی ہوں۔'' مومنہ نے جلدی سے کہا تھا۔

ہادی کا دل کھانے سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ اب جب تک وہ اصل بات نہ جان لیتا مطمئن نہیں ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

وہ وڈیو دیکھ کر ہادی کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ غصہ خون بن کر اس کی کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا تھا۔ وہ فیضان سے اس گھٹیا حرکت کی توقع تو دور ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے فیضان کی مدد کی اسے جاب لیس سمجھ کر اسے جاب دی اور وہ اس کی عزت پہ ہاتھ ڈالنے لگا تھا۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں .....میں کل ہی اس کے خلاف رپورٹ کرتا ہوں اس کی جرات کیسے ہوئی ہے۔ مومنہ آپ یہ وڈیو میرے فون پہ سینڈ کریں پلیز میں بتاتا ہوں اسے کہ کسی کے گھر پہ نقب ڈالنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتا کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے اور وہ اب کیا کرے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے فیضان کا قتل کردے۔

''جی میں ابھی کر دیتی ہوں۔''

مومنہ نے ناصر کے فون سے وہ وڈیو فوراً ہی

www.pakistanipoint.com

ہادی کو سینڈ کر دی تھی۔ اب وہ تھوڑی سی مطمئن ہوئی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ہادی اب سب سنبھال لے گا۔

''آپ کا بہت شکریہ مومنہ..... اگر آپ وقت پہ نہ آتیں تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔''

یہ سوچ ہی ہادی کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھی کہ اگر مومنہ اور ناصر عین وقت پہ نہ پہنچتے تو۔''

آگے سوچ کر ہی اس کا دل بند ہونے لگا تھا۔ اس نے ہمیشہ ہی ان چاروں کو اپنے بچوں کی طرح چاہا تھا ان کی حفاظت کی تھی۔

''نہیں پلیز آپ ایسا نہ کہیں یہ تو شکر ہوا کہ ہم وقت پہ آ گئے تھے۔ دراصل مریم کا رویہ دیکھ کر مجھے تھوڑا سا شک تھا کہ شاید ایسا کچھ ہے۔ مگر کہا اس لیے نہیں کہ کیا پتا یہ میرا وہم ہو۔ آخر وہ اتنے ٹائم سے بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ مگر میرا شک صحیح تھا۔''

مومنہ نے کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ وہ اس گھر میں ان بچوں کے لیے ہی آئی تھی۔ سو ان کی حفاظت اس پہ فرض تھی۔ مومنہ نے اسے بتا دیا تھا کہ اس نے ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی ہے۔ ہادی نے اسے منع کیا تھا کہ اب وہ یہ بات کسی سے شیئر نہ کرے خاص کر مریم کے سامنے وہ خود ہی فیضان سے نمٹ لے گا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے چاچو.....''

وہ دونوں انہی سوچوں میں گم تھے۔ تب ہی رافع دستک دے کر اندر چلا آیا تھا۔

''ہاں رافع بولو.....''

ہادی نے اپنی کیفیات پہ بمشکل قابو پایا تھا۔ رافع نے مومنہ کے سامنے کچھ بھی کہنے سے اجتناب برتا تو مومنہ اس کا گریز سمجھ کر اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔

''کیا بات ہے رافع سب ٹھیک ہے۔'' ہادی نے مومنہ کے جانے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

''وہ چاچو! مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے۔''

رافع نے بنا جھجکے اس سے کہا تھا۔

''اچھا کتنے پیسے چاہیے تھے۔ کیا پاکٹ منی ختم ہو گئی تمہاری۔'' ہادی نے ہمیشہ کی طرح فوراً ہی اپنا والٹ اٹھا کر کھولا اور پھر اس سے پوچھا تھا۔

''دو لاکھ..... مجھے کچھ چیزیں لینی ہیں اور نیا آئی فون بھی۔''

''دو لاکھ.....'' ہادی کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''اتنی بڑی رقم تو نہیں ہے چاچو..... لوگ تو آج کل اتنے پیسے شاپنگ میں اڑا دیتے ہیں۔'' رافع لاپروائی سے بولا تھا۔ جیسے اس نے دو لاکھ نہیں دو ہزار مانگے ہوں۔

''ہاں ٹھیک ہے بیٹا، مگر وہ لوگ افورڈ کر سکتے ہیں ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی تو میں تمہیں تمہاری فضول خرچیوں کے لیے کبھی نہ دیتا۔ تمہارا فون بھی ابھی ٹھیک چل رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تو لیا تھا باقی ایسا کیا لینا ہے تمہیں ذرا پتا تو لگے۔''

ہادی نے ہمیشہ کی طرح اسے دھیمے سے سمجھایا تھا..... وہ حتی الامکاں کوشش کرتا تھا کہ بچوں کو پیار سے سمجھائے..... کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر رافع پہ زیادہ سختی کرے گا تو وہ مزید بگڑے گا۔

''میں آپ کو بتانے کا پابند تو نہیں ہوں۔''

وہ رکھائی سے بولا تھا۔ اجنبی سا بدتمیز لہجہ تھا رافع کا..... ہادی کو بہت محسوس ہوا تھا اس کا یہ انداز۔

''ٹھیک ہے، مت بتاؤ لیکن ابھی مجھے پریشان مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں کسی وجہ سے۔''

ہادی اس وقت جس پریشانی میں تھا۔ وہ کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔ مگر اس وقت وہ مزید کسی اور بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ فی الحال وہ اکیلے رہنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس مسئلے کا کوئی حل نکال سکے۔

''آپ کب پریشان نہیں ہوتے ہیں چاچو ہمیشہ آپ کے پاس اپنے ہی مسائل ہوتے ہیں ہمارا تو کبھی آپ نے سوچا ہی نہیں ہے، میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ مجھے ہر حال میں پیسے چاہئیں — آپ کچھ بھی کریں کہیں سے بھی لائیں۔''

www.pakistanipoint.com

رافع کے لہجے کی بدتمیزی اور بے حسی نے ہادی کو اس لمحے دکھ کے گہرے سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ تو وہ اتنے وقت سے کیا کرتا رہا تھا کس کے لیے کرتا رہا تھا سب کچھ۔ رافع اس سمے باپ کا عکس لگا تھا ویسا ہی لاپرواہ اور ویسا ہی بے حس، جس نے اپنی عیاشیوں میں کبھی پلٹ کر دیکھا ہی نہیں کہ پیچھے رہ جانے والے زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ وہ بدتمیزی سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا تو ہادی کتنے ہی لمحے اسی کیفیت میں بیٹھا رہا تھا۔

☆☆☆

ہادی نے فیضان کے خلاف رپورٹ کرا دی تھی۔ اس کا ایک اسکول فیلو عادل پولیس میں تھا اور اس نے مکمل راز داری کے ساتھ اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ہادی نہیں چاہتا تھا کہ وہ فیضان کو اتنی آسانی سے چھوڑ دے۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح اس کی مریم کو اللہ نے اس سے بچالیا ہے اسی طرح اور معصوم بچیاں بھی اس شیطان کے شر سے محفوظ رہیں اور اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھانا ضروری تھا۔ عادل اپنے طور پہ اب اس معاملے کو دیکھ رہا تھا اور ہادی کو یقین تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔

رافع کا مطالبہ ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ اسے ہر حال میں دو لاکھ چاہیے تھے پھر چاہے ہادی کہیں سے بھی لاتا۔ ہادی نے یہ بات امی کو بتائی تو وہ بھی سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔ آج بڑے دنوں بعد وہ قدرے مطمئن سا گھر آیا تھا۔

اس نے گھر آ کر ناصر سے اپنے لیے ایک اسٹرانگ سی چائے بنوائی۔ پھر کچھ دیر ریسٹ کرنے کے بعد وہ کھانے کے لیے چلا آیا تھا۔ جہاں سب ہی موجود تھے۔ رافع کو وہاں دیکھ کر ہادی کو اچھا لگا تھا۔ جانے کیوں رافع کے معاملے میں وہ دن بدن مایوس ہوتا جا رہا تھا اور رافع اپنی ناسمجھی میں جان چھڑکنے والے رشتوں سے بدظن، شاید اس کی عمر ایسی تھی وہ چاہتا تھا کہ اگر وہ چاند مانگے تو وہ لا کر چپ چاپ اس کی ہتھیلی پہ دھر دیا جائے، مگر ایسا ممکن نہیں تھا انہیں اس مقام تک پہنچانے میں ہادی نے خود کو نچوڑ دیا تھا۔ اپنا دن رات اپنا مستقبل اپنے خواب سب داؤ پہ لگا دیے تھے۔ مگر ابھی اسے احساس نہیں تھا اور ہادی چاہتا تھا کہ کسی بڑی ٹھوکر یا دھوکے سے پہلے وہ سنبھل جائے۔

ہادی کو سب سے زیادہ تکلیف اس کا مومنہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر ہوتی تھی وہ خود کو مومنہ کے سامنے شرمندہ محسوس کرتا تھا۔ حالانکہ اس میں ہادی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن شاید وہ حد سے زیادہ حساس تھا۔ اس لیے وہ ہر بات کو زیادہ محسوس کرتا تھا۔

"چاچو آپ نے ابھی تک مجھے پیسے نہیں دیے ہیں، اتنے دن ہو گئے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا مجھے فوراً پیسے چاہئیں۔"

رافع کی پلیٹ ابھی تک خالی تھی کیونکہ وہ یہاں کھانا کھانے نہیں بلکہ ہادی سے بات کرنے کی وجہ سے بیٹھا تھا۔

"رافع! پہلے کھانا کھالیں، اس بارے میں پھر بات کرتے ہیں۔"

ہادی نے نرم لہجے میں کہہ کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالے تھے۔

"رافع! تم کیا کرو گے اتنے پیسوں کا...... جانتے بھی ہو دو لاکھ کتنی بڑی رقم ہوتی ہے اور پھر ہادی کہاں سے لائے گا اتنے پیسے۔"

دادی سے اس کے بارے میں کبھی براہ راست بات نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس لمحے کھانے کی میز پہ وہ یہ بحث سن کر خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ ہادی کتنی محنت کر کے اس گھر کو چلاتا ہے اور دو لاکھ خاصی بڑی رقم تھی۔

"دادو پلیز...... میں چاچو سے بات کر رہا ہوں۔ آپ خاموش رہیں۔"

"رافع! تمیز سے بات کرو۔" اس لمحے باوجود کوشش کے وہ خود کو روک نہیں پایا تھا...... وہ جتنا برداشت کر رہا تھا۔ رافع اتنا سر پہ چڑھ رہا تھا۔

"ہاں میں کروں گا بدتمیزی کیا کرلیں گے آپ

میرا؟ آپ نے کیا ہی کیا ہے آج تک ہمارے لیے اور جو بھی کیا ہے وہ کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ فرض تھا آپ کا۔''

وہ پلیٹ پیچھے دھکیل کر بدتمیزی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جو میں نے کیا وہ فرض نہیں تھا میرا..... وہ سب کرنا تمہارے باپ کا فرض تھا۔ مگر میں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر اپنا فرض سمجھ کر اسے نبھایا اور آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے بتا رہے ہو کہ میں نے کیا کیا ہے؟ تم ہو کیا اتنا یاد رکھنا رافع! اگر اس وقت میں یہ ذمہ داری نہ اٹھاتا نا، تو آج تم لوگ کسی سڑک پہ رل رہے ہوتے یا سوتیلی ماں کی گالیاں کھا رہے ہوتے۔ ہاں نہیں ہیں میرے پاس اتنے پیسے کرلو جو کرنا ہے، ہوتے بھی تو نہیں دیتا جا کر اپنے باپ مانگو دیکھتا ہوں اسے کتنے فرائض یاد ہیں اپنے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی ہادی خود پہ ضبط نہیں کر پایا تھا..... اور وہ سب کہہ دیا تھا وہ سب کچھ جو آج تک وہ چپ چاپ بنا کسی غرض کے اپنا فرض سمجھ کر کرتا تھا اس لمحے گنواتے ہوئے اسے شرم تو آئی تھی مگر ایسا کرنے پہ رافع نے اسے مجبور کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر ہادی! پلیز بچے پریشان ہو رہے ہیں اور آنٹی کی طبیعت بھی خراب ہو جائے گی۔''

مومنہ نے آنٹی کا چہرہ دیکھا جو سفید پڑ گیا تھا اور شیزا اور واسع بھی سہم کر اس سے لپٹے کھڑے تھے۔

''آپ کیوں بول رہی ہیں ہمارے معاملے میں، یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے آپ ہوتی کون ہیں ہمارے بیچ میں بولنے والی۔''

رافع نے ہاتھ میں تھاما گلاس زور سے زمین پہ عین اس جگہ پھینکا تھا جہاں مومنہ کھڑی تھی۔ اس لمحے وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ دوسروں سے مقابلہ کرنے کی دھن اور دوستوں کی پڑھائی گئی پٹیوں نے اس کی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور غصہ نکالنے کا سب سے آسان ہدف اسے مومنہ ہی لگی تھی۔ اس نے خود سے لپٹے کھڑے واسع اور شیزا کو بے ساختہ ہی خود سے دور کیا تھا کہ کہیں کوئی کرچی انہیں چبھ نہ جائے۔

''امی! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔''

ہادی اب رافع کو چھوڑ کر ماں سے پوچھ رہا تھا کہ جن کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ گیا تھا۔ اس طرح کی کوئی بھی ٹینشن کوئی بھی اسٹریس ان کے لیے کتنا خطرناک ہو سکتا ہے یہ ہادی کو اچھی طرح معلوم تھا۔ انہوں نے بمشکل سر اثبات میں ہلا کر اسے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین دلایا تھا۔

''ناصر! جلدی سے امی کا میڈیسن باکس لاؤ۔''

وہ بھاگ کر دوائیاں لے آیا۔ ہادی نے جلدی سے امی کو دوا کھلائی تھی۔

وہ دوا کھانے کے بعد اب قدرے بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ ہادی نے ان کا بی پی چیک کیا اور انہیں کمرے میں لٹا آیا تھا۔ اتنی دیر میں ناصر نے لاؤنج میں سے کانچ کے ٹکڑے سمیٹ دیے تھے۔ ہادی نے اسے بچوں اور امی کو دیکھنے کی تاکید کی اور خود اپنا میڈیکل باکس لے کر مومنہ کے قریب چلا آیا تھا۔ دو زانو ہو کر اس کے پاس بیٹھا اور اس کا پاؤں اٹھا کر اپنے گھٹنے پر رکھ لیا تھا۔

''مومنہ کانچ اندر تک کھب گیا ہے۔ تھوڑا درد ہوگا، پلیز برداشت کرنا ہوگا۔''

ہادی نے زخم کا اچھی طرح معائنہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ لب بھینچے ہوئے پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ پھر فورسپ کی مدد سے نرمی سے کانچ کو باہر کھینچ لیا تھا۔

''آؤچ.....''

مومنہ نے کراہ کر ہادی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جو اس کے پیر کو تھامے ہوئے تھا۔

''اٹس اوکے مومنہ بس ہو گیا حوصلہ کریں شاباش۔'' ہادی نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اسے حوصلہ دیا تھا۔ کانچ کے نکلتے ہی خون بہنے لگا تھا۔ ہادی نے نرمی سے زخم صاف کر کے دوا لگا کر پٹی کر دی

www.pakistanipoint.com

تھی۔ تب جا کر مومنہ کو تھوڑا سکون ملا تھا۔

''زخم خاصا گہرا ہے۔ مگر جلد ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ یہ پین کلر آپ کھالیں۔ اس سے درد میں خاصی کمی ہو جائے گی اور آپ بہتر فیل کریں گی۔'' ہادی نے اپنا باکس بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

''چلیں میں آپ کو کمرے میں لے چلتا ہوں۔''

ہادی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا تھا۔

''نہیں ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی۔ اب کافی بہتر فیل کر رہی ہوں میں.....''

وہ لمحہ بھر کو جھجک کر رک گئی تھی۔ ہاتھ ابھی بھی ہادی کے ہاتھ میں تھا جو اس نے سہارا دینے کو تھام رکھا تھا۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا کہ کوئی وقتی سہارا دائمی بن جائے اور مومنہ اپنے دل کی ایسی کسی بھی خواہش سے ڈرتی تھی۔

''اٹس اوکے مومنہ..... آجائیں پلیز۔''

ہادی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے تھام کر اٹھایا اور سہارا دے کر اسے کمرے تک لے آیا تھا۔

''اب آپ ریسٹ کریں۔ ناصر سب دیکھ لے گا اور کوئی کام ہو تو میں اپنے کمرے میں ہوں، ٹھیک ہے۔''

ہادی نے اسے بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے کہا اور ایک نگاہ سوئے ہوئے بچوں پہ ڈالی تھی۔ وہ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا تھا۔ جب تک کہ مومنہ اپنے بستر پہ لیٹ نہیں گئی تھی۔

''ڈاکٹر ہادی.....''

وہ جانے کو مڑا تو مومنہ کی آواز نے اسے روک لیا تھا۔ ہادی نے رک کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''ہر چیز کے لیے آپ کا بہت شکریہ ڈاکٹر ہادی آپ بہت اچھے ہیں۔''

مومنہ کی بات پہ ایک بے ساختہ مسکراہٹ تھی جو اس لمحے اس کے چہرے پہ آ کر اسے عجیب خوب صورتی دے گئی تھی۔ دل کے خالص لوگوں کے چہرے اتنے ہی حسین اور پرکشش ہوتے ہیں۔ یہ بات اس رات ان دونوں نے ہی ایک دوسرے کے لیے سوچی تھی۔

☆☆☆

''اب آپ کا پاؤں کیسا ہے مومنہ، تکلیف تو نہیں۔'' پچھلے ایک ہفتے سے وہ روز یہ سوال مومنہ سے پوچھنا نہیں بھولتا تھا اور باقاعدگی سے اس کے زخم کی ڈریسنگ بھی کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا زخم خاصا جلدی بھر گیا تھا۔

''جی اب تو بہت بہتر ہے بلکہ تقریباً ٹھیک ہی ہو گیا ہے۔ چلنے میں بھی اب تکلیف نہیں ہے۔ بس ذرا سا کھنچاؤ ہے۔''

مومنہ نے ایک نگاہ پٹی میں لپٹے اپنے پاؤں کو دیکھ کر اسے جواب دیا تھا۔

''چلیں یہ تو اچھی بات ہے۔ مگر ابھی بھی کیئر کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زخم خراب ہو جائے، مجھے دکھائیں ذرا.....''

ہادی ناشتے کے بعد ہاسپٹل جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ بچے بھی اسکول جا چکے تھے۔ تب ہی اس نے ٹیبل سے ناشتے کے برتن سمیٹتی مومنہ سے کہا تھا۔

''ارے نہیں آپ کو دیر ہو جائے گی۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔ میں خود ہی ڈریسنگ کر لوں گی۔''

مومنہ کو اچھا لگا تھا اس طرح سے اس کا کیئر کرنا مگر وہ روز اس کے پاؤں کو ہاتھ لگائے اس سے اسے جھجک آتی تھی۔ اور یوں بھی اب تو زخم بہت بہتر تھا۔ وہ خود بھی پٹی کر سکتی تھی۔

''ڈاکٹر میں ہوں یا آپ.....''

''آپ.....!'' مومنہ نے اس کے سوال پہ اسے حیرانی سے دیکھا تھا۔

''تو بس پھر مجھے میرا کام کرنے دیجیے۔ یوں بھی ڈاکٹر سے آرگیو نہیں کرتے نقصان ہو سکتا ہے۔''

ہادی نے لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

خوش گوار لہجے میں اپنائیت سے کہا تو مومنہ منع نہیں کر سکی تھی۔ اسٹول پہ رکھے اس کے پاؤں کی پٹی کھولتے ہوئے اس نے خود پہ جمی مومنہ کی نگاہوں کو محسوس کیا تھا۔

''دراصل آج مجھے ایک میڈیکل کیمپ کے لیے شہر سے باہر جانا ہے تو ہوسکتا ہے کہ واپسی میں تھوڑی دیر ہو جائے یا ہوسکتا ہے کہ وہیں رات رکنا پڑے۔ اس لیے سوچا کہ ابھی آپ کا پاؤں دیکھ لوں۔ اب تو پہلے سے ٹھیک ہے۔ بس ایک دو دن مزید ڈریسنگ کرنا ہوگی۔''

ہادی نے اس کے پاؤں کی ڈریسنگ چینج کر دی تھی۔ ہادی کے انداز و لہجے میں اس لمحے صرف خلوص تھا۔ کسی بھی ریا سے پاک وہ شخص اسے صرف اپنی ذمہ داری کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ شکریہ آپ کا ڈاکٹر ہادی اور آپ گھر کی فکر مت کیجیے گا میں خیال رکھوں گی اور کوئی پرابلم ہوئی تو آپ کو کال کر دوں گی۔''

مومنہ نے آہستگی سے پیر کو زمین پہ رکھا اور دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مومنہ کی تسلی پہ مطمئن سا سر ہلاتا ہاتھ دھونے چلا گیا تھا۔

مومنہ ڈاکٹر ہادی کے جانے کے بعد گیٹ اچھی طرح بند کر کے آنٹی کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ نہانا چاہ رہی تھیں اور مومنہ کی مدد کے بنا وہ یہ نہیں کر سکتی تھیں۔ بچے اسکول گئے تھے۔ رافع اپنے کمرے میں اور ناصر کچن کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ آنٹی کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ اب پہلے سے بہتر تھیں۔ کبھی کبھار وہ واکر کی مدد سے چل بھی لیتی تھیں۔ اس لیے انہیں مومنہ کی مدد درکار ہوتی تھی اور مومنہ بھی پورے خلوص مستعدی سے ان کے کام کرتی تھی۔

اس وقت بھی وہ انہیں نہلا کر وہیل چیئر پہ بٹھا کر باہر صحن میں لے آئی تھی کہ جاتی سردیوں کے دن تھے۔ یہ ہلکی دھوپ بدن کو اچھی لگتی تھی۔ وہ انہیں وہیں چھوڑ کر ناصر کے بلانے پہ کچن میں چلی آئی تھی۔ جہاں وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ دوپہر کے کھانے میں کیا بنائے، وہ یہی پوچھنے واپس آنٹی کے پاس آئی تھی کہ وہ دونوں کوئی بھی کام ان سے پوچھے بنا نہیں کرتے تھے خواہ وہ کھانا پکانا ہو یا کوئی بھی کام۔

''مومنہ بیٹا، میں نے اپنے کنگن اتار کر رکھے تھے۔ نہانے سے پہلے اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ ذرا وہ تو لا دو۔''

انہوں نے مومنہ کو کھانے کے بارے میں بتا کر پھر اپنے کمرے میں کنگن لانے بھیجا تھا۔ یہ ان کے مرحوم شوہر کی نشانی تھے۔ ان کے پاس فقط ایک یہی چیز بچی تھی سونے کے نام پہ جسے وہ مرحوم شوہر کی نشانی سمجھ کر ہمہ وقت کلائی میں پہنے رکھتی تھیں۔ بھاری جڑاؤ کنگن انہیں بہت عزیز تھے، اس لیے ان کی حفاظت بھی بہت کرتی تھیں۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح نہانے سے پہلے اتار کر رکھے تھے اور ابھی وہی لانے مومنہ کو بھیجا تھا۔ وہ کمرے میں چلی آئی تھی مگر وہاں سائیڈ ٹیبل پہ تو کیا پورے کمرے میں اسے کہیں وہ کنگن نظر نہیں آئے تھے۔

''آنٹی وہاں تو آپ کے کنگن نہیں ہیں۔ میں نے ہر جگہ دیکھ لیے ہیں۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ..... ڈریسنگ حتیٰ کہ باتھ روم میں بھی، آپ نے کہیں اور تو نہیں رکھ دیے تھے۔''

اس نے پھولی سانسوں کے ساتھ آ کر انہیں بتایا تو ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ پرانے وقتوں کے بنے کنگن، مطلب کہ بیٹھے بٹھائے لاکھوں کا نقصان۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے مومنہ..... میں نے وہیں رکھے تھے۔ جہاں ہمیشہ رکھتی ہوں۔ تم نے اچھی طرح سے دیکھے.....'' ان کا سفید پڑتا چہرہ اور لہجے سے پھسلتی پریشانی، مومنہ کو مزید پریشان کر رہی تھی۔

''جی ہر جگہ دیکھ لیے آپ خود چل کر دیکھ لیں میں آپ کو لے چلتی ہوں۔'' مومنہ نے تیزی سے ان کی وہیل چیئر کو گھمایا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ خود چل کر دیکھ لیتیں..... یا مومنہ ان کے سامنے پھر سے

www.pakistanipoint.com

ڈھونڈتی کیونکہ وہ یہاں کام کرتی تھی۔ اور گھر سے اتنی قیمتی چیز کا کھو جانا اس کے لیے بھی نقصان دہ ہوسکتا تھا۔

اور ایسا ہوا بھی پہلی بار تھا کہ گھر سے کوئی اتنی قیمتی چیز کوئی تھی یہ تو ہمیشہ سے ان کا معمول تھا وہ یونہی کنگن اتار کر رکھتی تھیں۔ پھر پہن لیتی تھیں کبھی ایسا کچھ نہیں ہوا تھا پھر آج کیسے۔

ان دونوں کے دل بہت تیز دھڑک رہے تھے۔ مگر کہتے ہیں نا کہ برا وقت اور بری گھڑی کبھی پوچھ کر یا بتا کر نہیں آتے ہیں انہونی ہوتی تھی سو ہو چکی تھی۔ کنگن واقعی کھو چکے تھے۔

☆☆☆

پورا کمرہ باتھ روم کمرے کی ایک ایک چیز، ایک ایک دراز حتی کہ پورا گھر دیکھ لیا تھا مگر کنگن وہاں ہوتے تو ملتے نا، کنگن کھو چکے تھے۔ بس لمحہ بھر کی بات تھی اور اتنی قیمتی چیز گھر کے اندر سے کھو چکی تھی۔ کہاں اور کس نے لی۔

یہ سوال سب کے ذہن میں تھا مگر کوئی بھی پوچھنے یا کہنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، کیونکہ سب جانتے تھے کہ صبح سے صرف گھر کے افراد ہی تھے اور باہر سے کوئی نہیں آیا تھا آنٹی کی حالت دیکھ کر مومنہ نے صبا کو فون کر کے بلا لیا تھا۔ ہادی شہر سے باہر تھا اور اس کا نمبر بھی بند آ رہا تھا۔ شاید وہ کسی ایسی جگہ تھا۔ جہاں سگنل وغیرہ کا کوئی مسئلہ تھا۔

''کیا مصیبت ہے کیا شور مچا رکھا ہے سونے بھی نہیں دیتے ہیں سکون سے.....''

پوری رات ٹک ٹاک کی وڈیوز اور سوشل میڈیا کی نظر کرنے کے بعد ابھی وہ اپنی نیند پوری کر رہا تھا مگر اس کا حلیہ دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ وہ ابھی نیند سے جاگا ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نک سک سے تیار کہیں جانے کو۔ کھڑا تھا اور ابھی شور سن کر نیچے آیا تھا۔

''رافع بیٹا میرے کنگن کہیں کھو گئے ہیں۔ اب مل نہیں رہے ہیں۔ وہی جو تمہارے دادا کی نشانی تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ اتنی سی دیر میں کہاں چلے گئے۔ ابھی تو اتار کر رکھے تھے۔'' وہ حواس باختگی میں اسے پوری تفصیل بتا گئی تھیں۔

''واٹ گھر میں سے کوئی چیز اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے۔ باہر سے تو کوئی آیا نہیں ہوگا۔ سوان سے پوچھیں جو چوبیس گھنٹے آپ کے ارد گرد رہتے ہیں۔''

اس نے پاس کھڑی مومنہ پہ ایک تیکھی نگاہ ڈال کر دادی سے کہا تھا۔ گویا ان کے دل میں شک کا بیج بونے کی پہلی کوشش کی تھی۔

''کیا مطلب ہے رافع تمہارا تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔ میں کیوں اٹھاؤں گی ان کے کنگن، مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔''

خود پہ لگا الزام سن کر مومنہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ وہ آج تک رافع کی ہر بات پر بدتمیزی چپ چاپ برداشت کرتی آئی تھی۔ مگر یہ بہت بڑی بات تھی۔

''میں الزام نہیں لگا رہا جو سچ ہے اور دکھائی دے رہا ہے۔ وہی بتا رہا ہوں اور دادو کسی غیر پہ اتنا اندھا اعتماد بھی صحیح نہیں ہوتا ہے۔ لیجیے صبا پھوپھو بھی آ گئیں اب آپ ان سے ہی پوچھ لیجیے کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط۔''

رافع نے لاؤنج میں داخل ہوتی بوکھلائی سی صبا کو دیکھ کر کہا تھا۔ جو ماں کی حالت کا سن کر دوڑتی چلی آئی تھی۔

''کیا بات ہے سب خیریت ہے نا اتنی ایمرجنسی میں کیوں کال کی، میں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یونہی دوڑی چلی آئی ہوں۔''

عنایا کو صوفے پہ بٹھا کر اس نے ماں کے پاس آتے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ نے اسے کال کر کے صرف ماں کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا۔ کنگن کی گمشدگی کا نہیں مگر یہاں آ کر تو اسے کچھ اور ہی سننے کو مل رہا تھا۔

''ویسے رافع کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہا ہے امی! اب چیز گھر سے گم ہوئی ہے تو پہلا شک تو گھر والوں پہ ہی جائے گا نا جو اس وقت موجود تھے۔ رافع!

WaqarAzeem www.pakistanipoint.com

تم ایسا کرو میرے ساتھ آؤ ہم پورے گھر کی اور سب کے سامان کی تلاشی لیتے ہیں۔ ابھی پتا چل جائے گا۔''

صبا نے رافع کی تائید کرتے ہوئے ایک تیز نگاہ مومنہ پہ ڈالی تھی اس نگاہ میں کیا کچھ تھا جو مومنہ کو اندر تک کاٹ گیا تھا طنز شک حقارت۔

یوں بھی صبا دل ہی دل میں اول روز سے مومنہ سے بیر باندھے ہوئے تھی۔ ہوتے ہیں نا کچھ لوگ ایسے جو ہمیشہ ہی کوئین آف دی ٹاؤن رہنا چاہتے ہیں۔ صبا بھی کچھ ایسی ہی فطرت لیے ہوئے تھی۔ جب مومنہ کے آنے کے بعد اس کے گھر والوں نے اس پہ انحصار کرنا کم کر دیا تو اس کے دل میں مومنہ کے لیے شکر گزاری کے بجائے بال آ گیا اور آج اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بغض کو دل سے نکالنے کا۔

''یہ تم دونوں کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مومنہ اور ناصر گھر کے بچے ہیں۔ مجھے ان پہ پورا بھروسا ہے اتنا بڑا الزام ان پہ مت لگاؤ کہ جس کے لیے تم دونوں کو کل پچھتانا پڑے۔''

آنٹی نے ان دونوں کو روکنا چاہا مگر اس وقت ان کی بات کوئی نہیں سن رہا تھا۔ مومنہ سفید پڑتا چہرہ لیے ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اس کا دل اس لمحے بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ کسی انہونی کے ہونے کا احساس بہت شدت سے ہو رہا تھا۔ تنہائی بے بسی کا احساس اس کے پورے وجود کو گھیرنے لگا تھا۔ اپنے کردار کی پامالی کا احساس۔

''پھوپھو! آپ دادو کے پاس رکیں۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

''ایک منٹ۔''

رافع کو بچوں کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر مومنہ کو جیسے ہوش آیا تھا۔ اب فیصلہ اسے کرنا تھا اور وہ فیصلہ وہ کر چکی تھی ان سب کو وہیں چھوڑ کر وہ کمرے میں چلی آئی تھی اور کچھ ہی دیر میں وہ اپنا سب سامان سمیٹ کر باہر آ گئی تھی۔

''یہ میرا سامان ہے، آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں میں جو چیزیں لے کر آئی تھی وہی لے کر جا رہی ہوں۔ آپ لوگ اپنی تسلی کر لیں۔'' اس نے اپنا بیگ جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ جس میں ضرورت کی چند چیزیں تھیں۔ وہ سامنے لا کر ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ صبا نے فوراً ہی اٹھ کر اس کا سامان اب باہر ٹیبل پہ الٹ دیا تھا۔

''صبا! یہ کیا کر رہی ہو تم، ہادی کو پتا لگے گا تو وہ بہت غصے ہوگا۔ مومنہ ایسی نہیں ہے۔''

آنٹی نے انہیں روکنے کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر اس لمحے صبا اور رافع کسی کی نہیں سن رہے تھے۔ سارا سامان کھنگالنے کے بعد بھی اس میں کنگن نہیں تھے۔ وہاں ہوتے تو ملتے نا۔

''اتنی آسان سی جگہ تھوڑی چھپائے ہوں گے پھوپھو ہو سکتا ہے کہ ہمارے آنے سے پہلے باہر جا کر کسی کو دے دیے ہوں۔''

رافع نے ٹیبل پہ بکھرے سامان کو ایک نگاہ دیکھ کر کہا تھا۔ سب کچھ ہی اس کی توقع سے بڑھ کر ہو رہا تھا۔ اسے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑا تھا۔

''رافع اگر مجھے یہی سب کرنا ہوتا نا، تو میرے پاس کئی اور مواقع تھے۔ جہاں میں اپنی اصلیت دکھا سکتی تھی۔ میں غریب ضرور ہوں۔ مگر چور نہیں ہوں۔ آنٹی آپ کی محبتوں کو اور ڈاکٹر ہادی کے احسان کو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی ہوں۔ مگر اب میں یہاں نہیں رہ سکتی، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

اس نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور روتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی عزت نفس اب یہ ہرگز گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ خود پہ لگا چوری کا الزام لے کر بھی اس گھر میں رہے اور ہادی کے آنے کا انتظار کرے۔ اس کا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔

''مومنہ باجی، ایسی نہیں ہیں رافع بھائی آپ نے ان کے ساتھ بہت غلط کیا ہے صبا باجی۔''

دور کھڑا سب تماشا دیکھتا ناصر، مومنہ کے جانے کے بعد خود کو یہ کہنے سے روک نہیں پایا تھا۔

Waqar Azeem Pakistani Point.com

''ہاں بی بی جاؤ یہاں سے مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ یہی سب ہوگا یہ تو میری ماں اور بھائی ہی معصوم ہیں جو تمہاری معصوم شکل سے دھوکا کھا گئے۔''

اپنے پیچھے مومنہ نے صبا کی آواز بہت واضح سنی تھی چھلکتی آنکھوں اور من من بھر کے ہوتے قدموں سے جب اس نے گیٹ سے باہر قدم رکھا تو اسے لگا کہ جیسے وہ چھاؤں سے نکل کر کڑی دھوپ میں آ گئی ہے۔ وہ کہاں جائے گی۔ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ طے تھا کہ وہ اس شہر میں نہیں رہے گی۔

☆☆☆

بھری ہوئی جیب کے ساتھ وہ جیولر شاپ سے نکلا تو بڑا سرشار تھا۔ بھری ہوئی جیب اور بھرا ہوا پیٹ انسان کو عجیب سی سرشاری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ وہ بھی اس لمحے کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے جیسا سوچا تھا۔ سب کچھ بالکل ویسا ہی ہوا تھا۔ بلکہ اس کی توقع سے بھی زیادہ اچھا اسے تو زیادہ کچھ کرنا بھی نہیں پڑا تھا۔

''کیا ہوا، کام ہوا، کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا ناں.....''

کچھ دور کھڑی گاڑی میں جب رافع آ کر بیٹھا تو ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سمیر نے اس سے پوچھا تھا۔

''ہو گیا کام اور کوئی مسئلہ بھی نہیں ہوا۔'' رافع نے مسکرا کر اطمینان سے اسے جواب دیا اور مڑ کر گاڑی کا دروازہ بند کیا تھا۔

''کتنے پیسے ملے۔'' سمیر نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

''چار لاکھ۔'' رافع نے تفخر سے جیب تھپتھپائی تھی۔

''واہ شہزادے تو نے تو بڑا ہاتھ مار لیا، میں نے کہا تھا نا کہ اس طرح سے تم ایک تیر سے دو شکار کر لو گے۔ دیکھ لیا نا وہی ہوا۔'' سمیر کی بات نے رافع کے اندر ایک تفاخر سا بھر دیا تھا۔ دل میں اگر کوئی تھوڑا بہت گلٹ تھا بھی تو وہ جاتا رہا تھا۔

''اب ایک کام کر۔ دیکھ مجھے غلط نہ سمجھنا۔ یہ پہلے تو گھر نہ لے جاؤ۔ خواہ مخواہ میں کسی کو شک ہو جائے گا۔ میرے پاس رکھوا دے۔ جب ضرورت ہو لے لینا۔''

سمیر نے ایک نگاہ رافع کے چہرے پہ ڈال کر اس کے تاثرات کو جانچنا چاہا تھا۔

''ہاں سچ کہوں تو میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ذرا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے پھر اسے استعمال میں لے آؤں گا۔ جہاں اتنا صبر کیا ہے۔ وہاں کچھ عرصہ اور سہی.....''

رافع نے بنا کسی تامل کے سمیر کی بات مانی تھی۔ یہ ان ہی کنگنوں کو بیچ کر حاصل کی جانے والی رقم تھی۔ جس کی چوری کا الزام اس نے مومنہ پہ لگا کر اسے گھر سے نکلنے پہ مجبور کیا تھا۔ اب اتنی جلدی وہ یہ رقم گھر لے جا کر رسک نہیں لینا چاہتا تھا اور یہ سارے مشورے اسے سمیر نے ہی دیے تھے۔ رافع نے ساری رقم اس کے حوالے کر دی تھی۔ جسے اس کے سامنے سمیر نے رافع کی امانت کے طور پہ اپنے اکاؤنٹ میں رکھوا دی تھی۔ رافع کو اس پہ اندھا اعتماد تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ کبھی کبھی کسی پہ کیا جانے والا اندھا اعتماد انسان کو لے ڈوبتا ہے۔

''اچھا رافع ایک کام اور ہے تجھ سے.....''

سمیر نے بینک سے نکل کر واپس آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں بول نا یار پوچھ کیوں رہا ہے۔''

''وہ لائبہ ہے نا، یاد ہے تجھے.....''

سمیر نے موڑ کاٹتے ہوئے رافع کی طرف ذرا سا دیکھ کر پوچھا تھا۔

''ہاں یاد ہے کیوں کیا ہوا۔''

لائبہ سے ان کی ملاقات ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ جہاں وہ لوگ سمیر کے ساتھ گئے تھے۔ وہ بھی ان کی طرح سوشل میڈیا کی شوقین تھی اور اس کے بھی خاصے فینز تھے ٹک ٹوک پہ..... اس لیے ان کی دوستی ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اب وہ ان کے گروپ کا حصہ تھی۔

Nasir Azeem
www.pakistanipoint.com

''اسے بلایا ہے میں اس کی دوستوں کے ساتھ فارم ہاؤس پہ۔ تو بھی تیار رہنا۔ سنڈے کا پلان ہے۔ چلیں گے۔ ذرا شغل میلا لگائیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے بھی پک کر لینا۔''

رافع نے فوراً ہی رضا مندی ظاہر کی تھی۔ دوستوں کی گیدرنگ وہ کبھی مس نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

''مومنہ تم...... یہاں کیسے؟''

دروازہ کھلا تو سامنے مومنہ کو کھڑا دیکھ کر نفیسہ خالہ حیران کم پریشان زیادہ ہو گئی تھیں۔

''آؤ، آؤ اندر آ جاؤ......''

اس کے چہرے پہ پھیلی تھکن کو دیکھ کر وہ مزید کوئی اور سوال کیے بنا اسے اندر لے آئی تھیں۔ اس نے اندر آتے ہوئے ایک نگاہ اپنے چاروں طرف ڈالی تھی۔

پرانا سا دو کمرے کا چھوٹا سا گھر، دروازے سے اندر آ کر چھوٹا سا صحن جس کے ایک کونے میں کچن اور ذرا فاصلے پہ باتھ روم تھا۔ سامنے برآمدے کے نام پہ ایک چارپائی جتنی جگہ اور سامنے دو کمرے، صحن کے ایک کونے میں اوپر کو جاتی سیڑھیاں جو یقیناً چھت کی تھیں۔ بس یہ تھا خالہ کا کل گھر۔

وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی ان کے ساتھ اندر کمرے میں چلی آئی تھی۔ جہاں ایک کونے میں رکھی چارپائی پہ ان کی بوڑھی بیمار ساس بیٹھی تھیں۔

''بیٹھ جاؤ مومنہ......''

خالہ کے اشارہ کرنے پہ وہ کمرے میں رکھی واحد چارپائی کی پائنتی پہ بیٹھ گئی تھی۔ باقی کمرے میں بیٹھنے کی کوئی اور جگہ نہ تھی۔ دوسرے کونے میں فرش پہ پلاسٹک کی شیٹ سی بچھی تھی۔ شاید وہ لوگ وہیں بیٹھے ہوں گے۔ مومنہ کے منہ سے یہ سن کر کہ وہ یہاں رہنے کے ارادے سے آئی ہے۔ خالہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ وہ بھی مجبور تھی۔ یہاں نہ آتی تو اور کہاں جاتی۔ اتنے بڑے شہر میں لوگوں کا اژدھام اسے نگلنے کو تیار ضرور تھا۔ مگر رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

''کتنے دنوں کے لیے آئی ہو......''

کتنے ہی لمحوں بعد انہوں نے پوچھا تھا۔ وہ کتنی ہی مجبور سہی مگر جوان لڑکی کو باہر سڑک پہ تو نہیں چھوڑ سکتی تھیں نا۔

''خالہ ابھی نہیں پتا...... لیکن جتنا جلدی ہو سکا میں یہاں سے چلی جاؤں گی بس چند دن۔''

اپنی عزت نفس پہ پاؤں رکھ کر کسی سے بھیک مانگنے کا احساس آج مومنہ کو ہوا تھا۔ اس نے خالہ کو یہ بتایا تھا کہ اس کی نوکری کسی وجہ سے ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ یہاں چلی آئی ہے۔ باقی ساری حقیقت اس نے خالہ کو نہیں بتائی تھی۔

''اے کڑی کون ہے نفیسہ۔''

خالہ کی ساس نے اپنی نحیف سی آواز میں پوچھا تھا۔

وہ مومنہ کو پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ اسی لیے اسے پہچان نہیں پائی تھیں، خالہ ان کے نزدیک آ کر انہیں مومنہ کے بارے میں بتانے لگیں۔ شاید وہ اونچا سنتی تھیں۔

''نفیسہ کہاں ہو؟ آج کھانا ملے گا یا بھوکا چلا جاؤں۔''

باہر صحن سے خالو کی آواز آئی تھی۔ وہ شاید دوپہر کا کھانا کھانے آئے تھے۔ خالہ ان کی آواز سن کر دوڑ کر باہر گئی تھیں۔ وہ شوہر کے سخت مزاج سے بہت گھبراتی تھیں۔ ان کے سات بچے تھے۔ چار بیٹیاں اور تین بیٹے۔ خالو ایک فیکٹری میں ملازمت کرتے تھے اور بڑی دو بیٹیاں اور بڑا بیٹا بھی ان کے ساتھ ہی وہیں کام کرتے تھے۔ بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ مگر ابھی کوئی سبب نہ بنا تھا۔ اس گھر میں سبھی کچھ نہ کچھ کر کے اپنا خرچ چلاتے تھے۔ خالہ بھی گھر پہ رہ کر چادریں اور لحاف کور وغیرہ سی کر گھر چلانے میں حتی الامکان اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کرتی تھیں۔

گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں کیونکہ گھر پہ رہ کر بوڑھی ساس اور چھوٹے بچوں کو دیکھنا ہوتا تھا۔ کچھ

Wahar Azeem
www.pakistanipoint.com

شوہر بھی سخت اور کنجوس فطرت کے مالک تھے۔ اسی لیے ہمیشہ رشتے داریوں سی دور ہی رہیں۔

''کیا کوئی آیا ہوا ہے اندر.....''

ان کے سامنے کھانا رکھا تو پوچھ بیٹھے تھے۔

''نہیں وہ.....ہاں.....''

''سیدھی بات کر مجھ سے، ہاں یا نہیں یہ نخرے میرے سامنے مت کیا کر۔''

انہوں نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس پلیٹ میں رکھا تھا۔

''وہ مومنہ آئی ہے عالیہ آپا کی بیٹی.....''

انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا تھا۔

''مومنہ تمہاری بہن کی بیٹی، وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔'' ان کے چہرے پہ سخت ناگواری تھی۔ یہ بن بلائے مہمان انہیں سخت برے لگتے تھے۔ خواہ مخواہ کا خرچا۔

''اس کی نوکری چلی گئی ہے اور رہنے کو کوئی جگہ بھی نہیں تو کہاں جاتی بے چاری، اس لیے یہاں آ گئی ہے۔''

وہ دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

''تو کیا ہمیشہ کے لیے آ گئی ہے۔''

انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''نہیں، نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ آپ کھانا تو کھائیں نا.....''

انہوں نے گڑبڑا کر کھانا واپس ان کے سامنے رکھا تھا۔ یہ تو ابھی وہ بھی نہیں جانتی تھیں کہ وہ کتنے دنوں کے لیے آئی ہے۔

''دیکھو میری بات سنو..... حالات جانتی ہو نا کیا ہیں۔ اس مہنگائی کے دور میں تم لوگوں کے پیٹ کے دوزخ بڑی مشکل سے بھر رہا ہوں۔ اپنی جوان بیٹیاں بوجھ کی طرح میرے سر پہ دھری ہیں۔ بیٹا ابھی الگ جوان ہو گیا ہے۔ ایسے میں یہ اضافی خرچا میں نہیں اٹھا سکتا ہوں۔ کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو کون ذمہ دار ہو گا۔ سمجھا دینا اپنی بھانجی کو۔ اس ٹھکانے کو عارضی ہی سمجھے۔ مستقل ڈیرا نہ جما لے۔''

وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے تھے۔ اندر بیٹھی مومنہ نے ان کا حرف بہ حرف سنا تھا۔ نفیسہ خالہ وہیں صحن میں رکھی پلاسٹک کی کرسی پہ بیٹھی اپنے لب کچل رہی تھیں۔ وہ بمشکل اپنے آنسو پی رہی تھیں۔ کہنے کو یہ ان کا گھر تھا مگر کیسی مجبوری تھی کہ کسی کو اپنی مرضی سے یہاں ٹھہرا بھی نہیں سکتی تھیں۔ ساری زندگی گزر گئی اپنوں کو ترستے، دل کو مارتے ہوئے۔

''خالہ.....'' مومنہ نے آ کر ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''ارے تم کیوں باہر آ گئیں، میں آ ہی رہی تھی نا اندر.....'' آنسو پی کر انہوں نے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائی تھی۔ وہ مومنہ کو یہاں سے جانے کو نہیں کہیں گی۔ انہوں نے یہ سوچ لیا تھا، بچی ایک آس سے ان کے پاس آئی تھی اور وہ اسے جانے کو کہہ دیں نہیں وہ کچھ نہ کچھ کریں گی۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا۔

''خالہ! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں جلد ہی کوئی بندوبست کر لوں گی۔ بس چند دنوں کی بات ہے۔ مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے یہ سب سننا پڑا۔''

مومنہ نے اس وقت ان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی تھی۔ کیونکہ حقیقتاً وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کہیں اور کیسے بندوبست کرے گی۔

''میرے بچے تم پریشان نہ ہو۔ اللہ بہتر کرے گا۔ مگر بیٹا تم میری طرف سے اپنا دل میلا مت کرنا..... حالات تمہارے سامنے ہیں۔ میں بھی مجبور ہوں اور تمہارے خالو بھی دل کے برے نہیں ہیں۔ تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔ آگے اللہ مالک ہے۔''

انہوں نے مومنہ کے ماتھے پہ پیار کیا تو مومنہ کو اس لمحے ان کے لمس سے ماں کی خوشبو آئی تھی۔ وہ بھی بالکل اسی طرح پیار کیا کرتی تھیں، ماں کی یاد مومنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''اچھا جاؤ منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔''

مومنہ کے اثبات میں سر ہلانے پہ وہ کچن کی طرف چلی گئی تھیں۔ مومنہ کتنے ہی لمحے وہیں خاموشی سے کھڑی رہی تھی۔ اس لمحے اسے کسی اپنے کی کسی ایسے کندھے کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ جس پہ سر رکھ کر وہ رو سکے اپنے اندر کا غبار نکال سکے۔

جانے کیوں اس سے ایک مہربان چہرہ نگاہوں کے سامنے لہرایا تھا۔ مگر مومنہ سر جھٹک کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار تھا۔ ہادی رات کو اس قدر تھکا ہوا تھا کہ بنا کسی کی بھی طرف دیکھے جا کر اپنے کمرے میں سو گیا تھا۔ اگلے دن چھٹی تھی۔ سو تسلی تھی کہ نیند پوری کر کے اٹھے گا۔ تین دن کے کیمپ نے حد سے زیادہ تھکا دیا تھا۔ اسے قطعی اندازہ ہی نہیں تھا کہ کل اس کی غیر موجودگی میں یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے۔

''ارے صبا تم کب آئیں؟ کیسی ہو، فاخر کیسا ہے۔''

ناشتے کی ٹیبل پہ اسے صبا کو دیکھ کر خوش گوار سی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے پاس والی چیئر پہ بیٹھی عنایا کو پیار کر کے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور فاخر بھی بالکل خیریت سے ہیں۔ آپ سنائیں بھائی آپ کیسے ہیں۔''

صبا نے مسکرا کر کہتے ہوئے پراٹھا اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھا تھا۔ اس کا انداز نارمل ہی تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''چاچو! مومنہ آپی چلی گئیں۔''

کل سے ضبط کیے بیٹھی مریم سے اب ہادی کو دیکھ کر مزید برداشت نہیں ہوا تھا۔ مومنہ کے جانے سے وہ پھر سے خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ سب مومنہ سے اس قدر مانوس ہو چکے تھے کہ ان کے لیے کل کا دن اور رات کیسے گزری تھی۔ یہ صرف وہی جانتے تھے۔

مریم ساری رات شزا اور واسع کے ساتھ جاگتی رہی تھی۔ وہ دونوں پار یار اٹھ جاتے تھے۔ شزا تو مومنہ سے لپٹ کر سوئی تھی۔ اس کے بنا اسے نیند ہی نہیں آتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مومنہ نے بالکل کسی ماں کی طرح ..... کسی بہت اپنے کی طرح ان کا خیال رکھا تھا، کسی سہیلی کی طرح انہیں سنا تھا، سمجھا تھا۔

''مریم .....'' صبا نے اسے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا تھا۔ مگر بات اب اس کے منہ سے نکل چکی تھی اور ہادی کو مریم کی آنکھوں میں بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔

''تم ناشتا کرو ہادی..... بچے تو بس۔''

صبا نے ہادی کو پھر سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ بچہ نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات نظر انداز کر دیتا۔

''مریم! کہو آپ، بیٹا کیا کہہ رہی ہو۔ کہاں گئی ہیں مومنہ؟'' ہادی نے صبا کی بات کو نظر انداز کر کے پھر سے مریم سے پوچھا تھا۔

یکدم ہی اس کے دل میں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وگرنہ ایسا کیسے ممکن تھا کہ مومنہ اسے بتائے بنا کہیں چلی جائے۔

''اور امی کہاں ہیں..... وہ ناشتہ کیوں نہیں کر رہی ہیں۔''

اسی پل رافع آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھا تو ہادی نے ایک نگاہ اسے دیکھ کر چائے لا کر رکھتے ناصر سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔

''وہ سو رہی ہیں ہادی بھائی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

ناصر اسے بتا کر چپ چاپ کچن میں واپس چلا گیا تھا۔ ایک مومنہ کے چلے جانے سے وہ سب ہی بے حد اداس تھے۔ کیونکہ وہ پورے خلوص سے سب کا خیال رکھتی تھی۔

www.pakistanipoint.com

ناصر کو اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ یہاں آئی تو رافع اس کے زنانہ پن کو دیکھ کر اس کا مذاق بنا کر اس کی وڈیوز بنا کر اپلوڈ کرتا تھا۔ اور ان پہ لائیکس اور کمنٹس پا کر خوش ہوتا تھا۔ ناصر کو بھی پہلے پہل وہ سب بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اسے اپنا کوئی فن سمجھتا تھا۔ لیکن پھر جب لوگوں کے مذاق اڑانے والے کمنٹس آتے اور رافع انہیں پڑھ کر اسے سنا کر خوش ہوتا ہنستا تھا۔

تب ناصر کو برا لگنے لگا تھا۔ اسے اپنی تذلیل محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر پھر بھی وہ رافع کو ایسا کرنے سے روک نہیں پاتا تھا۔ مومنہ کے آنے کے بعد بھی وہ سلسلہ اسی طرح چل رہا تھا۔ تب ایک دن مومنہ نے ناصر کو چھپ کر کچن میں روتے دیکھا تو اس سے پوچھے بنا رہ نہیں پائی تھی۔ کہ اسے کیا ہوا ہے۔ تب ناصر نے اسے پوری بات بتا دی تھی۔ جسے سن کر مومنہ کو بہت دکھ ہوا تھا۔ اس کے نزدیک ایک انسان کی تذلیل پوری انسانیت کی تذلیل تھی۔ تب اس نے ناصر کو سمجھایا کہ تم وہ نہیں ہو جیسا رافع دنیا کو دکھاتا ہے، ناصر نو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ وہ بچپن سے لڑکیوں کے درمیان رہا تھا۔ جو اسے سجا سنوار کر لڑکیوں کے جیسے کپڑے پہنا کر بٹھا دیتی تھیں۔ اس طرح سے اس میں ذرا سا زنانہ پن آ گیا تھا اور اب یہی بات اس کا مذاق اڑانے کا باعث بن رہی تھی۔

تب مومنہ نے اسے سمجھایا کہ نہ کرنا سیکھے۔ اپنی تذلیل نہ کروائے۔ وہ اپنی ذات کو دنیا کے سامنے تماشا نہ بنائے..... اسی وجہ سے اس کے ماں باپ نے اسے یہاں چھوڑا تھا تاکہ وہ یہاں رہ کر کچھ بن جائے۔ کچھ کما لے اسی لیے۔ ماں باپ کے بعد اور بہنوں کے اپنے اپنے گھروں کا ہو جانے کے بعد وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا تھا۔ ہادی نے اسے پرائیویٹ میٹرک بھی کروایا تھا آگے بھی پڑھنے کو کہا مگر اس کا دل نہ لگا۔

اس دن ناصر نے رافع کو پہلی بار اپنی وڈیو بنانے سے روکا تھا۔ جس پہ وہ بہت خفا ہوا تھا۔ ناصر اس کے لیے محض تفریح کا ذریعہ تھا۔ جس کے ذریعے وہ لوگوں کو انٹرٹین کرتا تھا۔ تب ناصر کو احساس ہوا کہ وہ بھی ایک نارمل انسان ہے۔ ایک کارآمد انسان جو بے شک دوسروں کے گھر میں کام کر کے اپنا گھر چلاتا ہے۔ مگر وہ حلال کماتا ہے اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے۔ اسی لیے کسی کو بھی حق نہیں کہ اس کی تذلیل کرلے۔

اور یہ احساس دلانے والی مومنہ ہی تھی، اب وہ آگے پڑھنے کی تیاری بھی کر رہا تھا..... اسی لیے وہ مومنہ کو بہت قابل احترام اور اپنی بہنوں سے بھی بڑھ کر سمجھتا تھا۔

اسے بہت تکلیف ہوئی تھی جب رافع اور صبا نے اتنا بڑا بے بنیاد الزام لگا کر گھر سے نکال دیا تھا۔ محض اپنی ضد میں..... مگر وہ بھی مجبور تھا۔ علاوہ چپ رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

''کوئی مجھے بتائے گا کہ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے؟'' اس گھر کے در و دیوار نے پہلی بار ہادی کی اتنی اونچی آواز سنی تھی۔ بچے خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں نے پہلی بار ہادی کو اس قدر غصے میں دیکھا تھا۔

''میں بتاتی ہوں کہ کیا ہوا ہے۔ چوری کی تھی تمہاری اس چہیتی مومنہ نے۔ جس کے تم گن گاتے نہیں تھکتے ہو۔''

صبا کی بات نے ہادی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک قطعی ناقابل یقین بات تھی۔ جو اس وقت وہ سن رہا تھا۔

''چوری.....'' اس کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔

''ہاں چوری.....''

پھر صبا اور رافع نے پوری کہانی اسے خوب مرچ مسالا لگا کر سنا دی تھی جسے سن کر ہادی سچ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ مومنہ کے بارے میں کوئی بھی ایسی بات وہ اپنے گمان کی آخری حد پہ جا کر بھی نہیں سوچ سکتا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھا۔اس لڑکی کو اس نے مشکل سے مشکل حالات میں بھی کبھی کمزور پڑتے نہیں دیکھا تھا تو پھر اب کیسے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نہیں مانتا اس بات کو۔ کم از کم آپ لوگ میرے آنے کا انتظار تو کرتے۔ اسے میں لایا تھا نا اس گھر میں پھر آپ لوگ اسے مجھ سے پوچھے بغیر کیسے گھر سے نکال سکتے ہیں اور امی وہ کہاں تھیں اس وقت.....''

ہادی نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سچوئشن میں کرے۔

''بیٹا! میں نے تو انہیں بہت روکا تھا کہ مومنہ ایسی بچی نہیں ہے مگر.....'' امی ان کی تیز آواز سن کر وہیل چیئر دھکیلتی کمرے سے باہر آئی تھیں۔

''ہاں تو اگر وہ ایسی نہیں تھی یوں خاموشی سے اپنا سامان اٹھا کر کیوں چلتی بنی۔ اگر اتنی سچی تھی تو یہاں رہ کر مقابلہ کرتی نا.....اپنی صفائی میں کچھ تو کہتی۔''

''تو کیا اس کے پاس سے امی کے کنگن ملے؟''

ہادی نے ترش لہجے میں ان دونوں سے پوچھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں ہی مومنہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جواباً وہ دونوں ہی خاموش رہے تھے۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں آپ دونوں سے یقیناً نہیں ملے ہوں گے کیونکہ میں مان ہی نہیں سکتا ہوں کہ مومنہ کبھی ایسا کرسکتی ہے۔''

وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ٹیبل پہ ناشتہ یوں ہی دھرا تھا۔اب وہ کہاں ڈھونڈے گا مومنہ کو۔ وہ ان کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی کہ وہ لوگ کیسے ہیں۔

''تو آپ کو اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہورہی ہے آخر.....ایک ملازمہ ہی تو تھی وہ ہماری اور ملازموں کے ساتھ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔''

صبا کے کاٹ دار لہجے نے ہادی کو غصے کے ساتھ ساتھ دکھ میں مبتلا کردیا تھا.....کتنی حقارت سے وہ مومنہ کا ذکر کررہی تھی۔

''انسانیت کے ناتے ہورہی ہے ہمدردی اور وہ کوئی گری پڑی لڑکی نہیں تھی اسے اس کی مجبوری یہاں کھینچ لائی تھی۔ آپ لوگ جانتے بھی ہیں کہ اس نے اس گھر کے لیے ان بچوں کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔ اگر جانتے ہوتے نا تو کبھی اس کو اس طرح سے گھر سے نہ نکالتے، یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اکیلی لڑکی کہاں جائے گی، جبکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں کے علاوہ اس کا کوئی اور ٹھکانا بھی نہیں ہے.....کیسے یار کیسے۔''

اور اس دن ہادی کی زبانی وہ ساری باتیں سن کر کہ مومنہ نے کس طرح مریم کو فیضان سے بچایا۔ شیزا کو تنہائی کے ڈپریشن سے نکالا اور رافع کے لیے وہ کتنی پوزیسو رہی.....اور امی کی صحت کو لے کر وہ اتنی فکرمند رہتی تھی۔اور یہ اس کی دن رات کی بے لوث خدمت کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اب وہیل چیئر کا ساتھ اب آہستہ آہستہ چھوڑ رہی تھیں اور اسٹک کی مدد سے ہولے ہولے چل لیتی تھیں اور یہ سب مومنہ کی وجہ سے ہی تھا۔

مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ زبان سے نکلی بات اور انسان کا کیا گیا ایک غلط فیصلہ اسے کس طرح تباہی کے دہانے پہ پہنچا سکتا ہے۔اس بات کا اندازہ نادان انسان کو جلد ہی ہو جاتا ہے۔ رافع اور صبا بھی اس لمحے اپنی جگہ چور سے بن گئے تھے۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ کنگن مومنہ کے پاس سے نہیں ملے تھے۔ بعض دفعہ ہم کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر اپنے ہی مقام سے اس قدر نیچے آجاتے کہ ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆

مومنہ کو اب حقیقت میں احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلی ہے۔ خالہ کے گھر گزرے یہ پندرہ دن کسی بھیانک خواب سے کم نہ تھے۔ خالہ پوری کوشش کرتی تھیں اس کا خیال رکھنے کی مگر ان کے بس میں صرف یہی تھا۔ ان کے بچوں کا رویہ بھی واجبی سا ہی تھا مومنہ کے ساتھ۔ یہ خالہ کی تیسرے نمبر کی بیٹی ملیحہ جو کہ مومنہ کی ہی ہم عمر تھی اس سے مومنہ کی تھوڑی بہت

www.pakistanidigest.com

دوستی ہوگئی تھی۔ خالو کا رویہ بہت ہتک آمیز تھا۔ وہ سب کے ایک ایک نوالے پہ نگاہ رکھتے تھے خاص کر مومنہ کے وہ چاہتے تھے کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے۔

مومنہ کو ایک قریبی اسکول میں نوکری تو مل گئی تھی مگر وہاں تنخواہ اتنی تھی کہ وہ بس گزارا ہی کر پاتی تھی۔ پانچ ہزار تنخواہ میں وہ رہنے کا بندوبست کہاں سے کرتی۔ اس میں سے بھی وہ تین ہزار تو خالہ کو دے دیتی تھی۔

خالہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے وہ پیسے لینے پہ مجبور تھیں کیونکہ اس طرح سے خالو کا منہ چند دن بند ہو جاتا تھا۔ گھر میں نیچے تو اتنی جگہ نہ تھی کہ وہ وہاں اپنی جگہ بنا پاتی۔ اس لیے مومنہ نے خود ہی اوپر چھت پہ بنے اسٹور میں کاٹ کباڑ کو ایک طرف کر کے اپنی جگہ بنالی تھی۔

وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ اس نے اسکول میں بھی کہہ رکھا تھا کہ کوئی رہنے کی جگہ ہو تو اسے بتایا جائے ..... مگر اب تک کوئی بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔

خالہ کا بڑا بیٹا طاہر جو تھا تو تین بہنوں سے چھوٹا اور مومنہ سے بھی عمر میں چھوٹا تھا۔ مگر اس کا اٹھنا بیٹھنا کچھ ایسے اوباش لوگوں کے ساتھ تھا کہ اب اس کی اپنی خصلت بھی ویسی ہی بن چکی تھی۔ اس کی موجودگی اب مومنہ کو پریشان کرنے لگی تھی۔

طاہر کی حرکات دیکھ کر جانے کیوں اسے شدت سے ہادی کی یاد آتی تھی۔ وہ اتنے مہینے ان کے گھر میں رہی مگر اس نے کبھی اس کی حرکات تو دور اس کی نگاہ میں بھی ایسا کچھ محسوس نہ کیا۔ جس سے وہ پریشان ہوتی اور رافع نوجوانی کے جس دور سے گزر رہا تھا۔ وہاں ایسی باتیں عام تھیں۔ اسے سختی سے زیادہ صحیح رہنمائی کی ضرورت تھی اور ناصر وہ تو تھا ہی بے ضرر سا۔

اس گھر میں تین مردوں کے ہوتے ہوئے بھی مومنہ نے کبھی خود کو غیر محفوظ تصور نہیں کیا تھا۔ اور یہاں اپنے سے کم عمر ایک لڑکے کی حرکات اسے اضطراب میں مبتلا کر رہی تھیں۔

☆☆☆

ادھر مطمئن صبا اور رافع بھی نہیں تھے۔ دن بدن ان کے ضمیر پہ بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اور ہادی کی تلاش بھی مگر مومنہ کا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ نمبر بھی شاید وہ بدل چکی تھی۔ ایسے میں وہ اسے کہاں ڈھونڈے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ گھر کا نظام پھر سے درہم برہم ہو چکا تھا۔

صبا بھی اب خود پہ پڑی دوہری ذمہ داریوں سے گھبرانے لگی تھی۔ کیونکہ اتنے عرصے سے وہ اس گھر کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو چکی تھی اور مومنہ نے سب اچھے سے سنبھال لیا تھا۔ اب وہ اپنا گھر دیکھتی یا ماں کا ..... اسے اب احساس ہوا تھا کہ اس نے مومنہ کے علاوہ اپنے ساتھ بھی برا کر دیا ہے۔ سسرال والے بھی اب باتیں کرنے لگے تھے۔ عنایا بھی اب بڑی ہو رہی تھی۔ اسے بھی ماں کی زیادہ ضرورت تھی۔

رافع بھی پوری طرح سمیر کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا۔ سمیر رافع کے وہ پیسے جو اس نے امانتاً رکھے تھے۔ اب واپس کرنے پہ تیار نہ تھا اور لائبہ کو بھی رافع کے نام پہ ٹریپ کر رہا تھا۔ رافع کو جب یہ ساری باتیں پتا چلیں تو وہ سمیر کی چالاکی پہ حیران رہ گیا تھا۔ وہ دنیا میں ہر کسی کو غلط سمجھ سکتا تھا علاوہ سمیر کے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سمیر اس کے ساتھ ایسا کرے گا اور یہ بات وہ کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہادی کی پوری توجہ آج کل صرف مومنہ کو ڈھونڈنے پہ لگی تھی۔ وہ ایک بار اس سے مل کر اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ بھلے سے وہ واپس نہ آئے بس ایک بار مل جائے۔ پتا چل جائے کہ وہ کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ وہ اس کے پرانے محلے میں بھی ہو آیا تھا۔ مگر وہاں تو وہ گئی ہی نہیں تھی۔ وہ کہاں ہوگی کس حال میں ہوگی۔

www.pakistanipoint.com

یہ سوچ ہی ہادی کے دل و دماغ کو کرب میں مبتلا کر دیتی تھی۔ دن گزرتے جا رہے تھے اور وہ ابھی تک کچھ نہیں کر پایا تھا۔

☆☆☆

اس دن صبا کے دیور کی شادی تھی۔ سب لوگ وہیں گئے ہوئے تھے۔ صرف ناصر گھر پہ تھا یا پھر ہادی جو کہ ابھی ابھی ڈیوٹی سے واپس آیا تھا اور اب اس کا وہاں جانے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔ خلاف توقع آج رافع بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ اس کے کال کرنے پہ رافع نے بتایا کہ وہ سب کے ساتھ ہے اور سب کا خیال رکھے گا اور واپسی پہ سب کو گھر بھی واپس لے آئے گا۔

ہادی کو اس کی شخصیت کا یہ بدلاؤ کافی دنوں سے نظر آ رہا تھا اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ خاموشی سے کال ڈراپ کر کے اپنے لیے کافی بنا کر مگ تھامے وہیں لاؤنج میں آ بیٹھا تھا۔

ناصر کو اس نے اپنے لیے کھانا بنانے سے منع کر دیا تھا۔ اسے پیسے دیے تاکہ وہ اپنے لیے کچھ لے آئے یا باہر جا کر کھانا کھا لے۔ ناصر چلا گیا تو وہ یونہی کافی پیتے ہوئے بے دھیانی سے ٹی وی کے چینل بدلنے لگا تھا۔

پھر جانے کیا خیال آیا کہ وہ اٹھ کر بچوں کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ کمرہ بے ترتیب سا تھا۔ سارے کمرے میں ان کی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ کتابیں، کپڑے، کھلونے، بستر بھی بے ترتیب تھے۔ ہادی نے ان کی چیزیں سمیٹ کر رکھیں۔ پھر یونہی ان کی الماری کھول لی تھی۔ وہ حصہ جہاں مومنہ کا سامان رکھا ہوتا تھا وہ اب خالی تھا۔ کونے میں ایک شاپنگ بیگ پڑا تھا۔ ہادی نے وہ بیگ اٹھا کر کھولا۔ اس میں وہی دو جوڑے سلے رکھے تھے۔ جو ہادی نے اسے عنایا کی سالگرہ پہ لا کر دیے تھے۔

وہ ویسے ہی بالکل نئے رکھے تھے جیسے استعمال ہی نہ کیے گئے ہوں۔ اسی شاپنگ بیگ میں ایک بلیک کلر کا چھوٹا سا پاؤچ تھا۔ ہادی نے کسی امید پہ وہ کھول لیا تھا۔ کہ شاید کوئی نمبر، کوئی اتا پتا، کوئی معلومات، مگر اس میں کچھ رقم تھی۔ یہ وہ رقم تھی جو ہادی اتنے مہینوں میں تنخواہ کی مد میں اسے ادا کرتا رہا تھا۔ مطلب کہ وہ اس گھر کی دی ہوئی کوئی بھی چیز اپنے ساتھ نہیں لے گئی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی تنخواہ بھی جو اس کا حق تھی......

مومنہ اپنے ساتھ صرف وہ رقم لے گئی تھی۔ جو تھوڑی بہت اسے ابا کی فیکٹری کی طرف سے ملی تھی۔ اتنی خود دار تھی وہ کہ خود پہ لگے یہ اتنے بڑے الزام کے بعد وہ اس گھر کی کوئی چیز حتیٰ کہ اپنی تنخواہ تک چھوڑ گئی تھی۔

ایک دھیمی سی مسکراہٹ نے اس لمحے ہادی کے لبوں کو چھوا تھا۔ اگر اسے مومنہ پہ بھروسا تھا تو وہ ایسا کچھ غلط بھی نہ تھا۔ وہ تھی اس قابل کہ اس پہ مان ہوتا، بھروسا ہوتا۔

ہادی نے وہ سامان نیچے والی دراز میں ڈال کر اسے لاک کر دیا تھا۔ یہ مومنہ کی امانت تھی اور وہی آ کر اسے واپس لے گی۔ یہ ہادی نے خود سے وعدہ کیا تھا۔ ہادی نے الماری بند کر دی تھی۔ بچوں کی کتابیں ان کی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں ایک سیاہ جلد والی ڈائری آ گئی تھی۔ ہادی نے اسے بھی اٹھا کر واپس ٹیبل پہ رکھنا چاہا تو اس میں سے کتنے ہی صفحے بے ترتیبی سے نکل کر اس کے آس پاس بکھر گئے تھے۔ وہ وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور صفحے سمیٹتے ہوئے اس نے دیکھا تھا کہ وہ صفحے خالی نہ تھے۔ ان پہ کچھ لکھا تھا۔ ہادی نے تجسس کے مارے وہ سارے صفحے اکٹھے کر کے ڈائری میں رکھے اور وہ ڈائری لے کر وہیں کونے میں رکھے مریم کے بیڈ پہ آ بیٹھا تھا۔ وہ کسی کی پرسنل ڈائری تھی۔ مگر کس کی ہادی نے بے ترتیب صفحے الٹ پلٹ کر دیکھے تھے۔ ایک صفحہ پھر سے اس کے ہاتھ سے پھسلا تھا۔ وہ اٹھانے کو جھکا تو اس پہ لکھے ایک نمبر نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

"نفیسہ خالہ حیدر آباد....." اور آگے ایک نمبر لکھا تھا۔

"نفیسہ خالہ یہ کون ہیں۔"

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہادی نے الجھ کر سوچا تھا۔ اس نے وہ پیپر رکھ کر باقی دیکھنے شروع کیے تھے۔

''کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں سیکھوں اور پھر ہر زبان میں محبت لکھ کر تمہارے سامنے پیش کروں مگر پھر دل زبان محبت کے ایک لفظ ''انت الحیات'' پہ آ کر ٹھہر سا جاتا ہے کہ جب تمہیں اپنی زندگی ہی لکھ دیا تو کہنے کو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

کچھ لوگ آپ کی زندگی کے تپتے صحرا میں چھاؤں بن کر آتے ہیں جن کے آتے ہی آپ خود کو کڑی دھوپ سے نکل کر ایک محفوظ پناہ گاہ میں محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر ہادی بھی میری زندگی میں اسی چھاؤں کی مانند آئے ہیں، نرم میٹھی چھاؤں بن کر، ان کے لیے میں جتنا کروں وہ کم ہے۔ میں ان کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتی ہوں۔''

باقی کے صفحات پڑھ کر ہادی کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ڈائری مومنہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی ہے۔

''میں نے تم پہ کوئی احسان نہیں کیا تھا پاگل لڑکی! بلکہ تم سے اپنی ذمہ داریوں کو بانٹا تھا کیونکہ تم میں مجھے اپنی پرچھائیں دکھائی دی تھی۔ تم مجھے اپنے جیسی لگی تھیں۔ گر کر اٹھنے والی، حالات سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے والی۔ احسان تو تم نے کیا مجھ پہ، میرے گھر پہ، اور اب جاتے جاتے بھی یوں خاموشی سے چلے جانے کا قرض دار کر گئی ہو مجھے..... میں نے تو صرف تمہیں پناہ دی تھی، اپنے گھر کے دروازے تم پہ کھولے تھے۔ کہیں میری غرض بھی شامل تھی اس میں، پر تم نے تو میرے گھر کی، میری عزت کی حفاظت کی یہ قرض تو شاید میں کبھی عمر بھر نہیں اتار پاؤں گا۔''

لبوں پہ دھیمی مسکراہٹ لیے اس نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ جس نے کوئی تو راہ دکھائی اس تک پہنچنے کی، اس سے معافی مانگنے کی۔

ہادی نے اس ڈائری کا ایک ایک ورق سنبھال لیا تھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ کل اسے سب سے پہلا کام یہی کرنا تھا۔ اس نمبر کا ڈیٹا نکلوانا تھا اور پھر وہاں جانا تھا۔

☆☆☆

خالہ کی طرف رہتے ہوئے اسے تقریباً چھ ماہ ہو گئے۔ دل میں ابھی بھی ایک امید سی تھی کہ ہادی اس سے ضرور رابطہ کرے گا۔ اسے ڈھونڈے گا۔ مگر پھر سوچتی تھی کہ اس نے تو اپنے پیچھے کوئی نشان کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا۔ پھر اس کو بھلا کیا پڑی ہے کہ اس کے پیچھے خوار ہوتا رہے۔ پر اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ اس نے صبا اور رافع کی بات پہ اتنی آسانی سے اعتبار کر لیا ہوگا۔

اس کی رہائش کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا تھا۔ جہاں وہ نوکری کر رہی تھی وہ ایک درمیانے درجے کا اسکول تھا۔ جس میں ہوسٹل وغیرہ کی کوئی سہولت نہ تھی۔

محلے کی ہی لڑکیاں وہاں پڑھاتی تھیں۔ مومنہ اپنے طور پہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی ایسی جگہ یا کوئی اسکول جہاں ہوسٹل بھی ہو۔ وہاں اسے نوکری مل جائے۔ مگر ایسا اتنی جلدی تو نہیں ہو سکتا تھا نا۔ وہ جلد از جلد یہ گھر چھوڑنا چاہتی تھی۔ کیونکہ طاہر کی حرکتیں اب دن بہ دن ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ان کے گھر میں رہ رہی تھی۔ ان کے آسرے پہ تھی۔ شاید اس لیے وہ شیر بنا اسے مال غنیمت سمجھ رہا تھا۔

وقت بے وقت چھت کے چکر لگانا اس نے معمول بنا لیا تھا۔ حالانکہ اس سے کم عمر تھا مگر دادی اور باپ کا منہ چڑھا تھا کیونکہ تین بہنوں کے بعد پیدا ہونے والا لڑکا تھا۔ سو کچھ زیادہ ہی سر چڑھا تھا۔ اور یوں بھی اس طرح کے گلی محلوں میں رہنے والے اکثر لڑکے یار دوستوں میں اٹھتے بیٹھتے اسی طرح حرکتیں کرتے ہیں۔

فیکٹری چھوڑ کر اب وہ کسی گیراج میں کام کرنے لگا تھا۔ عجیب سا حلیہ، عجیب سے فیشن کرتا، گٹکے اور پان سے دانت لال رہتے۔ مومنہ کو اسے دیکھ کر عجیب سی کراہیت آتی تھی۔ مگر وہ خاموش رہنے پہ مجبور تھی۔ پھر اس کی نظروں کے سامنے سفید کوٹ پہنے گلے میں اسٹیتھسکوپ ڈالے۔ آنکھوں پہ نظر کے گلاسز

www.Paksociety.com
www.pakistanipoint.com

لگائے۔ شفاف دل و نگاہ والا سراپا گھوم رہا تھا۔

☆☆☆

''مومنہ تم سے ایک بات کرنا تھی بیٹا، اگر تم برا نہ مانو تو''

وہ اسکول سے آئی اور سیدھی خالہ کے پاس کچن میں چلی آئی تھی۔ تاکہ دوپہر کا کھانا بنانے میں ان کی مدد کر سکے۔ کیونکہ ان کی بڑی تینوں بیٹیاں اس وقت فیکٹری میں ہوتی تھیں۔ مومنہ اسکول سے آکر گھر کا کافی کام نمٹا دیتی تھی پھر خالو اور طاہر کے آنے سے پہلے اوپر بنے اسٹور نما کمرے میں چلی جاتی تھی۔ رات کا کھانا کبھی کھاتی تھی اور کبھی نہیں۔

''جی خالہ بولیں کیا بات ہے...... پوچھ کیوں رہی ہیں۔''

مومنہ نے ہاتھ دھو کر پرات میں رکھا آٹا اٹھا کر گوندھنا شروع کر دیا تھا۔

''بیٹا کیا کروں سوچتی ہوں یہ بات تم سے کروں یا نہ کروں پر تمہارے خالو اور طاہر کی خواہش ہے۔ اس لیے کر رہی ہوں۔''

خالہ کی بات سن کر جانے کیوں اس لمحے مومنہ کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا تھا۔

''خالہ! کیا بات ہے آپ بتائیں پلیز سب خیریت ہے نا......''

اس نے کانپتے ہاتھ آٹے سے کھینچ لیے تھے۔ اعصاب پہ ایک بوجھ سا آگرا تھا۔

''بیٹا دیکھو میری بات کا برا مت ماننا اور مجھے سمجھنے کی کوشش کرنا۔''

''جی خالہ بولیں آپ میں سن رہی ہوں۔''

مومنہ نے ان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی حوصلہ دیا تھا۔

''بیٹا دراصل تمہارے خالو چاہتے ہیں کہ تمہارا اور طاہر کا نکاح کر دیا جائے۔ تاکہ تم پورے حق سے اس گھر میں رہ سکو ورنہ دوسری صورت میں تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ میں کیا کروں میری بچی میں بہت مجبور ہوں۔ میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ تم یہیں رہو اس گھر میں۔ بنا کسی غرض کے، تم بھی میری بیٹی ہو۔ میری بہن کی نشانی۔ مگر اب تمہیں اپنے پاس رکھنے کا میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں تو اول روز سے تمہیں اپنے پاس لانا چاہتی تھی۔ مگر بس انہی باتوں سے ڈرتی تھی۔ اس لیے چپ رہی اور تمہیں وہاں تنہا چھوڑ دیا۔ مگر اب شاید میں بھی تھوڑا خود غرض ہو کر سوچ رہی ہوں کہ چلو اسی بہانے تم میرے پاس تو رہو گی۔ میری نظروں کے سامنے۔''

خالہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ مگر مومنہ کو سائیں سائیں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ لال سرخ آنکھیں۔ گٹکے سے لال ہونٹ اور دانت...... حریص نگاہیں عمر میں اس سے چھوٹا انسان جو اسے بطور کزن ناقابل برداشت لگتا تھا۔ وہ بھلا بطور ہم سفر کیسے قابل قبول ہوتا۔

مومنہ کو اس لمحے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

سمیر کی اصلیت اب رفتہ رفتہ رافع پہ کھلنے لگی تھی۔ وہ ان کی گروپ فیلو لائبہ کو رافع کے نام پہ ٹریپ کر رہا تھا۔ دراصل لائبہ رافع کو پسند کرتی تھی اور اس کی وجہ سے ہی وہ ان کے گروپ میں شامل ہوئی تھی اور ان کے ساتھ مل کر وڈیوز وغیرہ بنانے لگی تھی اور بس یہی بات سمیر کو اچھی نہ لگی تھی۔ کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کو اہمیت دی جائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ پیسے سے ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ اس لیے اس نے ہر ہر قدم پہ رافع کو اس کے گھر والوں کی نگاہوں میں گرانے کی کوشش کی۔ وہ ایک مفاد پرست انسان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاں وہ ہو وہاں کوئی اور نہ ہو۔

رافع کے پیسے بھی اس نے ابھی تک نہیں لوٹائے تھے۔ رافع کے اندر احساس جرم دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے ہمیشہ ہی گھر والوں پہ دوستوں کو فوقیت دی تھی اب دوست اسے رنگ دکھانے لگے تھے اور سمیر جس پہ وہ سب سے زیادہ اعتبار کرتا تھا۔ اسے دھوکا دے رہا تھا۔ رافع کی حالت یہ تھی کہ وہ اس معاملے میں کسی سے مدد بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی مدد کرنے والے سب

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

لوگوں کو خود ہی اپنے آپ سے دور کر دیا تھا۔ ہادی بھی اب اس سے کم ہی بات کرتا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے غافل تھا۔ اسے سب خبر تھی رافع کے متعلق، بس یہ تھا کہ رافع کے رویے نے اسے خود سے دور کر دیا تھا اور ہادی نے اپنی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے آخری کوشش کے طور پہ سارے حالات احد بھائی کو بتا دیے تھے۔ تاکہ کل کو وہ کسی معاملے میں اونچ نیچ کی صورت میں ہادی کو موردالزام نہ ٹھہرائیں۔

مومنہ کی ڈائری سے ہادی کو جو نمبر ملا تھا۔ وہ مومنہ کی خالہ کا ہی تھا اور ذرا سی کوشش سے ہادی نے اس نمبر کا تمام ڈیٹا نکلوا لیا تھا۔ اس اتوار اس کا وہاں جانے کا پلان تھا مگر ضروری نہیں کہ انسان جو سوچے وہی ہو۔ بے شک انسان اپنے ارادوں کو ٹوٹنے سے ہی اپنے رب کو پہچانتا ہے۔

ہفتے کی شام جب وہ ڈیوٹی آف کر کے نکل رہا تھا۔ تب اسے ایک فون کال موصول ہوئی تھی۔ اس کے دوست انسپکٹر عادل کی، ہادی سمجھا کہ اسے مریم کے سلسلے میں فیضان کے متعلق کوئی بات کرنی ہے کیونکہ وہ ایسی کچھ اور شکایات پر پکڑا جا چکا تھا اور اس وقت پولیس کی حراست میں تھا۔

مگر عادل نے اسے جو کچھ بتایا اسے سن کر حقیقتاً ہادی کے حواس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔ وہ کس طرح سے پولیس اسٹیشن پہنچا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ رافع پولیس کی حراست میں تھا اور یہ بات ہادی کے لیے غصے کے ساتھ ساتھ شرمندگی کا باعث بھی تھی۔ یہ تو عادل وہاں تھا اس لیے ابھی تک معاملہ کنٹرول میں تھا۔ ورنہ ایسے کیسز میں ہماری پولیس جو حال کرتی ہے یہ سوچ ہی انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔

''چاچو! پلیز مجھے یہاں سے نکالیں چاچو پلیز میری مدد کریں۔ مجھے نکالیں یہاں سے میرا دم گھٹ رہا ہے پلیز چاچو میں بہت شرمندہ ہوں چاچو۔''

وہ اٹھارہ سالہ لڑکا اس لمحے خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ کہ وہ دوست جس پہ جان چھڑکتا تھا۔ ان کی محبت اسے یہاں تک لے آئے گی۔ ڈر اور خوف سے اس کا برا حال تھا۔ وہ کسی سے نگاہ نہیں ملا پا رہا تھا۔

ہادی خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اسے رافع پہ غصہ تھا۔ شدید غصہ مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ اس صورت حال میں اسے یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے بمشکل خود پہ قابو پایا تھا اور عادل کے پاس چلا آیا تھا۔

عادل کی بتائی گئی تفصیل کے متعلق سمیر کا فارم ہاؤس جو اس کے بیوروکریٹ باپ نے اسے عیاشیوں کے لیے لے کر دے رکھا تھا۔ وہاں کچھ عرصے سے پولیس کو غیر اخلاقی سرگرمیوں کی اطلاع تھی کہ وہاں یہ لڑکے اور لڑکیاں مل کر غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

اس روز بھی یہی ہوا تھا۔ سمیر نے لائبہ کو رافع کے نام پہ بلایا تھا۔ مگر اس کی نیت ٹھیک نہ تھی۔ اور یہ ساری باتیں رافع نے سن لی تھیں۔ جھگڑا بڑھتے بڑھتے نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچی اور وہاں موجود کسی نے پولیس کو کال کر دی۔ پولیس تو یوں بھی موقع کی تلاش میں تھی۔ وہاں موجود سب کو اٹھا کر لے آئی۔ لڑکیوں کو تو تھوڑی پوچھ گچھ کے بعد ان کے گھروں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ مگر لڑکوں کو لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔

فی الحال تو سمیر کی کوئی بھی سفارش کام نہیں آ رہی تھی۔ عادل ہی تمام معاملے کو ہینڈل کر رہا تھا اور وہ اپنے کام کا ذرا سخت بندہ تھا۔

اس نے ہادی کو یقین دلایا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ وہ بس رافع کا بیان لے کر اسے چھوڑ دے گا۔ ان لڑکوں کو سمجھانے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ سمیر کو بیان ریکارڈ کرانے لے گئے تھے۔

تب ہی عدن، اسامہ اور رافع کے قریب آیا تھا۔

''دیکھو، میری بات سنو اب ہم لوگوں کے پاس یہاں سے نکلنے کا بس ایک ہی راستہ ہے۔''

اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔ کیونکہ وہاں ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے۔

www.pakistanipoint.com

''وہ کیا.....'' دونوں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے سمیر کا نہیں اب یہی ایک واحد حل ہے ان سب سے بچنے کا، اس کا باپ تو اسے چھڑا لے گا سوچو ہمارا کیا ہوگا۔''

وہ سب ہی متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جہاں پیسے کی ریل پیل نہ تھی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ سمیر جن غیر اخلاقی سرگرمیوں میں مبتلا تھا۔ ان لوگوں نے اس میں کبھی اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔ علاوہ وڈیوز وغیرہ بنانے کے.....وہ بھی صرف اس لیے کہ سمیر کے پاس پیسہ تھا۔ نت نئی ٹیکنالوجی کی چیزیں اور جگہ بھی.....اور وہ سب ہی نوجوان تھے۔ کچے ذہنوں کے مالک یہاں لوہا بھی سونا لگتا ہے اب ٹھوکر لگی تو سمجھ آیا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔

وہ ہمیشہ دوستوں کو ٹریپ کرتا رہا تھا۔ مگر اب یہ وقت دوستی نبھانے کا نہیں خود کو بچانے کا تھا۔ ورنہ ان کے مستقبل خراب ہو جاتے اور بدنامی الگ۔ ان دونوں نے بھی عدن کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

اور رافع تو یوں بھی اب سمیر کے خلاف بھرا بیٹھا تھا۔ یوں وہ تینوں ہی اس معاملے سے بری الذمہ قرار پائے تھے۔ مگر سمیر فی الحال پولیس کی حراست میں تھا اور نکلنے کو ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

☆☆☆

سردیاں رخصت ہونے کو تھیں۔ دن اب طویل ہونے لگے تھے۔ سخت جاڑے کے بعد موسم اب جسم و دل کو بھا رہا تھا۔ اس روز بھی ایسا ہی موسم تھا۔ دھوپ تیز تھی مگر چلنے والی ہوا ابھی ٹھنڈی اور خشک تھی۔

مومنہ اسکول سے آئی تو عام دنوں کے مقابلے میں قدرے خوش اور مطمئن تھی۔ کیونکہ اس کی ایک کولیگ نے اس کے رہنے کا بندوبست ایک ہوسٹل میں کر دیا تھا۔ اس نے ہر طرح سے مومنہ کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ وہاں آرام سے رہ سکتی ہے۔ کیونکہ وہ جگہ اس کی کسی جاننے والی کی تھی اور لڑکیوں کے لیے کافی محفوظ تھی۔

اس لیے اس نے ہر طرح سے مطمئن ہو کر ہی مومنہ کو وہاں کے بارے میں بتایا تھا۔ اس نے مناسب لفظوں میں خالہ کو طاہر کے رشتے کے لیے منع کر دیا تھا اور اپنے یہاں سے جانے کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ کیونکہ وہ خالہ کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ ان کا احسان ہی تھا کہ انہوں اتنے مشکل حالات کے باوجود مومنہ کو اپنے پاس اتنے دن رکھا اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھنے کی بھی کوشش کی تھی۔ خالہ کو مومنہ کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ انہیں احساس تھا کہ ان کا بیٹا مومنہ کے قابل نہیں ہے۔

وہ ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی تھی۔ جواب تک نامساعد حالات کا مقابلہ کرتی آئی تھی۔ فیصلے کا حق رکھتی تھی۔ اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کی جا سکتی تھی۔ پھر طاہر اس سے عمر میں بھی چھوٹا تھا۔ مومنہ کو خود پر یقین تھا وہ صرف یہاں رہنے کی خاطر اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتی تھی۔

خالہ سے بات کر کے وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ اسے کل یہاں سے چلے جانا تھا۔ اس نے اپنا مختصر سا سامان پیک کر لیا تھا۔ خالہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ خالو اور طاہر سے وہ خود بات کریں گی۔ مگر تب تک مومنہ کو یہاں رکنا ہوگا۔ تاکہ وہ طریقے سے بات کو سنبھال لیں۔

اپنے شوہر اور بیٹے کو وہ جانتی تھیں کہ وہ کس حد تک جا سکتے ہیں۔ شاید اس لیے تھوڑی متفکر تھیں۔

☆☆☆

''ناصر بیٹا.....ذرا ہادی کو فون تو ملاؤ۔ آج اس نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے۔ ڈیوٹی ٹائم تو اس کا کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ رافع بھی پتا نہیں کہاں ہے۔ اس لڑکے کی تو مجھے سمجھ ہی نہیں آتی ہے کرتا کیا پھر رہا ہے۔

گھڑی کی سوئیاں جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک بیٹا تھا دوسرا پوتا.....دونوں دل دو دھڑکن کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی پریشانی تو لازمی تھی۔

''جی ماں جی میں ابھی فون ملاتا ہوں۔''

ناصر نے ان کا موبائل اٹھا کر ہادی کا نمبر ملایا تھا۔ مگر بیل جا رہی تھی لیکن وہ فون ریسیو نہیں کر رہا

www.pakistanipoint.com

تھا۔ایک بار..... دو بار..... سہ بار..... ناصر نے تھک کر موبائل واپس ٹیبل پر رکھ دیا اور ماں جی کو دیکھ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''وہ فون نہیں اٹھا رہے ہیں اور رافع بھائی کا نمبر بھی بند ہے۔''

''یا اللہ تو میرے بچوں کی حفاظت کرنا.....''

''ان کے لبوں پر دعائیں تھیں۔

اسی لمحے باہر گاڑی کی آواز کے بعد مین ڈور کھلنے کی آواز آئی تھی اور ہادی نے رافع کو بازو سے پکڑ کر ماں کے سامنے ڈال دیا تھا۔

''لیں سنبھالیں اپنے لاڈلے کو۔آج جیل کی ہوا کھا آیا ہے۔بس یہی ایک کسر رہ گئی تھی۔آج وہ بھی پوری کردی اس نے..... نشہ..... آوارہ گردی..... چوری اور جیل.....''

انہوں نے حیرت سے غصے سے سرخ چہرہ لیے ہادی اور سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اپنے قدموں میں بیٹھے رافع کو دیکھا تھا۔

''لیکن ہوا کیا ہے..... کچھ بتاؤ تو.....''

ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔وہ جلد از جلد جاننا چاہ رہی تھیں کہ آخر ہوا کیا ہے۔

''یہ آپ اس سے ہی پوچھ لیں۔یہ آپ کو بہتر بتائے گا کہ ہوا کیا ہے۔اور امی براہ مہربانی احد بھائی کو فون کریں اور کہیں کہ اپنے بچوں کو آکر لے جائیں۔میں اب مزید یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا ہوں۔خود ہی سنبھالیں۔''

''چاچو..... پلیز آئی ایم سوری..... میں غلط تھا مجھے احساس ہوگیا ہے۔میں نے آپ سب کا دل دکھایا ہے۔پلیز مجھے معاف کردیں۔میں آئندہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔مگر پلیز پاپا کو مت بلائیں۔ہمیں کہیں نہیں جانا ہے۔ہمیں آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ہمارے لیے آپ ہی سب کچھ ہیں۔پلیز بس ایک بار.....''

وہ اٹھ کر یک دم ہی روتے ہوئے ہادی سے لپٹ گیا تھا۔جیل میں گزرے یہ چند گھنٹے اس لڑکے پر قیامت بن کر گزرے تھے۔اسے لگا کہ شاید وہ اب ہمیشہ اس جیل میں سڑے گا۔اس کا وہاں دم گھٹ رہا تھا۔احساس جرم..... احساس ندامت..... اس پر اس قدر حاوی ہو چکے تھے کہ وہ کسی سے نگاہ نہیں ملا پا رہا تھا۔

وہ روتا ہوا ہادی کے سینے سے لگا کھڑا تھا۔جبکہ چہرے پر سخت تاثرات لیے ہادی ساکت کھڑا تھا۔اس لمحے اس کے دل میں رافع کے لیے ذرا بھی نرمی نہیں تھی۔اس نے اپنی زندگی لگا دی تھی ان بچوں کے پیچھے اور یہ لوگ کیا صلہ دے رہے تھے اسے۔

ہر شرمندگی اس کا مقدر بن جاتی تھی..... پہلے مومنہ اور اب عادل کے سامنے وہ کس قدر شرمسار ہوا تھا..... یہ صرف وہی جانتا تھا..... یہ تو شکر تھا کہ وہاں عادل موجود تھا۔اس نے سب سنبھال لیا تھا۔وگرنہ تو جانے کیا ہوتا..... اس نے بنا کچھ کہے رافع کو خود سے دور دھکیلا تھا۔اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

رافع یونہی روتے ہوئے دادی کے پاس جا بیٹھا تھا اور انہیں شروع سے لے کر آخر تک سب بتا رہا تھا۔یہ بھی کہ اس نے کس طرح سے خود کو بچانے کے لیے مومنہ پر چوری کا الزام لگا کر اسے گھر سے نکالا تھا..... یہ سب سن کر ان کا دل بھی رافع کی طرف سے بہت برا ہوا تھا۔مگر اس لمحے انہیں غیر جانب دار ہو کر فیصلہ کرنا تھا۔وگرنہ اگر دلوں میں دراڑ آجاتی تو گھر کا شیرازہ بکھر جاتا۔

''تم نے غلط کیا رافع۔بہت غلط کیا..... تمہیں یہ سب کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی ہماری تربیت کا..... ہمارے گھر کا..... اپنے بہن بھائیوں کا ذرا بھی خیال نہ آیا..... سوچو اگر اس دن مومنہ نہ ہوتی تو خدانا خواستہ مریم کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا اور شیزا اور واسع کو دیکھا ہے تم نے..... دونوں کیسے ہو گئے ہیں۔اور تم کون سا احساس محرومی ہے تمہارے اندر جس نے تمہیں یہ سب کرنے پر مجبور کیا..... کسی چیز کی کمی رہنے دی ہے ہم نے تمہیں..... جو تم نے یہ سب کیا..... مجھے بہت افسوس ہے رافع تم پر..... بہت زیادہ.....''

www.paksociety.com

وہ اس گھر کی بڑی تھیں۔ سربراہ تھیں۔ مگر ان کی طبیعت کے پیش نظر ہادی ان سے بہت سی باتیں چھپا جاتا تھا۔ کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ ٹینشن نہ لیں۔ رافع بگڑ رہا ہے۔ اس کے دوست اچھے نہیں ہیں۔ پڑھائی پر توجہ نہیں دے رہا ہے۔ اتنا تو وہ جانتی تھیں۔ مگر رافع اس حد تک چلا جائے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

''دادو مجھے معاف کردیں ..... ویری سوری دادو.....''

وہ شرمندہ تھا از حد شرمندہ..... اور مریم والا واقعہ سوچ کر ہی تو سمیر سے لائبہ کو بچانے چلا تھا۔ لائبہ اسے پسند کرتی ہے یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر سمیر کے لائبہ کے بارے میں خیالات جان کر اس کے سامنے مریم کا چہرہ ہی آیا تھا۔ اسے بھی پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اگر مومنہ وہاں نہ ہوتی تو۔ بس پھر بات اتنی بڑھ گئی کہ پولیس تک جا پہنچی۔

☆☆☆

''میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے امی..... میں تو ہمیشہ ہی سب کے لیے اچھا سوچتا ہوں، میں نے اپنی پوری زندگی ان کے لیے وقف کردی۔ پوری ایمان داری کے ساتھ اپنی ہر وہ ذمہ داری بھی نبھائی جو کبھی میری تھی ہی نہیں۔ کبھی اف تک نہیں کی۔''

دل گھبرایا تو رات کے کسی پہر وہ اٹھ کر ماں کے قدموں میں سر رکھے آبیٹھا تھا۔

''صبر کر میرے بچے..... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور میری تمام دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

انہوں نے اپنے گھٹنوں پر رکھا ہادی کا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما تھا۔

اگر ان سے پوچھا جاتا کہ انہیں اس پوری دنیا میں کون سب سے زیادہ عزیز ہے تو وہ ماں ہو کر بھی تفریق کرتیں اور ہادی کا نام لیتیں۔ کیونکہ وہ تھا اس قابل۔

''رافع بچہ ہے ہادی! اسے معاف کردو۔ وہ شرمندہ ہے اسے سبق مل چکا ہے۔ تم نے ہمیشہ بڑے پن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب بھی کرو میرے چاند.....

اپنا دل صاف کردو بیٹا..... میری احد سے بھی بات ہوئی۔ وہ بھی بہت شرمندہ ہے۔ دنیا کے تمام مال واسباب کی موجودگی کے باوجود ایک اولاد کی کمی نے اسے نعمت کی قدر اچھے سے سمجھادی ہے۔ وہ شرمندہ ہے کہ بچوں کی ماں کے مرنے کے بعد اس نے کبھی بچوں کو پلٹ کر نہیں دیکھا ہے۔ وہ جلد آنے کو کہہ رہا تھا۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ رافع کو اپنے ساتھ لے جائے۔ یا یہیں سیٹل ہوجائے۔''

سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے وہ دھیرے دھیرے سے سمجھاتی اس لمحے ہادی کے دل کو سکون پہنچا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کی گود میں سر رکھے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ہمیشہ سے ہی ماں اس کی بہترین دوست تھیں۔ کسی اور کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔''

مجھے کسی اور بات کا دکھ نہیں ہے امی! مجھے صرف اس بات کا دکھ ہے کہ اس نے چوری جیسا گھناؤنا کام کیا اور وہ بھی آپ کے کنگن..... اور الزام اس نے مومنہ پر لگادیا..... وہ کیا سوچتی ہوگی ہمارے بارے میں، اس نے مومنہ کی نظروں میں ہمیں گرادیا امی.....''

اس لمحے اس کی آنکھوں میں بہتا دکھ ماں سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

''ہادی! مومنہ ایسی نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں۔ اور وہ بھی رافع کی اور صبا کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوچکی تھی۔ وہ ایسا کچھ نہیں سوچتی ہوگی۔ اس نے اس گھر اور بچوں کے لیے خلوص نیت سے جو کچھ بھی کیا وہ ہر کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ تم کل جاؤ حیدرآباد اور جا کر اسے ملو۔ اور اسے واپس لے آؤ۔ جانے وہ بچی بے چاری کہاں کہاں دھکے کھا رہی ہوگی۔''

''ہوں آپ ٹھیک کہہ رہیں امی۔''

ہادی نے اثبات میں سر ہلا کر ان کی تائید کی تھی۔ وہ ماں تھیں سمجھ سکتی تھیں کہ ہادی اس لمحے کیا سوچ رہا ہے۔ اور اس کا دل و دماغ اس وقت کس کشمکش میں ہے۔''

☆☆☆

مومنہ نے اپنا مختصر سا سامان رات کو ہی کو پیک

www.pakistanipoint.com

کرلیا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس تھا ہی کیا..... چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ اور چھوٹی موٹی چیزیں..... جو کہ ایک چھوٹے سے بیگ میں با آسانی آ گئی تھیں۔ اسے آج ہوسٹل شفٹ ہو جانا تھا۔ وہ تیار ہو کر اپنا بیگ اٹھائے نیچے اتر آئی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہولے ہولے چلتی ہوا موسم کو خوش گوار بنا رہی تھی۔ یوں بھی آج دل تھوڑا مطمئن تھا تو سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ ایک کسک تھی دل میں..... مگر شاید اب یہ کسک تمام عمر رہنی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

اس نے ابھی آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے کھڑے صدیق خالو نے اس سے پوچھا تھا۔

''جی..... وہ میں میں نے خالہ کو بتا دیا تھا۔''

''مومنہ نے لمحہ بھر کو جھجک کر ان سے کہہ دیا تھا۔

''کیا بتا دیا تھا خالہ کو..... ہم بھی تو سنیں۔''

وہ دو قدم مزید آگے آ کر اس کے سامنے آ گئے تھے۔ طاہر بھی کمرے سے نکل آیا تھا۔ یکدم ہی مومنہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ یہ دونوں اس وقت گھر پر کیا کر رہے ہیں۔ یقیناً کچھ غلط ہونے جا رہا تھا۔

''مومنہ تم جاؤ بیٹا! تمہیں دیر ہو جائے گی۔ میں سب سنبھال لوں گی۔'' خالہ کچن سے نکل کر اس کے پاس چلی آئی تھیں۔ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے مومنہ کو وہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔

''ایسے کیسے چلی جائے گی یہ یہاں سے..... اتنے دن یہاں رکھا..... کھلایا پلایا اور یہ یوں اتنی آسانی سے ہمارے منہ پر جوتا مار کر چلی جائے گی۔ اور تو کیا سنبھالے گی تو خود کو تو سنبھال لے پہلے۔''

خالو نے نفیسہ خالہ کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا تھا۔ وہ دیوار سے جا لگی تھیں۔

''سنو..... لڑکی.....''

انہوں نے مومنہ کے ہاتھ سے اس کا بیگ چھین کر دور پھینک دیا تھا۔

''عصر کے بعد تمہارا طاہر کے ساتھ نکاح ہے۔ یہاں سے جانے کا خیال اب اپنے دل سے نکال دو تو اچھا ہے۔ خاموشی سے میری بات مان جاؤ اور نہ مجھے انگلی ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہے۔''

''یہ آپ غلط کر رہے ہیں۔ آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے ہیں۔ میں طاہر سے شادی نہیں کروں گی۔ یہ میں خالہ کو بتا چکی ہوں۔ ہٹیں آگے سے مجھے جانے دیں۔''

مومنہ نے انہیں خود سے دور ہٹایا تھا اور صاف الفاظ میں اپنا موقف ان پر واضح کر دیا تھا۔ کم از کم یہ وقت احسان چکانے کا نہیں تھا۔

''تیری اور تیری خالہ کی اوقات میرے آگے اس چیونٹی سے زیادہ نہیں ہے۔ آئی سمجھ..... زیادہ بڑ بڑ کی تو اس طرح پاؤں سے کچل دوں گا۔''

انہوں نے پاؤں تلے آئی چیونٹی کو بے دردی سے مسل کر مومنہ کو دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں میں اس لمحے ہلکا سا خوف ہلکورے لے رہا تھا۔ آنے والے وقت کا خوف..... اپنے اکیلے پن کا خوف..... مگر جس کا کوئی نہیں ہوتا نا اس کا اللہ ہوتا ہے۔ اسی لمحے دروازے پر ہونے والی دستک نے سب کو چونکا دیا تھا۔

☆☆☆

ہادی..... رافع اور امی، مومنہ کو لینے جا رہے تھے یہ جانے بغیر کہ وہ ان کے ساتھ آئے گی بھی یا نہیں ہادی کو اکیلے جانا مناسب نہیں لگا تو اس نے ماں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ رافع بھی اپنی مرضی سے ساتھ آ گیا۔ مریم نے مومنہ کے پاس جانے کا سنا تو وہ بھی ساتھ جانے کی ضد کرنے لگی۔ البتہ شزا اور واسع کو ہادی نے صبا کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ناصر بھی وہیں رک گیا تھا کہ بچوں کا خیال رکھے گا۔

''ہادی..... مومنہ سے کہنا کہ میں اس سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے جان لیا ہے کہ کسی پر بے بنیاد الزام لگانا یا اپنے دل میں کسی کے لیے بغض رکھنا انسان کو کس قدر شرمندہ کر دیتا ہے۔ خود اپنی ہی نظروں میں گرا دیتا ہے۔''

صبا کے لہجے کی شرمندگی بتا رہی تھی کہ اسے واقعی

www.pakistanipoint.com

احساس ہو گیا تھا کہ وہ غلط تھی۔

رافع کے جیل جانے والے واقع نے ان سب کو بے حد ڈرا دیا تھا۔ اگر جھگڑے میں بات بڑھ جاتی اور کوئی بڑا نقصان ہو جاتا تو وہ لوگ کیا کرتے کیونکہ جب پولیس وہاں پہنچی تب سمیر رافع پہ گن تانے کھڑا تھا۔ اور ویسے بھی صبا نے مومنہ کے جانے کے بعد گھر پر جو ملازمہ رکھوائی تھی۔ اس نے چند ہی دنوں میں راشن سے لے کر بچوں کے کھلونوں تک تمام چیزیں اس صفائی سے غائب کیں کہ کسی کو پتا بھی نہیں چل سکا تھا۔

وہ تو ایک دن ناصر نے اسے دیکھ لیا۔ جب وہ چیزیں باہر گیٹ پر چھپ کر کھڑے اپنے بیٹے کو پکڑا رہی تھی۔ اس نے آ کر ماں جی کو بتایا۔ انہوں نے اس عورت کو تو فوراً گھر سے نکال دیا مگر صبا کو بھی خوب ہی آئینہ دکھایا تھا۔

رافع کی نادانی میں کی گئی غلطیاں جب سامنے آئیں تو سب ہی شرمندہ ہوئے تھے۔ ان کی تو اتنی پہنچ بھی نہیں تھی کہ وہ سمیر کے بیورو کریٹ باپ سے مقابلہ کرتے۔ اس نے تو اپنا پورا زور لگا کر ہر سفارش آزما کر بیٹے کو جیل سے نکلوا لیا تھا۔ ہادی نے پولیس کے ذریعے سے اس سے وہ پانچ لاکھ بھی نکلوا لیے تھے۔ جو اس نے رافع سے دھوکے سے ہتھیا لیے تھے۔ لیکن معاملہ اس سے بڑھتا تو وہ لوگ شاید سنبھال نہیں پاتے۔

''چاچو آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں چاچو، میں نے سب دوست بھی چھوڑ دیئے ہیں۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ تفریح ایک طرف مگر غلط لوگوں کی صحبت آپ کو غلط راہ پر ہی لے جاتی ہے۔ آپ اب جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔''

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ہادی کا بازو پکڑ کر رافع نے روک لیا تھا۔

ہادی اس کے لیے سب کچھ تھا۔ دوست..... بھائی..... باپ.....

ہر رشتہ اس نے ہمیشہ ہادی میں دیکھا تھا۔ اب اس کی ناراضی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پھیلی نمی بتا رہی تھی کہ وہ کس قدر شرمندہ ہے۔

''میں ناراض نہیں تھا رافع۔ مجھے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ تم مجھے غلط سمجھنے لگے تھے۔ مگر میرا خدا گواہ ہے کہ آج تک میں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ صرف اور صرف تم لوگوں کی بھلائی کے لیے تھا۔ بہتری کے لیے کیا۔'' ہادی نے رافع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسی نرمی سے کہا تھا۔ جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی۔

''چلو اب گاڑی میں بیٹھو..... دیر ہو رہی ہے۔''

ہادی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو رافع بھی ساتھ آ بیٹھا تھا۔ پیچھے امی اور مریم تھیں۔

''امی..... یہ آپ کے لیے.....''

ہادی نے ڈیش بورڈ کھول کر وہاں سے ایک باکس نکالا تھا اور ماں کی طرف بڑھایا تھا۔

''یہ کیا ہے بچے.....؟''

انہوں نے باکس تھام کر حیرت سے پوچھا تھا۔

''آپ کی امانت ہے اس میں..... کھول کر دیکھیں۔''

کھولنے پر باکس میں وہی کنگن جگمگا رہے تھے۔ جو رافع نے چرائے تھے اور پھر انہیں بیچ دیا تھا۔ وہی کنگن جن کی چوری کا الزام مومنہ پر زبردستی تھوپا گیا تھا۔

''یہ کہاں سے ملے تمہیں ہادی.....''

انہوں نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ہادی سے پوچھا تھا۔ اس لمحے جو وہ محسوس کر رہی تھیں۔ وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ انہیں ان کے کھو جانے کا بہت دکھ تھا اور جب پتا چلا کہ یہ سب رافع نے کیا تھا۔ مومنہ کو نیچا دکھانے کے لیے تب تو انہیں بہت تکلیف کی تھی۔ انہوں نے ایسی تربیت تو نہ کی تھی رافع کی اور اب یہ پھر سے ہادی کے پاس..... اور ان کے ہاتھ میں..... وہ حیران تھیں..... از حد حیران.....

''یہ آپ کی امانت تھے۔ سو آپ تک پہنچ گئے امی..... دراصل رافع نے یہ جہاں بیچے تھے اتفاق تھا کہ وہ میرے ایک دوست کے فادر کی شاپ ہے۔ وہ رافع کو جانتے ہیں۔ رافع کے جانے کے بعد انہوں نے مجھے کال کی اور سب بتا دیا۔ مجھے تب ہی پتا چل گیا تھا کہ یہ

www.pakistanipoint.com

سب رافع نے کیا ہے۔ مگر میں چپ اس لیے رہا کہ میں صحیح وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اس سے بات کروں۔ جب اسے خود احساس ہو کہ اس نے جو کیا وہ غلط تھا۔ میں نے یہ کنگن ان کے پاس امانتاً رکھوا دیے تھے کہ جب میرے پاس پیسے ہوں گے میں آ کر لے جاؤں گا۔ اور جب سمیر نے وہ پیسے واپس کیے تو میں نے پہلی فرصت میں جا کر یہ کنگن واپس لے لیے۔"

ہادی نے دھیرے دھیرے سب بتاتے ہوئے احتیاط سے موڑ کاٹا تھا۔ ایک نگاہ ساتھ بیٹھے رافع پر ڈالی تو وہ نگاہیں جھکائے بیٹھا شرمندگی سے اپنے لب کچل رہا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے لیے کتنے خاص ہیں۔"

"میں کتنی خوش ہوں میرے بچے! میں تمہیں بتا نہیں سکتی ہوں۔ بہت شکریہ تمہارا ہادی۔ یہ تمہارے ابا کی آخری نشانی ہیں میرے پاس۔ اور میں نے کسی خاص مقصد سے ہی سنبھال رکھے ہیں۔ اور آج تو یہ بڑے اچھے موقع پر تم نے مجھے دیئے ہیں۔"

"اچھا بھلا وہ کیسے۔"

ہادی نے مسکرا کر بیک ویو میں ماں کا چہرہ دیکھا تھا۔ جو اس لمحے خوشی سے مسرور سا تھا۔

بس یہ بھی تمہیں جلد پتا چل جائے گا۔"

"چاچو ہم کب تک پہنچیں گے مومنہ آپی کے پاس۔"

مریم نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہادی سے پوچھا تھا۔ اسے بہت جلدی تھی مومنہ سے ملنے کی۔

"ابھی تو بہت ٹائم لگے گا گڑیا۔"

"ہادی نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔ ایک خوش گوار سفر کا آغاز ہوا تھا۔ اب امید تھی کہ اختتام بھی بخیر ہو۔

☆☆☆

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو۔"

دروازہ طاہر نے کھولا تھا اور سامنے کھڑے اجنبی چہروں کو دیکھ کر روکھے لہجے میں دیکھا تھا۔

"یہ صدیق صاحب کا گھر ہے۔"

سامنے کھڑے بلو جینز اور وائٹ شرٹ میں آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے سوبر سے شخص نے پوچھا تھا۔ انداز بہت شائستہ تھا۔ مومنہ کی ڈائری سے ہادی کو جو نمبر ملا تھا اس سے نکلوائے گئے ڈیٹا کے مطابق گھر کا ایڈریس یہی تھا جہاں وہ اس وقت کھڑے تھے۔

"جی ان کا ہی گھر ہے۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنا ہے آپ کو۔"

"دروازے پر کون ہے طاہر۔ جلدی اندر آ...... جا کر جم ہی گیا ہے۔" ابا بھی بلند آواز سے کہتے وہیں چلے آئے تھے کہ دیکھیں تو کون ہے۔

"جی میں ڈاکٹر ہادی ہوں اور یہ میری امی ہیں۔ ہم لوگ کراچی سے آئے ہیں اور ہمیں مومنہ سے ملنا ہے۔ کیا وہ یہیں رہتی ہیں۔"

صدیق صاحب نے سر سے پاؤں تک اس نرم لہجے والے شخص کو دیکھا تھا۔ اور اس کے آگے وہیل چیئر پر بیٹھی خاتون کو...... وہ چہرے سے ہی اچھے گھر کے لگ رہے تھے۔ وہ لمحہ بھر کو چپ کر گئے تھے کہ اب کیا بولیں جانے کون تھے۔ رنگ میں بھنگ ڈالنے آ گئے تھے۔ وہ آواز سن کر اس لمحے صحن کے بیچوں بیچ تنہا کھڑی مومنہ کو لگا کہ وہ یک دم سے تپتی دھوپ سے نرم چھاؤں میں آ گئی ہے۔ وہ شخص ہمیشہ اسے کسی فرشتے کی طرح لگتا تھا جو ہمیشہ ہی مشکل وقت میں اس کی مدد کو آن پہنچتا تھا۔

مومنہ کا دل اس لمحے شدت سے اسے ہی یاد کر رہا تھا۔ اسے لگا معجزے آج بھی ہوتے ہیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں خالو اسے واپس نہ لوٹا دیں۔ تبھی آنٹی کی نگاہ سامنے صحن میں کھڑی مومنہ پر پڑی تو وہ وہیل چیئر دھکیل کر اندر چلی آئی تھیں۔ ان کی کھلی بانہوں میں سماتے ہوئے مومنہ کو خود رونے سے روک نہیں پائی تھی۔ مومنہ کے چہرے کے تاثرات اس کے آنسو اور قدموں میں رکھا بیگ انہیں کسی غیر معمولی بات کا پتا دے رہا تھا۔ وگرنہ وہ اتنی کمزور ہر گز نہ تھی کہ صرف ان سے ملنے کی خوشی میں رو پڑتی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''مومنہ آپی! ہم سب آپ کو لینے آئے ہیں۔ آپ چلیں گی نا ہمارے ساتھ'' مریم اس سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے مریم کو خود سے لگا لیا تھا۔

''مومنہ آپی..... آئی ایم ویری سوری فار ایوری تھنگ۔''

رافع بھی دوسری جانب آ کھڑا ہوا تو اسے لگا کہ وہ کسی پناہ میں آ گئی ہے۔ اپنوں کے بیچ کھڑی ہے۔ وہ اکیلی نہیں ہے۔ اس نے آنکھوں میں نمی لیے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''آپ لوگ حیران ہوں گے کہ ہم لوگ کون ہیں۔ دراصل یہاں آنے سے پہلے مومنہ ہما، ے پاس ہی رہ رہی تھی۔ اس کا دل اپنی خالہ سے ملنے کو چاہا تو وہ یہاں آ گئی۔ مگر اب اتنے دن گزر گئے تو ہم نے سوچا کہ جا کر لے آتے ہیں۔

نفیسہ خالہ تو جانتی تھیں کہ یہ لوگ وہی ہیں جہاں مومنہ کام کرتی تھی۔ مگر اصل بات سے وہ بھی ناواقف تھیں کہ مومنہ وہاں سے کام کیوں چھوڑ آئی تھی۔ باقی صدیق خالو اور طاہر لاعلم تھے۔ اس لیے حیران ہی کھڑے تھے۔

''اچھا..... اچھا..... ٹھیک ہے۔ اچھا ہوا آپ لوگ آ گئے ہیں۔ بڑے مبارک موقع پر آئے ہیں۔ آج مومنہ بیٹی کا نکاح ہے میرے بیٹے طاہر کے ساتھ۔ آپ لوگ بھی اب شرکت کر کے جایئے گا۔ صدیق خالو نے بڑے فخر سے بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں دعوت دی تھی۔ لہجہ بھی خوش گوار ہی رکھا تھا۔ بیٹے کی خاطر وہ یہ کڑوا گھونٹ پینے کو بھی تیار ہو گئے تھے وگرنہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو اپنا بخار تک کسی کو نہ دیں۔ کجا کہ خرچے والا کام۔ طاہر اور مومنہ کے نکاح میں بھی ان کا یہی لالچ تھا۔ بیٹا نکھٹو نشئی۔ جبکہ لڑکی پڑھی لکھی اور کماؤ تھی۔ نوکری کر کے چار پیسے تو لے ہی آتی تھی۔ عمر میں بڑی تھی تو کیا ہوا۔

''لیکن میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے ہیں۔''

مومنہ کے اس طرح سے سب کے سامنے کہہ دینے سے صدیق خالو تھوڑے گڑبڑا سے گئے تھے۔ طاہر بھی جز بز ہو رہا تھا۔ جبکہ نفیسہ خالہ مطمئن سی کھڑی مومنہ کو دیکھ رہی تھیں۔ کیونکہ وہ خود یہی چاہتی تھیں کہ مومنہ کسی بھی طرح سے یہاں سے چلی جائے اور اس زبردستی کے بندھن میں نہ بندھے۔ ہادی نے اوپر اچکا کر مومنہ کو دیکھا تو اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس کی آنکھوں کی نمی اس لمحے ہادی کو بے چین کر رہی تھی۔ جانے کیوں اتنے دن بعد اسے دیکھا تو دل ذرا سا مطمئن ہوا تھا۔ مگر اب یہ نیا مسئلہ شروع ہو گیا تھا۔

''ارے یہ تو بہت غلط بات ہے۔ آپ لوگوں کو بچی کے ساتھ اس طرح سے زبردستی نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ایک پڑھی لکھی خود مختار لڑکی ہے۔''

''دیکھیں جی یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے آپ بیچ میں نہ بولیں۔''

صدیق صاحب نے انہیں ٹوک دیا تھا۔ ہادی نے کچھ کہنا چاہا تو ماں نے روک دیا تھا۔ وہ اس معاملے کو خود سنبھالنا چاہتی تھیں۔

''بالکل، میں نہ بولتی اگر یہ صرف آپ کے گھر کا معاملہ ہوتا۔ یہ میرے بھی گھر اور بچوں کا معاملہ ہے۔ مومنہ نے شاید آپ کو بتایا نہیں کہ وہ میرے بیٹے ہادی کی منگیتر ہے اور یہ رشتہ ہم سب کی مشترکہ پسند سے طے ہوا ہے۔ شاید آپ کے علم میں یہ بات نہیں۔ وہ تو بس چند دن کے لیے یہاں آئی تھی۔ کیوں مومنہ بیٹے آپ نے بتایا نہیں ان لوگوں کو۔''

وہ اس لمحے اس قدر مطمئن انداز میں بول رہی تھیں کہ جیسے یہی حقیقت ہو۔ وہاں موجود سب لوگ ہی از حیران تھے۔ مومنہ اور ہادی سمیت..... مگر خاموش تھے۔

''ہاں..... ہاں..... مومنہ نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ میں تو کب سے آپ کو بتانے کی کوشش کر رہی تھی طاہر کے ابا۔ مگر آپ سنتے ہی نہیں۔ یہ رشتہ مومنہ کے ابا نے طے کیا تھا۔ ہاں نا میں صحیح کہہ رہی ہوں نا۔''

یہی موقع تھا مومنہ کو اس دلدل سے نکالنے کا

www.pakistanipoint.com

جس سے نکلنے کے لیے وہ خود ساری عمر ہاتھ پاؤں مارتی رہی تھیں۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ مومنہ کا نصیب ان کے جیسا نہ ہو۔ خالہ نے اس وقت سچ میں ماں سی ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

''بس پھر تو بات ہی ختم ہوگئی نا میں اب اپنی بیٹی کو واپس لینے آئی ہوں۔ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں نا۔''

نفیسہ کی رضامندی پا کر انہوں نے بلند آواز میں سب سے پوچھا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ اگر کسی کو اعتراض ہے بھی تو انہیں پروا نہیں۔ اور یہ سب کچھ اتنی اچانک ہوا تھا کہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

صدیق صاحب اور طاہر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے۔ وہ اب زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ اب مومنہ اکیلی نہیں تھی۔ بہتری اسی میں تھی کہ وہ خاموش رہتے۔

''شکریہ خالہ.....''

''جاؤ اللہ کی امان میں دیا.....''

خالہ نے جاتے وقت اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے تو آج تک چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکی تھیں۔ مگر تم آج مومنہ کے لیے انہوں نے جو تھوڑا بہت کیا تھا۔ اس پر وہ مطمئن تھیں۔ مومنہ اپنا مختصر سا سامان اٹھائے ان لوگوں کے ساتھ نکل آئی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ وہاں جا کر صحیح کر رہی ہے یا غلط لیکن اس لمحے بس وہ وہاں سے نکلنا چاہتی تھی اور پھر جن لوگوں نے نکالا وہی عزت سے مان سے لینے آئے تھے تو اس نے بھی اپنا دل صاف کر لیا تھا۔

☆☆☆

''یہ لو بیٹی..... تمہاری امانت..... اب تم سنبھالو انہیں۔''

گاڑی بس تھوڑی دور ہی چلی ہوگی کہ آنٹی نے اپنے بیگ سے وہ کنگن نکال کر مومنہ کی کلائی میں پہنا دیے تھے۔

''مگر آنٹی! وہ سب تو.....''

اس نے جھجک کر وہ کنگن ہاتھ سے اتارنے چاہے تھے وہ تو سمجھی تھی کہ آنٹی نے وہ سب کچھ بس اسے وہاں سے نکالنے کے لیے کہا تھا۔ تو پھر اب یہ.....

''میں نے وہاں جو کچھ بھی کہا تھا۔ وہ پورے دل سے کہا تھا۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو.....''

وہ ماں تھیں بیٹے کی آنکھوں میں اس کی خوشی کا عکس دیکھ لیا تھا۔ پھر کیسے اس کی خوشی پوری نہ کرتیں اور یوں بھی ہادی کے دل نے پہلی بار کسی کو چاہا تھا۔ اس کے ساتھ کی خواہش کی تھی۔ اور پھر مومنہ انہیں بھی بہت عزیز ہوگئی تھی۔ ایسی پرخلوص لڑکی ان کے بیٹے کی زندگی میں آگئی اس سے بڑھ کر انہیں بھلا کیا چاہیے تھا۔ اس لمحے مومنہ کی نگاہیں سامنے اٹھی تھیں۔ جہاں مرر میں نظر آتی بے ریا آنکھوں میں اس لمحے خوشی اور لبوں پر دھیمی سی مطمئن مسکراہٹ تھی۔

''میں نے تمہیں صرف بیٹی کہا ہی نہیں بلکہ مانا بھی ہے اور سچ میں بیٹی بنا کر لے جا رہی ہوں۔ پورے مان اور خلوص کے ساتھ۔ یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ جو ہوا اس پر سب ہی شرمندہ ہیں اور مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی بہت ظرف والی ہے درگزر کر دے گی۔ مجھے یقین ہے کہ میرے گھر اور بچوں کا خیال جیسے تم رکھ سکتی ہو ویسے اور کوئی بھی نہیں سکتا ہے۔ خوش رہو ہمیشہ۔

آنٹی نے اسے خود سے لگا کر دعا دی تو مومنہ نے بھی مطمئن ہو کر سر ہلا دیا تھا۔ جن کنگنوں کی چوری کا الزام اس پر لگا تھا آج وہی پورے حق سے اس کی کلائی میں سجے تھے۔ اللہ نے اسے سرخرو کیا تھا تو وہ دل صاف کیوں نہ کرتی۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہی ہیں مومنہ.....''

وہ لان کی طرف جاتی سیڑھیوں پر برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔ تبھی کوئی دھیمے سے اس کے قریب آ کر بیٹھا تھا۔

''کچھ خاص نہیں.....'' وہ چونک کر سیدھی ہوئی پھر ہولے سے مسکرا کر بولی تھی کہ آنے والا اب اپنی خوشبو سے اپنے آنے کا پتا دیتا تھا۔

''پھر بھی..... خاص نہ سہی کچھ عام ہی بتا دیجیے۔''

www.pakistanipoint.com

ہادی نے اصرار کیا تھا۔ مومنہ کو یہاں آئے دو ہفتے ہونے کو تھے اور اس کے یہاں واپس آجانے سے چیزیں جیسے واپس اپنی جگہ پر آنے لگی تھیں۔ اور اس بار ہادی پہلے سے زیادہ مطمئن تھا۔

''میں آپ کے بارے میں سوچ رہی ہوں کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں اس وقت میرا مطلب ہے کہ.....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں مومنہ کہ اس وقت آپ کے دل میں بہت سے سوالات ہوں گے۔ مگر یقین کریں وقت بہت بڑا استاد ہوتا ہے وہ آپ کو آپ کے ہر سوال کا جواب بہت اچھے سے دے گا اور جہاں تک میری بات ہے تو میرا اس بات پر کامل یقین ہے کہ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے، اس لیے آپ بھی مطمئن ہو جائیں۔ اور اگر یہ میں آپ سے پوچھوں تو۔ آپ کو بھی تو کوئی پرابلم ہو سکتی ہے اس سب سے۔ آپ کی پسند اور مرضی بھی تو اس فیصلے سے ہٹ کر ہو سکتی ہے۔''

اب کہ وہ ذرا سا رخ موڑ کے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جہاں ہمیشہ کی طرح شفافیت تھی اور ہادی کو اس لمحے ان میں اپنا عکس بہت واضح دکھا تھا مگر وہ بس لمحہ بھر کی بات تھی۔ پھر وہ نگاہ جھک گئی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں ڈاکٹر ہادی کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کسی کی کی گئی ذرا سی نیکی کو بھی احسان مانتے ہیں۔ پھر آپ سب تو میرے لیے اپنوں سے بڑھ کر ہیں۔ اگر یہ بات آج سے چھ ماہ پہلے ہوتی تو شاید مجھے کچھ تحفظات ہوتے مگر کسی کو جاننے اور پرکھنے کے لیے چھ ماہ بہت ہوتے ہیں۔ اور آپ تو ہمیشہ میرے لیے چھاؤں بنے۔''

ہاتھ میں تھامے مگ کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتی وہ اس لمحے ہادی کو بہت اپنی اپنی سی لگی تھی۔ پھر ان گزرے تمام دنوں میں مومنہ کو اچھے سے انسانوں کی پہچان ہو گئی تھی۔

''اب پلیز یہ مت کہنا کہ آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گی وغیرہ وغیرہ۔''

اس کے شوخ سے انداز پر مومنہ نے یک دم نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے ہنس دیا تھا۔ اس کی ہنسی بھی اس کی طرح بہت دلکش تھی۔ ٹھنڈی میٹھی سی تھیں۔ وہ نفی میں سر ہلا کر ہولے سے مسکرا دی تھی۔ زندگی میں پر خلوص لوگ بھی اللہ کی نعمت سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ مومنہ نے مان لیا تھا۔

''مگر آپ بہت اچھے ہیں اور مجھ سے کہیں بہتر بہت اچھی لڑکی آپ ڈیزرو کرتے ہیں۔''

اس نے دل میں دبی بات بالآخر اس سے کہہ ڈالی تھی جو وہ کب سے کہنا چاہ رہی تھی۔

''تو آپ میں کیا کمی ہے مومنہ، شکل وصورت، تعلیم، رتبہ، یہ سب اس وقت بالکل صفر ہو جاتا ہے۔ جب انسان میں خلوص نہ ہو۔ وہ بدنیت ہو، منافق ہو، بداخلاق ہو، میں نے کبھی زیادہ کی خواہش نہیں کی۔ پھر بھی اللہ نے ہمیشہ بہترین سے نوازا۔ یوں تو آپ کے بھی کئی خواب ہوں گے پھر.....''

''نہیں میں اس گھر کا حصہ بننے پر خوش ہوں۔ مطمئن ہوں۔''

اس کے یوں گھبرا کر جلدی سے بولنے پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔ وہ کنفیوژ سی بلش کر گئی تھی۔

''میں بھی.....''

ہادی کی شفاف ہتھیلی مومنہ کے سامنے پھیلی تو اس نے جھجک کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا تھا۔ سب سے بہتر چیز ہے عزت، جو ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے تھی۔

''آج سے میں..... میرا گھر آپ کے حوالے..... ذمہ داری قبول ہے نا آپ کو۔''

''پورے دل سے.....''

چھاؤں بن کر دیکھیے خود بھی تپتے صحرا سے محفوظ رہیں گے۔

☆☆

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

راؤ سمیر ایاز

تربیت

میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ "تربیت" کہتے کسے ہیں......

یہ نہیں کہ میں کوئی کم عقل سی، نا سمجھ سی لڑکی ہوں۔ شادی شدہ ہوں، ایک پانچ سال کی بیٹی اور ڈیڑھ سال کا بیٹا ہے، ان کی پیدائش پھران کا خیال، پھر بڑی بیٹی کی اسکولنگ، ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریاں، وہی ایک عام سی خانہ داری والی عورت ہوں...... مگر بحیثیت ایک ماں، میں اب بھی کنفیوژ ہوجاتی ہوں اور پریشان ہوں کہ جس لفظ کی عمومی گہرائی والی بات کی سمجھ تک مجھ میں نہیں ہے تو پھر میں وہ کیسے اپنے بچوں تک منتقل کرسکتی ہوں......

میں اپنے بچوں سے پیار کرتی ہوں، ان کے دن رات کی فکر، بیٹی ایمل بڑی ہے تو اسے سمجھانا کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا نہیں...... کب، کہاں کیسے بات کرنی ہے...... کس کے گھر جاکر کیسے رہنا ہے، اپنے گھر میں ماں باپ کے ساتھ کیسے رہنا ہے...... وہی چھوٹی چھوٹی باتیں، ان پر غصہ، وہی معمولی سا اور کبھی کبھار کی سخت ڈانٹ ڈپٹ...... ہاں ساتھ نرمی بھی پیار بھی...... چلیں جی بات ہی ختم......

اب اور کیا کرنا ہے، ہاں مذہب تو سب سے پہلے اور زیادہ ضروری ہے، وہ بھی پہلے نمبر پر رکھا میں نے۔ تین سال کی عمر سے اس کی اسکولنگ شروع کروائی تو ساتھ ہی ساتھ قاعدے کے ضروری سبق بھی خود سے پڑھانا شروع کردیے اور اب تو پانچ سال کی عمر میں قاعدہ بھی ختم ہونے کو ہے اور چھوٹا آفان...... اسے تو سونے اور رونے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ اسی طرح کسی بھی چیز کی کمی نہ چھوڑتے، ہر بات ذہن نشین کرتی ہوں۔ رات کو جب سارے کاموں سے فارغ ہوتی ہوں تو یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں تربیت میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور میری وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی سوچ...... آخر اس لفظ "تربیت" کے بارے میں معلوم کروں بھی تو کیسے......!

اک گہری سانس لیتے ہوئے میں نے بستر پر کروٹ بدلی۔ نگاہ کا سفر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کام میں منہمک اس شخص کی مضبوط پشت تک گیا اور ہاتھ بے اختیار آنکھوں پر...... یہ میرے شوہر نامدار پروفیسر فرحان صاحب...... جو ہر دوسری تیسری بات پر ٹوکتے تھے۔ جیسے آج پھر ٹوک دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آج پھر میری کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔

"بچوں کے ساتھ ابے اور اوئے سے بات نہیں کیا کرو عزہ! یہ لینگویج کبھی بھی تہذب یافتہ نہیں کہلاتی۔ انسانوں سے ہی معاشرہ ہے اور انسان کی بنیاد میں اگر پہلے سے بدتہذیبی پڑگئی تو معاشرے کی تکمیل کیا ہوگی۔ بہتر انداز سے...... اور ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ میرے بچوں کی تربیت میں کوئی کمی رہے۔"

ان کی بات فرد واحد سے شروع ہوکر کبھی معاشرے اور کبھی معاشرے سے شروع ہوکر فرد واحد پر جارکتی تھی۔

مگر مجھے نہ تو ان کے لیکچرز سے کوئی پرابلم ہے اور نہ ہی ان کی بات سے اختلاف مگر بس اس تربیت کے لفظ نے مجھے بے چین و بے سکون کررکھا ہے......

اب یہ بھی نہیں کہ میں شاخ سے گرا کوئی پتا ہوں، اک خاندان تھا اور ہے میرا......

اندھیرے کمرے میں چند جگنو سے اڑے تھے اور اس دہلیز کی منڈیر پر جا بیٹھے، روشنی پھیلانے لگے تھے جس کے سبب میں وہ بیتا وقت دیکھ سکتی تھی۔ جسے میں پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

☆☆☆

جس خاندان میں، میں نے آنکھ کھولی، وہ ایک جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ مگر جوائنٹ ہوتے ہوئے بھی تینوں خاندان، تین ہزار گز کی زمین پر الگ الگ آباد تھے۔

بلوچی فیملی سے تعلق تھا مگر خالص اردو بولنا اپنے دادا دادی سے سیکھا...... وہ دونوں ہجرت کرکے آئے تھے پاکستان...... مگر اپنی ذات کے لہجے کا خالص پن ساتھ نہ لائے تھے حالانکہ ایران سے ہجرت کی تھی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

انہوں نے...... گھر میں بس دو ہی لوگ بلوچی زبان جانتے تھے۔

بڑے تایا اور چھوٹے تایا کی بیویاں...... جو اتفاق سے بہنیں بھی تھیں اور کیا کمال کی تھیں کہ ایکا نام کو بھی نہ تھا۔

سنا تھا کہ دادی جان سخت خفا ہوتیں خود پر کہ کیا سوچا تھا کہ دونوں بہنیں مل کر رہیں گی مگر نہیں ہوا یہ سب...... ہاں مگر دونوں نے ہمارے ہی لہجے کا رنگ بہت آرام سے چڑھا لیا تھا۔ اب ان کا لہجہ بھی اردو بولنے میں صاف تھا۔

دونوں کے دو دو بچے تھے اور وہ چاروں ہی مجھ سے آٹھ، دس سال بڑے تھے کہ جب بڑے تایا کا سبحان پیدا ہوا تو چھوٹے تایا کی بسمہ پیدا ہوئی اور جب بڑے تایا کے ہاں اجالا آئی تو چھوٹے تایا کے ہاں وقاص......

یوں اس کے بعد اگر کوئی اور آیا تو میں آئی مگر دس سال بعد...... کہ بابا جان کی شادی ان کی شادی کے دس سال بعد ہوئی تھی۔ وجہ دادی جان کی اچانک وفات تھی جس کا اثر بابا جان نے چھوٹے ہونے کے سبب بہت زیادہ لیا تھا، اسی لیے شادی جیسی خوشی کو خود پر جیسے حرام کر رکھا تھا مگر پھر دادا جان نے زبردستی ان کی شادی کروائی تو مجھے دنیا میں آنا ہی پڑا۔

میں اپنے خاندان کی تو اکلوتی لڑکی نہ تھی مگر اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ضرور تھی اور پھر اکیلی بھی کہ وہ چاروں جو مجھ سے بڑے تھے۔ مجھ میں جھجک بھی تھی اور شرم بھی۔

وہ چاروں جب والی بال، بیٹ منٹن اور کرکٹ کھیلتے تھے میں گڑیا اور ٹیڈی بیئر ساتھ رکھ کر سوتی تھی۔

پھر جب میں اسکول کی تیاری میں آئی تو وہ وہاں سے پاس آؤٹ ہو کر کالجز میں پہنچ چکے تھے۔ سو میرا دھیان...... میری سوچ کا مرکز کبھی بھی ان چاروں کی طرف نہیں مڑا اور نہ ہی انہوں نے موڑا۔

اگر دونوں بہنیں (تائیاں) اگر ایک نہیں تھیں تو وہ چاروں بھی کچھ خاص دوست نہ تھے۔

سبحان بھائی اور بسمہ آپی نے دو سال لگاتار انٹری ٹیسٹ دیے تھے اور پھر بھی آگے جا کر دونوں بہن بھائی کو سیلف فائنانس میں داخلہ ملا تھا۔ اجالا آپی کو سوفٹ ویئر انجینئر بننا تھا اور وقاص بھائی کو باہر کے ملک کی ڈگری چاہیے تھی جس کے لیے چھوٹے تایا، تائی نے کمیٹیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ وہ بھی کافی بڑی، جن میں سے ایک ہماری بھی تھی جو امی نے شاید میرے لیے ڈالی ہوئی تھی کہ اچانک ایک دن کمیٹی نکل کر بکھر گئی...... تو معلوم ہوا کہ وہ پندرہ لاکھ سے بھی اوپر کی تھی مگر جس طرح سے وہ بکھری تو لوگوں کے ہاتھ روپے میں سے چار نے ہی ہاتھ آئے تھے۔

لوگوں کا ایک جم غفیر تھا جو گھر پر امڈ آیا تھا مگر معاملہ سلجھ گیا تھا...... مگر امی تو رو ہی پڑی تھیں۔

"تم روؤ مت علینہ! یہ ریحانہ تو شروع سے ہی چالاک اور جھوٹی تھی، ہے تو میری بہن مگر خدا لگتی کہتی ہوں کہ پوری کی پوری عیار ہے۔ اپنے وقاص کے لیے کمیٹی ڈالی تھی اس نے، اپنے بچوں کو پڑھانا لکھانا جو تھا اور ساتھ وقاص کا شوق باہر جانے کا لاکھوں کا خرچا، کہاں سے پورا کرتے۔ اسی لیے یہ گٹھ جوڑ کیا اور اپنا مطلب نکلتے ہی اچانک کمیٹی توڑ دی، اپنی جو نکل گئی تھی...... اس کی اسی چالاکی کی وجہ سے ہی تو میں نے اس کے پاس کمیٹی نہیں ڈالی تھی۔"

"نہیں فرحانہ! ریحانہ نے اس کمیٹی کے پیسوں سے ہی تو لوگوں کا کسی حد تک قرضہ اتارا ہے۔ اس نے ورنہ کہاں سے آتا اس کے پاس پیسہ لوگوں کو دینے کے لیے۔"

علینہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کسی حد تک سادگی اور دکھ سے کہا تھا مگر ان کی بات سن کر ریحانہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ لوگوں کا قرضہ اتارنے کے لیے پیسے کہاں سے آئے تھے...... سو برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی تھیں کہ جو انہیں معلوم تھا وہ علینہ بیگم نہیں جانتی تھیں اور شاید وہ یہ چاہتی بھی نہیں تھیں کہ انہیں معلوم ہو، سو خاموش ہو گئی تھیں۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اور میں کچن سے نکل کر ان کے آگے چائے کا کپ رکھتی وہاں سے چلی گئی تھی کہ مجھے اپنے گرینڈ ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی۔ میں خود ابھی نائنتھ کی اسٹوڈنٹ تھی اور بائیو کے ٹیسٹ سے جان نکلتی تھی مگر یہ باتیں میں نے اتفاق سے سن لی تھی اور سن کر افسوس کرتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''اپنی تعلیم کے لیے، کیریئر کے لیے آگے چل کر مجھے کیا کرنا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ بابا جان جو کہتے میں کر لیتی کہ بابا جان کے کہنے سے مجھ میں خود بخود وہ شوق و لگن آ جاتا تھا۔ یوں میں آسانی سے ہر طرح کی پڑھائی کر سکتی تھی۔ یعنی میں وہ مچھلی تھی جو کسی بھی دریا کے پانی میں اتر کر بھی زندہ رہ سکتی تھی۔ پرامید.....خوش باش.....

اور یہ بات مجھے میرے دادا جان نے کہی تھی جو اچانک ہی ہمارے گھر آ کر رہنے لگے تھے۔

وہ اس طرح سے اچانک آئے تھے کہ میں حیران تھی۔

مگر دادا جان کی مرضی وہ جہاں رہتے اور یہ بھی ان کا ہی گھر تھا۔ امی اور بابا جان نے ان کے آنے پر یہی کہا تھا اور ویسے بھی وہ کافی بوڑھے ہو گئے تھے۔ بابا جان زیادہ تر ان کے ساتھ ہی رہتے اور ان کے ساتھ ہی سو جاتے تھے اور امی وہ تو خوش تھیں بے حد۔ بقول ان کے دادا جان کے آ جانے سے گھر میں ایک الگ ہی رونق آ گئی تھی اور رہی میں، تو میں دادا جان سے کبھی کبھی بے تکلف نہ رہی تھی مگر ایک دن جب میں عصر کی اذان سے پہلے دوا کا شاپر ان کے کمرے میں رکھنے گئی تو وہ سو رہے تھے۔ میں نے بابا کا دیا ہوا شاپر وہیں رکھا اور آ گئی۔

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد جب میں دوبارہ ان کے لیے چائے لے کر گئی تب بھی وہ سو رہے تھے۔ مجھے عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔

ان کا آف وائٹ چادر منہ پر لے کر سونا مجھے عجیب لگا۔ وہ دو گھنٹوں سے ایک ہی پوزیشن میں لیٹے تھے۔

انہیں اٹھاؤں یا نہیں.....اسی ادھیڑ بن میں، میں نے انہیں آواز دی تھی۔

''دادا جان.....'' کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔

''انہیں کیا ہوا ہے؟'' میرا حلق خشک ہو گیا۔

''دادا جان.....'' تھوڑا زور سا پکارا انہیں تو ہلکی سی چادر کے ہلنے پر میری سانس بحال ہوئی۔

''ہاں بیٹا!''

''عصر کا وقت نکل رہا ہے، نماز پڑھ لیں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے، میں دوسری بنا کر لاتی ہوں۔ اس کے بعد آپ کا حقہ بھی تازہ کر دوں گی۔''

میں جلدی سے باہر آ گئی کہ میری آنکھوں میں پانی آ گیا تھا انہیں دیکھ کر.....

''تو کیا مجھے دادا جان سے اتنی محبت ہے کہ ان کے لیے کوئی غلط خیال ہی میری جان نکال کر لے گیا تھا'' آنسو پونچھتے ہوئے میں نے اپنے دل میں دادا جان کی محبت کو پہلی بار محسوس کیا تھا..... ورنہ تو وہ میرے دادا جان تھے۔ مگر وہ اہم بھی تھے میرے لیے.....یہ نیا اور خوب صورت احساس تھا۔

میں نے ان کے پاس ویسے ہی بیٹھنا شروع کر دیا، جیسے کہ بابا جان کرتے تھے.....اور تب میں نے جانا کہ امی بھی تو وقت نکالتی تھیں ان کے لیے۔

''ابا جان اکیلے بیٹھے بیٹھے کہیں گھبرا نہ گئے ہوں۔ میں دیکھنے جا رہی ہوں عزہ! تم ذرا شام کی روٹیاں ڈال لینا۔''

یا پھر.....

''اپنے دادا جان کو دیکھتی رہا کرو عزہ! کسی چیز کی ضرورت نہ ہو انہیں اور بلا نہ سکیں یا دیر ہو جائے تو اچھا نہیں لگے گا انہیں۔''

حالانکہ دادا جان تو کافی سوفٹ نیچر کے مالک تھے، نہ بہت زیادہ غصے والے اور نہ ہی بہت زیادہ نرمی والے.....مگر وہ بہت محبت کرنے والے ضرور تھے۔

www.pakistanipoint.com

سردیاں شروع ہوئیں تو بخار کی وجہ سے میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکل سکی تھی۔ دادا جان کو میں نظر نہ آئی تو انہوں نے شام کو بابا جان سے میرا پوچھا۔

''کیا بات ہے، عزہ نظر نہیں آئی آج.....''

''جی ابا جان! بخار تھا اسے تو دوا کھا کر سوگئی تھی۔''

اور بس..... بابا جان کے بتانے کی دیر تھی کہ وہ اسی وقت اٹھ کر میرے کمرے میں آگئے تھے۔ امی میرے کمرے میں مجھے دوا کھلا رہی تھیں۔ جو مجھ سے کبھی کھائی ہی نہیں جاتی تھی، میں رو پڑی تھی اور اب بھی رو رہی تھی مگر دادا جان نے امی کے ہاتھ سے لے کر مجھے دوا کھلائی تھی۔ میں تو انہیں اپنے کمرے میں ہی دیکھ کر حیران تھی۔ ان کا اصرار و محبت سے دوا کھلانا میرے لیے خوشی و فخر کا باعث تھا۔

''عزہ بیٹا! دوائیں تو بنتی ہی ہم امیر بیماروں کے لیے ہیں اگر ہم نہ کھائیں تو وہ بے چارے غریب کہاں جائیں گے جو انہیں بنا بنا کر ڈبوں میں بند کرتے ہیں۔ دیوالیہ نکل جائے گا ان کا۔''

میرے آنسوؤں کو نرمی و شفقت سے پونچھتے انہوں نے مجھے دوائیں کھلائیں جو میں نے ان کی بات کو سنتے مسکراتے ہوئے نگل لی تھیں۔

اور تب مجھ پر انکشاف ہوا کہ بوڑھے لوگ بہترین دوست ہوتے ہیں۔ غم گسار بھی..... اور بہت بڑے عالم بھی.....

دادا جان کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے لگی تھی۔ ان کی باتیں، بچپن کے، ہندوستان کے قصے، ان کی کہانیاں، جوانی..... شادی..... بچوں کا ساتھ..... سب کچھ..... مگر بڑھاپا شیئر نہ کیا تھا کبھی، سوائے آخری وقت کے.....

وہ اسّی سال کی عمر میں بھی اپنے پیروں پر چل کر جاتے تھے۔ واش روم، وضو، نماز، اپنی عبادات..... بہت خضوع و خشوع سے ادا کرتے تھے وہ، مگر اب کچھ مہینوں سے ان کی چال میں، وجود میں لڑکھڑاہٹ آنے لگی تھی۔ بابا جان جو ویسے بھی ان کے ساتھ ہی سوتے تھے، اب تو مستقل سایہ سا بن گئے تھے اور بابا جان کی غیر موجودگی میں امی جان اور میں بھی.....

''بھئی اب چار کندھوں پر جانے کا وقت ہے بیٹا صادق! تم اب کچھ بھی کرلو۔''

''آپ کا سایہ ہم پر سلامت رہے ابا جان! ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔'' ان کی ٹانگیں دباتے بابا جان نے ان کا بوڑھا، کپکپاتا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا تھا۔

''بالکل دادا جان! ابھی تو آپ نے بھائی سبحان اور بسمہ آپی کی شادیاں بھی تو دیکھنی ہیں۔''

میں نے ان کے لیے لایا دودھ کا گلاس ان کے ہاتھ میں دیا مگر گلاس سے ہاتھ نہ ہٹایا تھا کہ اب ان کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ سو ان کو دودھ پلانے میں، میں مدد دینے لگی تھی۔

اور امی جان جو عشاء کی نماز پڑھ کر اٹھی تھیں، دادا جان کو دیکھ کر مسکرائیں۔

''بھئی، ان دونوں کے بعد تو اجالا کا نمبر ہے۔ سنا ہے بھابھی نے بہت اچھی جگہ رشتہ ڈھونڈا ہے اس کا۔''

جائے نماز تہ لگا کر رکھتے وہ بھی گفتگو میں شریک ہوگئی تھیں۔

''حالانکہ میں تو چاہتا تھا کہ بسمہ کی وقاص سے اور اجالا کی سبحان سے بات طے ہوجائے مگر جوان کے والدین کی مرضی۔''

دادا جان نے تاسف سے گردن ہلائی تھی۔ میں نے خالی دودھ کا گلاس لیا اور کچن میں لے کر جانے لگی تھی کہ بڑے تایا، تائی آگئے تھے۔

میں انہیں سلام کر کے کچن میں آگئی تھی، ان کی چائے وغیرہ کا انتظام کرنے اور جب تقریباً دس پندرہ منٹ بعد واپس دادا جان کے کمرے کی طرف آئی تو ماحول خاصا بدلا ہوا تھا۔ آوازیں کمرے سے باہر آرہی تھیں..... مگر دادا جان کی ایسی غصیلی آواز میں نے پہلی بار سنی تھی۔

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

''کوئی شرم، لحاظ، مروت تم لوگوں میں ہے کہ نہیں.....''

''بابا جان! اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ آپ ہمارے اپنے ہی ہیں۔'' یہ بڑے تایا تھا۔

''ہاں، ابا جان کی جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنے ہو جاتے ہیں میاں۔'' طنزیہ انداز تھا، ابا جان کا۔

''اپنی ماں کو تو تم نے بہت بے وقوف بنالیا۔ کبھی لاکھ لیے، کبھی پچاس ہزار..... کبھی گھر کے خرچ کے لیے کم پڑ گئے۔ کبھی بیماری لگ گئی، کبھی ادھار چڑھ گئے اور وہ جو میرے ایکسیڈنٹ ہو جانے کے سبب میں عمرہ پر نہ جا سکا تو ماں کے ساتھ عمرے پر جانے کے لیے بھی لاکھوں کا قرضہ بھی معاف کروالیا اس بہشتی سے لے کر..... کہ اللہ کے گھر جانا ہے مقروض کیسے جاؤں گا۔ بچوں کی پڑھائیاں، ان کی فیسیں سب کی سب..... اپنی ماں کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگتے رہے۔''

''کیا ہو گیا ہے ابا جان! آپ کو..... ماں تھیں وہ ان کی اور مائیں کیا نہیں کرتیں اپنے بچوں کے لیے۔ اب یوں گانے تو کوئی نہیں گاتا۔'' یہ بڑی تائی کی ناگوار سی آواز ولہجہ تھا۔

''جی فرحانہ بی بی! آپ کے اور آپ کی بہن کے تو کیا ہی کہنے۔ کیسے تمہاری بہن نے سالوں پہلے کمیٹیوں میں خرد برد کر کے لاکھوں میں ہماری صدیوں سے بنائی گئی محلے میں عزت کا بیڑہ غرق کر دیا تھا۔ یاد ہے مجھے..... وہ سارا نقصان بھی میں نے ہی پورا کیا تھا۔'' کیا انکشافات ہو رہے تھے۔

''آپ اس کی کرنی کو میرے ساتھ نہ لگائیں..... آپ سے بات، آپ کے بیٹے کرنے آئے ہیں، میں نہیں..... اور نہ ہی مجھے کچھ چاہیے آپ سے۔'' ان کے لہجے میں بدتمیزی نہیں سرد مہری تھی۔

''اچھا تو جن بچوں کی شادیوں کے لیے پیسہ چاہیے وہ تمہارے کچھ نہیں لگتے بی بی..... اور یہ..... یہ مجھ سے کیا مانگنے آیا ہے۔ ایک ہی چھت، ایک ہی زمین تو بچی ہے، اس کو بھی پار لگانا چاہ رہا ہے۔ جس کے لیے پہلے اس نے میٹھے بول شروع کیے، پھر کھٹے..... اس سے پہلے کہ کڑوے بول بولتا اس زمین کے لیے میں نے وہ گھر ہی چھوڑ دیا..... رہو تم وہاں، میری طرف سے اجازت ہے۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے، ساری زندگی تم پر ہی لٹایا ہے۔ وہ بے چاری تمہاری بہشتی ماں تو بے وقوف تھی مگر میں نہیں ہوں..... جاؤ بھئی یہاں سے..... کچھ نہیں ہے میرے پاس۔''

''ہاں اب تو آپ کہیں گے ہی..... ساری زندگی بیٹھے رہے ہمارے ساتھ، ہر طرح کی خدمت کروائی ہم سے۔ کسی چیز کی تنگی نہ ہونے دی..... اپنی بیویوں تک کو ماسی بنا ڈالا، آپ دونوں کے لیے۔ وہ احسان نہیں مانا ہمارا۔ بس یاد رہا تو اپنا سب کچھ، ہمارا کیا سب بھول گئے..... اب جب زندگی کے آخری دن بچے ہیں تو ہمیں رسوا کرنے یہاں آ گئے مرنے کے لیے.....''

کیسے سفاک..... دل کو چیر دینے والے الفاظ تھے۔ ان فرماں بردار بچوں کے جنہیں آج تک سر اٹھاتے نہ دیکھا تھا میں نے..... مگر اس فرماں برداری کی وجہ شاید پیسہ تھی جو آج نہیں ملا تو سارا چولا ہی اتر گیا تھا۔

اس ماحول میں اب میں چائے اندر نہیں لے جا سکتی تھی جہاں اب بابا جان کی سخت غصے میں بھری آواز آ رہی تھی، جو برداشت نہیں کر سکے تھے۔ ماحول کی تلخی بڑھ گئی تھی۔

اتنی کہ دادا جان اس تلخی کا بار ایک ماہ تک ہی اٹھا سکے اور زندگی سے اپنا معاہدہ پورا کر گئے مگر جاتے جاتے ہمارا سارا گھر خالی کر گئے تھے۔ مجھے تو لگا سب کچھ مٹ گیا ہے۔

دادا جان کا بستر، ان کے پلنگ کے نیچے رکھا۔ ان کا حقہ.....

ان کی جائے نماز..... ان کی تسبیح.....

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ان کا صافہ...... ان کے کپڑے...... ان کی ٹوپی......

یہ سب دیکھتے ہوئے تو ان کے نہ ہونے کا احساس تبھی اور زیادہ ہو رہا تھا۔

ان کا پورا خاندان جمع تھا۔ تینوں بیٹے، تینوں بہوویں...... پوتے، پوتیاں...... ان کے جانے کا غم بہت اہتمام سے منا گیا مل جل کے۔ جو وہ ان کی زندگی میں نہیں دکھا سکے تھے۔ مجھے آج بھی ان کے وہ الفاظ یاد ہیں...... جو انہوں نے تایا تائی کے جانے کے بعد کہے تھے۔

''اولاد بھی کبھی کبھی گدھ بن کے نوچ نوچ کے کھاتی ہے عزہ! ماں باپ تو اس بات کو سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بہترین تعلیم دی، گھر بار دیا...... کوئی تنگی ترشی نہ رکھی۔ پھر ان کے بچوں تک کا بار بھی اٹھالیا خوشی خوشی۔ اللہ کا گھر بھی دکھایا اب...... اب کیا باقی بچا تھا۔ مگر میری یہ اولاد شاید اس نسل میں سے ہیں جنہیں والدین کی سوکھی جڑوں سے بھی ''فیض'' حاصل کرنا آتا ہے۔''

کسی خنجر کی طرح جسم و جاں کو کاٹتے ان لفظوں نے عزہ کو رگید ڈالا تھا اور اب بھی یاد آتے تو اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو نکلنے لگتے تھے اور شاید کوئی سسکاری بھی نکل گئی تھی۔

بالکل ویسی ہی جب اس نے دادا جان کے پلنگ کے نیچے رکھے ان کے جوتوں کو دیکھا تھا، جن کو پہننے والا اب نہیں رہا تھا اور جو یوں رکھی تھیں کہ جیسے دادا جان ابھی آ کر پہن لیں گے۔

''کیا بات ہے عزہ...... تم رو رہی ہو۔''

اندھیرے کمرے میں فرحان کی نیند بھری آواز گونجی تو میں نے دم سادھ لیا۔ وہ کب آ کر سو گئے تھے، مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا لیکن اب ان کے پوچھنے پر کیا جواب دیتی، آدھی رات کو رونے کا...... سو خاموش ساکت لیٹی رہی اور ان کے دوبارہ آواز دینے پر بھی نہیں ہلی تو وہ اپنا وہم سمجھ کر تکیہ سیٹ کرتے واپس لیٹ گئے۔

اور وہ کتنی ہی دیر بوجھل زدہ دل لیے لیٹی رہی پھر تھک کر کروٹ لی تو موبائل یکایک روشن ہوا اور عزہ نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا۔

واٹس ایپ پر بسمہ آپی نے اپنے تیسرے بیٹے کی تصویر شیئر کی تھی۔

بسمہ آپی کی مسکراتی تصویر کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکان آئی اور بے ساختہ اسے یاد آیا کہ کیسے دادا جان کی وفات کے بعد بہت سی چیزیں اپنی جگہ واپس آ گئی تھیں۔ بابا جان جو بڑے تایا تائی سے سخت ناراض ہو چکے تھے مگر دادا جان کے جاتے ہی وہ بھی قدرے نرم ہو گئے تھے۔ مگر اس واقعے کی تلخی شاید بابا جان کے دل سے ختم نہیں ہوئی تھی، اسی لیے انہوں نے اس زمین کے ٹکڑے پر فیصلے کے لیے دونوں بڑے بھائیوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور خود پیچھے ہٹ گئے تھے اور جس کی وجہ سے یہ تلخ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ تو دادا جان کے جانے کے دوسرے ماہ ہی ظہور پذیر ہو گیا تھا۔

بسمہ آپی کی شادی بھی دھوم دھام سے ہوئی اور سبحان بھائی کی بارات بھی بہت شان سے نکلی تھی۔ دلوں اور رشتوں کو بدل دینے کے بعد شادی کے ایک دو سال بعد سبحان بھائی تو لندن پہنچ گئے اپنی بیوی بچوں کے ہمراہ......

رہے وقاص بھائی تو انہیں تو پردیس ہی اب تک راس آ رہا تھا۔ وہ تو گنتی کے دنوں تک ہی پاکستان رکتے تھے اور اجالا آپی وہ سوفٹ ویئر انجینئر تو نہ بن سکیں مگر ایک کامیاب بینکر ضرور بن گئی تھیں اور وہ دونوں بھی شادی شدہ تھے۔

ان کے بعد ایک میں ہی تھی جس کی شادی بابا جان اور امی جان نے بی ایس سی کرتے ہی کر دی تھی اور میں فرحان صاحب کی بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے کر بے حد مشکل میں آن پھنسی تھی...... وجہ تھی تربیت......

اک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے موبائل واپس رکھا کہ اس کے ڈیڑھ سالہ بیٹے آفان کا جھولا

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

ہل رہا تھا۔

جھولے کی زنجیر کو ہاتھ میں لیتے وہ اسے ہلکے ہلکے جھولے دینے لگی۔

''نہ جانے کب میری مشکل آسان ہوگی یا اس کا کوئی حل بھی ہوگا یا نہیں.....''

جھولا ہلاتے یوں ہی سوچتے سوچتے وہ نہ جانے کب سوگئی مگر نہیں جانتی تھی کہ کل صبح اس کے اس مسئلے کا حل جواب کی صورت اس کے دروازے پر آن موجود ہوگا۔

☆☆☆

''عزہ! میں آج ذرا دیر سے گھر آؤں گا۔ کچھ میٹنگز ہیں پیپرز کے حوالے سے بورڈز کے ساتھ۔''

فرحان ناشتا کر کے اٹھے تو مجھے مطلع کر دیا تھا کہ کہیں میں ان کے دیر سے آنے پر پریشان نہ ہو جاؤں اور جسے ایمل نے بہت غور سے سنا تھا۔

''ماما..... میں بھی آج لیٹ ہو جاؤں گی۔''

دودھ کا گلاس واپس اس نے سامنے رکھا تو میں آفان کو سیریلیک کھلاتے چونکی تھی۔

''کیوں بھئی؟'' فرحان کے ہی اسٹائل میں اپنے بے بی کٹ بالوں کو سیٹ کیے، وہ ہماری ٹام ٹوائے بیٹی تھی کہ وہ فرحان کو بہت کاپی کرتی تھی۔ وہی بیٹیوں کا آئیڈیل ان کا باپ ہونا..... مگر وہ تو موقع دیکھ کر جملے بھی پکڑ لیا کرتی تھی۔

میں نے پیار سے اس کے سلکی بال سیدھے کیے جو پھر ماتھے پر آ گئے مگر جنہیں اس نے واپس ایک سائیڈ پر کیا یعنی صحیح کیا.....

میں بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''میرا آج اسپورٹس ڈے ہے ماما! تھری اے ایم فنش ہوگا۔ میں بھی سلیکٹڈ ہوں ناں۔''

''چلو جی۔ ٹھیک ہے۔ میں ابھی آپ کے پاپا کو کہتی ہوں کہ وہ آتے ہوئے ایمل کو لیتے آئیں۔ او کے۔''

''او کے۔'' وہ مسکرا کر دودھ کا گلاس اٹھا کر پینے لگی اور میں نے آفان کا چہرہ صاف کر کے اسے واکر میں چھوڑا ہی تھا کہ گھر کے دروازے پر بیل ہوئی۔

اتنی صبح صبح تو عموماً کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ میں دروازے کی طرف بڑھتے فرحان کو دیکھتے سوچ رہی تھی کہ.....

''امی جان..... بابا..... آپ اس وقت۔''

دروازے کو کھولتے ہی فرحان کی حیرت بھری بے یقین آواز پر میں بے چین سی آگے بڑھی اور سامنے امی جان کے ساتھ بابا جان کو بھی دیکھ کر دل کو حیرت کے ساتھ ساتھ بے پایاں خوشی نے بھی چھو لیا تھا۔

''بابا..... امی.....'' میں تو فوراً بابا کے گلے لگی تھی جو میری شادی کے بعد کبھی یوں اس طرح اچانک میرے گھر نہیں آئے تھے کیونکہ پہلے تو وہ سرکاری ملازم تھے اور دوسرے چھٹی کو حرام سمجھتے تھے لیکن اب پچھلے دو سال سے ریٹائرڈ تھے مگر آنے جانے کے معاملے میں اب بھی ایسے ہی تھے۔ ہاں امی ضرور آئی تھیں، خاص کر ایمل و آفان کی پیدائش پر۔

''امی..... آئیں ناں آپ دونوں۔'' فرحان مسکراتے ہوئے ان کا سامان اٹھاتے انہیں اندر لائے تھے۔

ایمل اسکول یونیفارم میں تیار تھی اور فرحان کو بھی دیر ہو رہی تھی، سو وہ دونوں ہی ان لوگوں سے مل کر اور جلد آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے اور میں فٹافٹ انہیں فریش ہونے کے لیے بھیج کر ان کا من پسند ناشتا بنانے لگی کہ وہ لمبا سفر طے کر کے آئے تھے اور ناشتا کرتے، ہلکی پھلکی بات چیت کرتے، پہلے بابا کمرے میں چلے گئے۔ آرام کرنے اور پھر امی جان بھی..... مگر جاتے جاتے وہ آفان کو میرے منع کرنے کے باوجود بھی ساتھ لے گئی تھیں کہ وہ سونے کے لیے تنگ کر رہا تھا۔

وہی ماؤں کا اپنی بیٹیوں کا خیال کرنا۔ میں یہی سوچتے جلدی جلدی گھر کی صفائی اور دوسرے کام

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

کرنے کے ساتھ ساتھ دوپہر کے کھانے کا بھی سوچنے لگی تھی۔ جب میرے ذہن میں کچھ کھٹکا تھا مگر کیا؟

میں صاف کرتے چاولوں کو وہیں سلیب پر چھوڑتی باہر آئی تو نگاہ لاؤنج میں رکھے سامان پر گئی۔

ایک بڑا سا فل سائز اٹیچی کیس تھا جو فل تھا اور ساتھ ایک سفری بیگ اور کچھ شاپرز کے ساتھ..... اور ''خاص'' بابا جان کا وہ سرکاری بیگ جو وہ کبھی بھی کہیں پر بھی نہیں لے کر جاتے تھے پھر اس طرح میرے گھر کیسے لے آئے تھے۔

میرے دل کو بے اختیار گھبراہٹ نے آن گھیرا تھا۔

ہوتے ہیں ناں آپ کے ساتھ، آپ کی ذات سے منسلک کچھ خاص چیزیں جو جہاں آپ جاتے ہیں، ساتھ رکھتے ہیں۔ جیسے میرے دادا جان کا حقہ..... جو وہ جہاں بھی جاتے تھے، ساتھ رکھتے تھے اور جیسے فرحان کی دادی مرحومہ کا پاندان جو وہ ہمہ وقت اپنے ساتھ ہی رکھتی تھیں۔

ایسا ہی کچھ میرے بابا کا معاملہ تھا اور بات تو یہ بھی تھی کہ بابا جان کبھی بھی بلاوجہ گھر کو خالی نہیں چھوڑتے تھے..... تو اب ایسا کیا ہوا۔

جو بابا جان کو گھر چھوڑ کر آنا پڑا تھا۔

بے حد سست ہوتے دل کے ساتھ وہ بابا جان کا بیگ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی، جب کوئی اس کے برابر آ بیٹھا تھا۔

''عزہ بیٹا.....'' اس نے آہستہ سے گردن ہلائی اور امی کو دیکھتے ہی وہ جیسے وہی عزہ بن گئی جس نے ان کے ساتھ اک لمبا عرصہ گزارا تھا۔

''امی..... بابا جان.....'' پیشانی پر پسینہ اور چہرے پر گھبراہٹ لیے وہ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح بیگ کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ علینہ بیگم کو بیک وقت اس پر ترس بھی آیا اور پیار بھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوا عزہ! جو پریشان کن ہو۔ بس ہم نے وہ لاہور والا گھر بیچ دیا ہے اور یہاں کراچی میں تمہارے قریب ہی گھر لے لیا ہے چند ماہ پہلے اور ایک دو دن میں سامان بھی پہنچ جائے گا سارا۔'' امی نے انکشاف کرتے ہوئے اس کے سینے سے لگا بیگ لیا اور بہت اطمینان و سکون کے ساتھ سامنے میز پر رکھ دیا اور وہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔

''لاہور والا گھر بیچ دیا..... وہ جو ہمارا..... بابا جان کا آبائی گھر تھا..... بٹوارہ تو ہو چکا تھا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ سیٹ تھے۔ دادا جان نے اپنی زندگی میں ہی جائیداد کا فیصلہ کر دیا تھا۔ سوائے اس زمین کے ٹکڑے کے جس میں سے بابا جان نے کچھ بھی نہ لینے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ پھر اس طرح گھر کو کیوں بیچ دیا۔''

اسے لگا کہ اس بے یقینی سے اس کی سانس ہی رک جائے گی۔ سارا جوش، ساری خوشی کہیں جا سوئی۔

بابا جان کا سنجیدہ و اداس چہرہ بھی اسے اب یاد آیا، کتنے خاموش تھے وہ..... جسے اس نے سفر کی تھکن سے تعبیر کیا مگر وجہ تو یہ تھی۔

''امی مجھے بتائیں یہ سب کیا پہیلی ہے، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا اور اتنا سب آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

''بس بیٹا! زندگی میں انسان کو بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے، سننا سمجھنا اور عمل بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

بڑے بھائی اور بھابھی جان نے کیا کچھ نہیں کیا بسمہ اور سبحان کے لیے۔ اچھا کھلایا، اچھا پڑھایا کہ ان کی لائف بن جائے..... بڑے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ آئے۔ ان کے کیریئر کو بنانے کے لیے بے تحاشا پیسہ لگایا..... بلکہ پانی کی طرح بہایا۔ پھر بسمہ کی ڈاکٹر بننے کے بعد شادی کی۔ سبحان بھی ڈاکٹر بنا۔ شادی کر کے باہر سیٹ ہو گیا مگر پھر نہ جانے کیسے اور کیوں وہ دونوں ہی اپنی اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہونے لگے۔

بسمہ آ کر روز رونے لگی کہ وہ بچوں کی اور اپنی ضروریات کو، ان کی پڑھائیوں کے خرچوں کو پورا

www.paksitanipoint.com

کرنے میں ناکام ہو رہی ہے حالانکہ اس کا شوہر اچھی خاصی نوکری کرتا ہے ملٹی نیشنل کمپنی میں۔ لاکھ، ڈیڑھ لاکھ کماتا ہے۔ دونوں بیٹا بیٹی اچھے اسکولوں میں ہیں مگر عجیب سی کمی کا احساس ہونے لگا اسے اور یہی حال سبحان کا ہوا..... وہ بھی باہر بیٹھا رو رہا تھا کہ میں یہاں نیویارک میں ڈاکٹر ہونے کے باوجود، کسی کمپنی میں سپروائزر ہوں..... وہاں رہنے کے لیے اور وہاں کی زندگی سے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے اسے روپوں کی ضرورت ہے اور ساتھ کلینک کھولنے کے بھی رقم چاہیے۔

اتنی شدت سے دونوں نے اپنے رونے روئے کہ بھابھی جان نے گھبرا کر دونوں کو ہی اپنی ساری جمع پونجی جو بچی تھی دی..... مگر.....''

وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئیں اور وہ حق دق انہیں دیکھے گئی۔

''مگر وہ رقم بھی دونوں کے لیے ناکافی ہوئی تب انہوں نے جائداد میں سے حصے کا مطالبہ کر دیا۔''

عزہ کو لگا کہ امی کے لفظوں کی داستان کسی پانی کی بوچھاڑ کی مانند اسی پر پڑ رہی ہے اور وہ بے حد بھاری ہوتی جا رہی ہے۔

''پھر تایا، تائی نے کیا کیا؟''

''کیا کرنا تھا بیٹا..... کر دیا ان کا مطالبہ پورا۔''

''چھوٹے تایا تائی نے ان کی مدد نہیں کی۔''

عزہ نے عجیب سی بات کی اور امی جان اس کی بات پر مسکرا دیں۔ عجیب مسکراہٹ تھی.....

''اولاد تو بیٹا انہوں نے بھی پالی تھی اور وقاص باہر کسی کمپنی میں ایک بہترین انجینئر تھا مگر باہر اپارٹمنٹ خریدنے کے لیے اس نے اجالا کی ضمانت پر اجالا کے ہی بینک سے لون لے لیا اور خود اجالا بھی وقتاً فوقتاً بینک سے لون لیتی رہی تھی اور ادا کرتی رہتی تھی مگر وہ بھی کسی نہ کسی حد تک مقروض تھی بینک کی مگر وقاص نے تو اپنا نام بچا کر اجالا کو استعمال کیا اور بہت خاموشی سے بنا لون بھرے غائب ہو گیا۔ اجالا کو بینک کی نوکری سے بھی ہاتھ دھونے پڑے اور ساتھ ہی جیل بھی ہو گئی اسے.....

تمہارے چھوٹے تایا تو غصے سے ہی پاگل ہو گئے تھے۔ سگے بھائی نے بہن کے ساتھ ہاتھ کر دیا تھا۔ لاکھوں کا بھی نہیں کروڑوں کا قرضہ تھا جسے اتارنے کے لیے انہوں نے اپنا گھر بیچ دیا اور سڑکوں پر آ گئے مگر پھر بھی قرضہ اتارنے میں ناکام تھے۔ تمہارے بڑے تایا کے پاس تو ویسے بھی کچھ نہ چھوڑا تھا ان کی اولاد نے۔ اپنے چھوٹے بھائی کی مدد کرتے۔ ایک تمہارے بابا جان ہی بچے تھے، سو انہوں نے گھر کو بیچ دیا۔''

امی مسکرا رہی تھیں مگر ان کی مسکراہٹ میں ایک یاسیت بھی تھی کہیں..... وہ جہاں شادی ہو کر آئیں، ساری زندگی گزار دی تھی۔ میرا بچپن، جوانی پھر شادی..... کیا کیا یادیں وابستہ تھیں اس گھر سے ان کی..... میری..... عزہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''امی! آپ نے بابا جان کو گھر کیوں بیچنے دیا۔''

''روکیوں رہی ہو عزہ! یہ ضروری تھا بیٹا۔''

انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے اور وہ ان کی انگلیوں کا لمس پاتے ہی اور شدومد سے رونے لگی۔

بے شک وہ اس کا گھر نہیں رہا تھا شادی کے بعد..... مگر وہ اس کا گھر کبھی تو رہا ہی تھا..... اور پھر ماں باپ کی دلی وابستگی کا دکھ اپنی جگہ تھا۔

''میں نے بھی وہاں زندگی گزاری ہے عزہ! کبھی کبھی زندگی میں رشتوں سے زیادہ بے قدری اور ناپائیدار چیز کوئی نہیں لگتی۔ جب کہ وہ بے حسی پر ہو..... مگر ان ہی رشتوں سے منسلک ہوتے ہم انہیں توڑ بھی نہیں پھینک سکتے ورنہ ماں باپ، بہن بھائی جیسا رشتہ نا باپ نہیں کہلاتا..... چوٹ بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ پھر ایسے میں، میں تمہارے بابا جان کو ان کی جڑ سے نکال کر نہیں پھینک سکتی تھی۔ وہ بھائی تھے ان کے..... پھر ان کی بیٹی کی ایسی سخت آزمائش، میں ان کا ساتھ نہ دیتی تو گناہ گار ٹھہرتی بیٹا۔ اور نہ ہی میری

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

تربیت ایسی تھی اور نہ ہی فطرت کہ تمہارے بابا جان کو روکتی..... سو اب تم بھی اس طرح مت روؤ۔'' انہوں نے اسے گلے لگا لیا تھا۔

''اور پھر اللہ کا کرم ہے بیٹا کہ ہم بے گھر نہیں ہیں۔ تمہارے بابا جان کے ریٹائرمنٹ کے پیسوں سے یہاں اپنا گھر لے لیا ہے۔ وہ بھی تمہارے گھر سے قریب ہی، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہم تمہارے پاس ہی آ گئے ہیں۔''

وہ اس کی پشت تھپک رہی تھیں، اسے دلاسے دے رہی تھیں اور عزہ ساکت سی ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

ابھی ان کے منہ سے اک خاص لفظ کو سنا تھا اس نے..... لفظ ''تربیت''.....

جس نے اس کے دکھ کو، غم کو گھٹا کر رکھ دیا تھا۔

کب، کہاں اور کیسے موقع پر اسے اس لفظ کے مطلب و معنی سمجھ میں آئے تھے۔

اس سے منسلک دو اہم خاندانوں کے گھر کے عروج و زوال نے اس ایک لفظ کی پوری تشریح کر ڈالی تھی۔

بڑے تایا اور تائی نے دادا جان کے ساتھ جو زمین کے بیچ جانے والے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے لیے کیا تھا، وہ تو ان کی لالچی و حریص فطرت تھی کہ جس کا منہ اژدھے کی مانند تھا، سب نگل کر بھی خالی پیٹ..... اور انہوں نے یہ تمام عمل چھپ کر..... اپنے بچوں سے پردہ پوشی کرتے نہیں کیا تھا کہ وہ خود کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ وہی دادا جان کے دل کو چھوتے الفاظ..... ''میری یہ اولاد شاید اس نسل میں سے ہے جنہیں والدین کی سوکھتی جڑوں سے بھی ''فیض'' حاصل کرنا آتا ہے۔''

اور یہ ''فیض'' انہوں نے حاصل کیا اور ان کے بچوں نے سیکھا..... اور یہی عمل چھوٹے تایا، تائی نے اپنے بچوں کے سامنے کیا، کمیٹیاں ڈالیں اور اپنا کام و مطلب پورا ہونے کے بعد ہاتھ جھاڑ لیے کہ ان کی پشت (دادا جان کی وجہ سے) مضبوط تھی۔ سو ان کی اولاد بھی پشت پناہی کے منفی اثرات کو خود پر لاگو کرنے سے کیسے چوکتی۔

انسان کے اعمال ہی منتخب ہو کے اس کی سزا و جزا بنتے ہیں۔

اور ماں باپ کے کیے گئے عمل ہی بچوں کے لیے تربیت گاہ ہوتے ہیں۔

ورنہ دنیا میں آنکھ کھولنے والا بچہ تو مٹی کے گارے جیسا ہوتا ہے جس کی نہ تو کوئی ہیئت ہوتی ہے نہ شکل..... ماں باپ کے اعمال ہی اس کی شکل و ہیئت کو منتخب کرتے ہیں..... پھر اس کی شخصیت کو بناتے ہیں، اسے مکمل کرتے ہیں..... جسے لوگ ''تربیت'' کا نام دیتے ہیں۔

لیکن سچ تو یہ بھی ہے کہ کوئی بھی ماں باپ اپنے بچوں میں منفی اثرات کو فروغ پاتے نہیں دیکھ سکتے۔

عزہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی مشکل ''حل'' ہو گئی ہے یا اک نیا بوجھ اس پر آ گیا ہے۔

عزہ کو یاد آیا ایمل کی اپنے باپ کی نقل کرنے کی عادت..... اور وہ خود کہاں تھی جسے عزہ صادق کہتے ہیں۔ کیا اس میں ایسی کوئی عادت نہ تھی کہ جسے ایمل کا دل کرتا کاپی کرنے کو..... جیسے اس کی ماں نے کیا۔

نہیں..... وہ اپنی بیٹی کے لیے سزا نہیں بنے گی..... جزا بنے گی۔

اس کی تربیت کے لیے اسے اپنے اعمالوں پر نظر کرنا پڑے گی لیکن ایک بات وہ جان گئی تھی کہ جیسے اس کی ماں کی تربیت میں ساتھ و ہمیشگی کا احساس ہے..... اسے بھی ایسے ہی احساس میں گھرنا ہوگا اور وہ ایمل کو بھی یہی احساس ساتھ دے گی۔ زندگی میں آگے جینے کے لیے..... تاکہ کل کو وہ بھی اپنی ''تربیت'' کے ساتھ ساتھ اپنی فطرت پر بھی ایسے ہی ناز کرے جیسے آج اس کی ماں نے کیا..... اور جو ناز اسے آج اپنی ماں پر ہوا.....

☆☆

Nagar Azeem www.pakistanipoint.com

ماریہ نواز

سفر

سفید ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس پندرہ سال کا وہ لڑکا اسکاش کھیل کر اپنے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اور داخل ہوتے ہی اس کے کانوں سے وہی آوازیں ٹکرائی تھیں جو بچپن سے اُس کی سماعتوں میں زہر گھولتی آئی تھیں یا یوں کہیے اُس کے بچپن میں زہر گھولتی آئی تھیں۔

غصہ میں چنگھاڑتا اُس کا باپ، کبھی تھپڑوں کی آوازیں، کبھی صرف اُس کی ماں کی سسکیاں اور دبی دبی چیخیں۔ کبھی کبھی اُس کا دل کرتا تھا، بھاگ جائے یہاں سے۔ پہلے یہ منظر اُس کے دل میں صرف خوف جگاتا مگر جیسے جیسے وہ بڑا ہو رہا تھا غصہ خوف کی جگہ لینے لگا تھا۔ وہ تیزی سے اندر بڑھا تھا۔ سامنے سیڑھیوں کے اُوپر وہ دونوں کھڑے تھے۔ اُس کی ماں کے بال اُس کے باپ کے شکنجے میں تھے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکا تھا۔

''بس بابا!'' وہ پہلی بار اپنے باپ کے سامنے چیخ کے بولا تھا مگر شاید دیر ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں کسی اور سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

وہ کہہ رہا تھا۔ عائشہ کو لگا اس کے پیروں تلے زمین سرک گئی ہو اور وہ اپنے محور سے منقطع ہو کر خلاء میں معلق ہوگئی ہو۔ اس کی محبت محور ہی تو تھی اُس کی زندگی کا۔

''سوری! میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہی سچ ہے، ہم ایک دوسرے سے بہت الگ ہیں۔''

وہ توجیہات پیش کر رہا تھا۔ الفاظ میں کچھ شرمندگی سہی مگر لہجہ سپاٹ تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اُس کا گریبان پکڑتی، اُس سے سوال کرتی، محبت کی اس ڈگر پر اُسے ڈالنے والا وہی تو تھا۔ وہی تو اپنے ساتھ کا یقین دلا کر اُسے اس مقام پر لایا تھا۔ مگر اُس نے جواب نہیں مانگا تھا۔ کانپتے لبوں سے الفاظ تو نکل کر نہیں دے رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر بہتی

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

مکمل ناول

آنکھوں میں التجاء لیے وہ سراپا سوال بن گئی تھی۔ مگر محبت بھیک میں کہاں ملا کرتی ہے؟ وہ تو بے وقعت ہوگئی تھی ایک بار پھر سے۔ یہ تو صرف شایان کی محبت تھی جس نے اُسے معتبر کیا تھا، ورنہ تو جب سے آنکھ کھولی تھی خود کو زمین پر بوجھ ہی محسوس کیا تھا۔

وہ بہت چھوٹی تھی جب دادی کو کسی کلموہی کو کوستے سنا تھا۔ جو اُن کے بیٹے کو برباد کر کے، بڑھاپے میں اُن کے سر پر چھوٹی سی بچی کی ذمہ داری تھوپ کر اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ آہستہ آہستہ سمجھ میں آیا کہ وہ کلموہی اُس کی ماں تھی، جو شادی سے پہلے کسی اور کو پسند کرتی تھی۔ گھر والوں کے دباؤ میں آکر شادی تو کرلی مگر نباہ نہ سکی۔

اُس کے باپ نے دل برداشتہ ہوکر پردیس کی راہ لی تھی۔ اور وہ اُن لوگوں کی ذمہ داری بن گئی تھی، جن کی ذمہ داری وہ بنتی نہیں تھی۔

جب تک دادی زندہ رہیں ایک ٹھکانا رہا، وہ ڈانٹتی تھیں، کوستی تھیں، مگر وہ اُس کی 'اماں' تھیں۔ سو کچھ بچپن بھی تھا، کچھ من مانی بھی تھی۔ وہ اسے کبھی پیار سے کبھی ڈانٹ کے سمجھاتی رہتی تھیں کہ اُسے شرارت نہیں کرنی، شایان اور شاہانہ کی طرح کسی بات پر ضد نہیں کرنی، کپڑے گندے نہیں کرنے، تائی اماں کو برا لگے گا۔ اُسے اُن کی ہر بات ماننی ہے تاکہ وہ اُس سے خوش رہیں۔ حالانکہ خود وہ اکثر اس کی خاطر اُن سے لڑتی جھگڑتی پائی جاتی تھیں۔ اُس کو قریب کے ایک سرکاری اسکول میں ڈال دیا گیا تھا کہ قریب ہے۔ دادی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ ابھی چھوٹی ہے۔ مگر وہ دوسری میں آئی تو دادی کو رہ رہ کے خیال آنے لگا کہ وہ کیوں شایان اور شاہانہ کی طرح اچھے اسکول میں نہیں جاتی؟ اُن کے بڑے اصرار پر اُسے بھی اُس اسکول کا ٹیسٹ دلایا گیا جو وہ پاس نہ کرسکی۔ اُس دن دادی کتنا لڑی تھیں۔ تائی امی سے۔

''کتنا کہا تھا میں نے تجھ سے رقیہ کہ تیاری کرادے اس کی تھوڑی، بڑی چھوٹے دل کی ہے تو کم ذات۔ لفافے بھر بھر کے پیسے بھیجتا ہے اس کا باپ۔'' وہ تائی کو کوستے ہوئے بولی تھیں۔

''تو نہ بھیجا کرے، خود آکر اپنی بیٹی سنبھالے۔ ہمیں نہیں چاہئیں لفافے۔'' تائی نے تنک کر جواب دیا تھا۔ اور نجانے کیا ہوا تھا دادی خلاف توقع چپ ہوگئی تھیں۔ اُس رات تایا ابا کو کہہ کر اُنھوں نے اس کے ابو کو بحرین فون لگوایا تھا۔

''یا خود آجاؤ نوید، یا اِسے ساتھ لے جاؤ! میں نہیں اٹھا سکتی یہ ذمہ داری۔'' وہ کہتے ہوئے رو پڑی تھیں۔ مگر عائشہ اُن کی بات سن کر کتنی پریشان ہوگئی تھی۔ وہ اپنی اماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی اُس نے رات کو اُن کے ساتھ لیٹ کر اُنہیں اپنا حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ مگر صبح اٹھی تو پتا چلا کہ اماں ہی جا چکی تھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اماں چلی گئیں، مگر اُن کے جانے کے بعد ان کے پڑھائے سارے سبق خود بخود یاد آنے لگے۔ تائی اماں نے اُسے کبھی نہیں مارا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ وہ اُس پر غصے سے چلائی ہوں۔ وہ اُن کے ماتھے کے بلوں سے اندازہ لگا لیتی تھی کہ اُن کو کیا ناگوار گزرا ہے۔ بریک ٹائم میں سب بچے کھیلتے، مگر وہ ایک کونے میں بیٹھی رہتی کہ کپڑے گندے نہ ہو جائیں۔ اپنی چیزیں خود سنبھال کر رکھتی، تائی امی کی ایک آواز پر حاضر ہو جاتی۔ شایان یا شاہانہ اُس کی کوئی چیز چھین لیتے یا اُس کی پٹائی کر دیتے تو وہ اُونچی آواز میں یا کسی کے سامنے نہیں روتی تک نہیں تھی۔ کیونکہ اِس سے تائی امی کی بدنامی کا اندیشہ تھا۔ ایک تو وہ پرائی اولاد پال رہی تھیں۔ اُوپر سے بدنامی بھی سہتیں؟ وہ اکثر تایا ابو کے سامنے اضافی ذمہ داری کا رونا روتیں۔

جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اُس نے زیادہ سے زیادہ اُن کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ تائی امی گورنمنٹ اسکول میں پڑھاتی تھیں سو گھر میں اُنہیں کافی مدد درکار ہوتی تھی۔ جوں جوں اُس نے گھر کے کاموں میں زیادہ حصہ لینا شروع کیا، تائی امی کے ماتھے

www.pakistanipoint.com

کے بل گھٹنے لگے۔ یوں بھی اُس کے سکول کی پڑھائی شایان اور شاہانہ کی طرح سخت نہیں تھی۔ وہ کم پڑھ کر بھی پاس ہو جایا کرتی تھی۔ کھیل کود میں اُسے یوں بھی دلچسپی نہیں تھی۔ شوق تو اُس کا صرف ایک تھا، خوب صورت گھر، خوب صورت کمرہ، خوب صورت باغیچہ۔

وہ تب کوئی سات سال کی ہو گی، اماں ابھی زندہ تھیں، جب اُس نے ایک رسالے میں ایک باربی تھیم بیڈ روم کی تصویر دیکھی تھی اُف! کتنا پیارا کمرہ تھا۔

''میرے ابو کے پاس بہت سارے پیسے ہیں؟'' اُس نے دادی سے پوچھا تھا۔

''ہاں، تمہیں چاہئیں کیا؟'' دادی ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

''آپ اُن سے کہیں، مجھے ایسا کمرہ بنا کر دیں۔'' وہ انہیں تصویر دکھاتے ہوئے بولی تھی۔

دادی تو اُس کی فرمائش پوری کرنے سے پہلے چلی گئیں، مگر وہ چشمِ تصور سے اکثر خود کو اپنے ابو کے گھر میں دیکھا کرتی، بالکل ویسے ہی کمرے میں۔

پھر ایک دن اُس نے تائی امی کو ایک رشتے دار خاتون سے بات کرتے سنا۔

''سنا ہے نوید نے دوسری شادی کر لی ہے؟ اچھا کیا کب تک سوگ مناتا، بیٹی کو اب ساتھ لے جائے گا کیا؟''

''اللہ کرے لے ہی جائے، جان چھوٹے ہماری، پر لگتا نہیں ہے۔'' تائی امی نے بیزاری سے کہا تھا۔ مگر عائشہ کو لاشعوری طور پر انتظار سا رہنے لگا تھا۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرا یہ خوش گمانی مدھم پڑنے لگی۔ پھر ایک دن اُسے اپنا بھائی دنیا میں آنے کی خوش خبری ملی، اُس دن یہ موہوم سی اُمید بھی دم توڑ گئی۔ اُس کی محدود سی عقل میں بھی یہ بات آ گئی تھی کہ اُس کے باپ کے گھر میں اُس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

مگر خوب صورت گھر کا، خوب صورت کمرے کا شوق دل سے کبھی نہ گیا۔ وہ رسالوں، اخباروں سے تصویریں کاٹ کر اپنے پاس جمع کرتی تھی۔ انٹرنیٹ اُس کو یوں عام میسر تو نہ تھا، مگر کبھی کبھی شاہانہ اپنی الماری ٹھیک کرنے یا کوئی اور کام کرنے کے انعام کے طور پر اُسے اپنا کمپیوٹر استعمال کرنے کی اجازت دے دیتی، تو وہاں بھی اُس کا یہی کام ہوتا۔

ابھی بھی وہ کافی کپڑے استری کر کے فارغ ہوئی تھی۔ کل فزکس کا ٹیسٹ تھا اور کافی پڑھنا تھا اُسے۔ مگر پہلے اُس نے بیگ سے نئی گلو کی بوتل نکال کر وہ تصویریں اپنی ''بیوٹی فل انٹیریرز'' بک میں پیسٹ کی تھیں جو اُس نے پرسوں سے کاٹ کر رکھی ہوئی تھیں۔ پھر ایک نظر پوری بک دیکھی تھی، اور اس کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تائی امی نے چائے بنانے کے لیے اسے آواز دی تھی۔

پڑوس کی فرحانہ خالہ آئی ہوئی تھیں۔ وہ چائے لے کر گئی تو وہ صحن کی دیوار پر لگے اس کے ''شاہکار'' کو دیکھ رہی تھیں۔ پرانی لکڑی کی جالی کو پینٹ کر کے اس نے دیوار پر ٹانگا تھا، پھر اس پر چھوٹے چھوٹے گملے لٹکائے تھے۔ جب وہ پچھلی بار آئی تھیں تو وہ یہ کام کر رہی تھی۔ اب تو گملوں میں پھول آ چکے تھے۔

''بڑا اچھا لگ رہا ہے۔'' اُنھوں نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے تعریف کی تھی۔ وہ سن کر خوش ہو گئی تھی۔ تعریف بھی اُن آسائشوں میں سے تھی جو اس کے لیے کمیاب تھیں۔

''ہاں بس اِن ہی چکروں میں لگی رہتی ہے یہ۔ تبھی تو پڑھائی میں یہ حال ہے۔ میرے بچوں کو تو پڑھائی کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔'' انہیں اس کی یہ غیر نصابی سرگرمیاں زیادہ بھاتی تو نہیں تھیں۔ مگر اُنھوں نے کبھی منع بھی نہیں کیا تھا۔ ایک تو اِن سرگرمیوں کی وجہ سے اُن کی جی حضوری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔ پھر جو وہ کرتی تھی سب اپنے محدود سے جیب خرچ ہی سے کرتی تھی اور پھر گھر بھی تو ان ہی کا اچھا لگتا تھا۔ ہاں مگر ہر آنے جانے والے کو یہ ضرور بتاتی تھیں کہ یہ شوق ہی ہے۔ اس کی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

نالائقی کی وجہ۔

چائے دے کر وہ پھر پڑھنے بیٹھی تھی۔ مگر ابھی آدھا گھنٹا بھی نہیں ہوا تھا کہ پھر تائی امی کی آواز آئی تھی۔

''عائشہ تمہارے تایا حلیم کا کہہ رہے ہیں۔ جلدی کام شروع کرو تاکہ بن جائے ٹائم سے۔''

افوہ! ان ہی کے کہنے پر تو تھوڑی دیر پہلے اُس نے کڑاہی کے لیے چکن نکالی تھی۔

''تائی امی! اگر آج کڑاہی ہی بنالوں، میرا کل ٹیسٹ ہے۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی۔

''اوہو! تو میں کون سا تمہیں پوری رات دیگ میں گھوٹا لگانے کا کہہ رہی ہوں۔ چکن کی بناؤ، دالیں بلینڈر میں پیس لینا۔ کون سا ایسا لمبا کام ہے۔'' تائی امی کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ عائشہ نے خاموشی سے کچن کی راہ لی تھی۔

☆☆☆

میٹرک اس نے فرسٹ ڈویژن ہی میں کیا تھا۔ مگر شایان اور شاہانہ کے اتنے اچھے نمبروں کے سامنے اس کے نمبر اس کی نالائقی اور کند ذہنی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ شایان کراچی کی ایک بہت اچھی یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اس سال شاہانہ کے بھی وہاں داخلے کے واضح امکانات تھے۔ اُس نے بھی اُن کی دیکھا دیکھی اسٹیٹس اور میتھ لے لیا تھا۔ ایف ایس سی میں۔ مگر جلد ہی اُسے پتا چل گیا تھا کہ اُس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ کالج میں پڑھائی کا کوئی چال نہ تھا، بنیاد اُس کی کمزور، ٹیوشن کا وہ کہہ نہیں سکتی تھی۔ گو شایان اور شاہانہ اسکول کے زمانے سے ہی ٹیوشن پڑھتے آئے تھے، مگر اپنی کچھ حدیں اُسے بچپن سے ہی یوں باور کرادی گئی تھیں، کہ اب خود اُس کے دل میں بھی اُن پر کوئی سوال نہ اٹھتا تھا۔ فرسٹ ایئر کا رزلٹ آیا، اسٹیٹس میں تو وہ خلاف توقع پاس ہوگئی تھی مگر میتھ کا نتیجہ توقع کے عین مطابق تھا۔

تائی امی کو تو اللہ نے موقع دے دیا تھا۔

''اور جاؤ مہینہ مہینہ حیدرآباد۔'' وہ چمک کر بولی تھیں۔

دراصل حیدرآباد والی چچی اُس کی گھر میں کی گئی چھوٹی موٹی تبدیلیوں اور اُس کی گھر کی سجاوٹ کے بارے میں معلومات اور آئیڈیاز سے کافی متاثر تھیں۔ انھوں نے اپنے گھر کی مرمت کروائی تو ہفتہ کا بول کر پورے مہینہ کے لیے لے گئیں اُسے ساتھ اپنی مدد کے لیے۔ کافی فری ہینڈ دیا اُسے سیٹنگ کرنے میں، نیا سامان بھی سب اُس کی پسند کا لیا۔ مزا تو اُسے آیا، سب دیکھنے والوں نے تعریف بھی کی، مگر کالج کا حرج ہوگیا اور ظاہر ہے تائی امی کا بھی۔ سو اب بھڑاس نکال رہی تھیں۔

''راحیلہ تو شروع سے ہی ایسی خودغرض ہے، اس کا کام نکل جائے، دوسرا بھلے برباد ہو جائے۔ مگر اس کو بھی تو دیکھو ذرا، نہ اپنے مستقبل کی فکر، نہ گھر کی پرواہ۔''

''ہاہاہا۔ مستقبل میں ان میڈم نے کون سا نیوکلیئر سائنٹسٹ بننا ہے، نہ بھی جاتی تو بھی تھرڈ ڈویژن ہی لانی تھی۔''

شایان نے اس کے سامنے سے چھلے ہوئے مٹر کے دانے اٹھاتے ہوئے مذاق اُڑایا تھا۔ کاش شایان کی چھٹیوں میں نہ آیا ہوتا میرا رزلٹ۔ عائشہ نے دل میں اپنی بدقسمتی پر افسوس کیا تھا۔ اب جب تک رہے گا مذاق اڑاتا رہے گا۔

''چلو شایان، ایسا کرو جب تک تم یہاں ہو، عائشہ کو میتھ میں ہیلپ کر دیا کرو۔'' تایا ابو کو بیٹھے بیٹھے جانے کیا سوجھی تھی؟ شایان سے پڑھنا! یہ تو نئی مصیبت ہوگئی تھی۔ آج دن ہی برا تھا اس کا۔

''آئے ہائے! بچہ بچارہ چار دن ریلیکس کرنے آیا ہے، کہاں اس کوڑھ مغز کے ساتھ دماغ خراب کرے گا۔'' عائشہ کو تائی امی پر اس لمحے ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ مگر تایا ابو اس وقت جانے کس موڈ میں تھے، نا تائی امی کی سنی نہ شایان کی پس وپیش کو خاطر میں لائے۔

☆☆☆

www.pakistanipoint.com

اگلے دن سے شایان نے اس کی ''کلاس'' لینی شروع کر دی، پڑھائی کم بے عزتی زیادہ۔ وہ تو اُس کے جانے کے دن گن رہی تھی کہ ایک دن جانے کیا ہوا شایان کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اُس دن وہ نہا کر باتھ روم سے نکلی ہی تھی کہ شایان نے لاؤنج سے با آوز بلند اعلان کیا۔

''پڑھنا ہے تو ابھی آجاؤ، شام میں مجھے باہر جانا ہے۔''

جواباً 'اچھا' کہہ کر اس نے گیلے بال جلدی جلدی جوڑے میں باندھے اور کتابیں اٹھا کر باہر آگئی۔ اتنی دیر میں شایان جلدی ،جلدی کی دو آوازیں لگا چکا تھا۔ ہڑبڑی میں اُس کی طرف جاتے ہوئے اس کا پاؤں اپنے ہی دوپٹے میں الجھا تھا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑی تھی۔ بے ترتیب دوپٹہ سر کیا شانوں سے بھی ڈھلک گیا تھا، عجلت میں بندھے بال کھل کر بکھر گئے تھے، چہرہ خفت سے سرخ ہو رہا تھا، اور شایان دیکھے جا رہا تھا، یہ اتنی خوب صورت کب ہوئی؟ اگر پہلے سے تھی تو کبھی نظر کیوں نہیں آئی؟

اس نے بالآخر نظر اُٹھا کر دیکھا تو کوئی تمسخر اُڑاتی مسکراہٹ نہیں تھی، مگر اُس کی نظروں میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ نگاہ نہ ملا پائی تھی۔

وہ پہلی بار تھی، جب اُس نے شایان کے رویے میں تبدیلی محسوس کی تھی۔ بہت دیر تک اور بہت صبر سے پڑھایا تھا اس نے۔ بات بے بات بے عزتی بھی نہیں کی تھی۔ پھر یہ معمول بن گیا۔ پڑھائی کے علاوہ بھی اُسے محسوس ہوتا شایان اسے زیادہ مخاطب کرنے لگا ہے۔ بغیر تمسخر اڑائے اس سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتا۔ بنا کچھ کہے سنے بھی اکثر اسے شایان کی نظریں خود پر محسوس ہوتیں۔ وہ اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی مگر دھڑکنیں کبھی کبھی بے ترتیب ہو جایا کرتی تھیں۔

شایان کی واپسی کا دن آن پہنچا، وہ کچن میں اُس کے ساتھ لے جانے کے لیے حلوہ اور کباب پیک کر رہی تھی کہ وہ وہاں آگیا۔ کچھ دیر خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا، وہ نروس ہونے لگی۔

''سنو!'' وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''جی؟''

''بہت یاد آؤ گی۔'' لہجہ آنچ دے رہا تھا۔

عائشہ کے تیزی سے چلتے ہاتھ یک دم کانپنے لگے تھے۔ بمشکل اُس نے ٹفن بند کر کے اُس کی طرف بڑھایا۔ شایان نے ٹفن لیتے ہوئے لمحے بھر کو اُس کا ہاتھ تھاما تھا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ وہیں کھڑی اپنی بے ترتیب دھڑکنیں محسوس کرتی رہی۔

شایان کو گئے دو دن ہو چکے تھے۔ مگر وہ ان دو دنوں میں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں سوچ پائی تھی۔

''بہت یاد آؤ گی۔'' کبھی اُس کا آنچ دیتا جملہ کانوں میں گونجتا تو گدگدی سی محسوس ہوتی۔ کبھی یہ سوچ کر خوف سے شل ہو جاتی کہ اس وقت اگر وہاں تائی امی آجاتیں؟ اُف!۔

وہ آٹا گوندھتے ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس وقت کس نے فون کر لیا۔ اُس نے اپنے آٹے سے سنے ہاتھوں کو دیکھ کر کوفت سے سوچا تھا۔ وہ تائی امی سے گھنٹہ پہلے گھر آجاتی تھی اور اس وقت گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ ہاتھ پونچھ کر فون اٹھایا تو دوسری طرف شایان تھا۔

''وہ..... تائی امی تو نہیں آئیں ابھی۔'' وہ ہڑبڑا کر بولی تھی۔

''مجھے پتا ہے اسی لیے اس وقت فون کیا ہے۔'' دوسری طرف سے اطمینان سے جواب آیا تھا۔

''کک..... کیوں؟'' عائشہ پوچھتے ہوئے ہکلائی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اُس کا اتنا مذاق اڑاتا آیا تھا کہ وہ اُس سے بات کرتے ہوئے گھبراتی تھی مگر اُس کے حالیہ رویے نے تو اوسان خطا کر رکھے تھے۔

''کیوں کا کیا مطلب ہے؟ میں تم سے بات نہیں کر سکتا کیا؟'' وہ اُس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھا رہا

www.paksociety.com

تھا۔
"جی نہیں وہ......" عائشہ سے جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔
"نہیں کرسکتا؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تھا۔
"نہیں کرسکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کر سکتے ہیں۔ کوئی خاص بات تھی؟" عائشہ نے خشک گلا تر کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
"ہاں! بات تو بہت خاص ہے۔" شایان بولا تھا۔
"کیا؟" عائشہ نے پوچھا تھا۔
"محبت ہوگئی ہے تم سے۔" جواب آیا تھا۔
عائشہ کا دل لمحے بھر کو رک کر پھر چلا تھا، گھبراہٹ میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو فون ہی بند کر دیا۔ گھبراہٹ اپنی جگہ، تائی امی کا خوف اپنی جگہ۔ مگر لڑکپن تھا، خواب دیکھنے کی عمر تھی چاہے جانے کا احساس برا کیسے لگ سکتا تھا؟
اگلے دن پھر فون آیا تھا، فون رکھنے کا شکوہ بھی کیا گیا تھا اور مزید کھل کر اظہار محبت بھی۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا، روز شایان اُسے اِسی وقت فون کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کے روز و شب اس فون کے گرد گھومنے لگے تھے۔

☆☆☆

"کیسی ہو؟" سفید شلوار قمیص میں ملبوس، کندھوں پر چادر رکھے بہت بارعب شخصیت کا مالک حیدر علی بستر پر پڑی اُس مفلوج عورت سے بڑی لجاجت سے پوچھ رہا تھا۔ جواباً اس عورت نے صرف ایک نظر اُس کو دیکھا تھا پھر دور کسی غیر مرئی نکتے پر نظر مرکوز کر لی تھی۔
"بیٹا چھین لیا ہے تم نے مجھ سے میرا۔"
اب کے حیدر علی اونچی آواز میں بولا تھا مگر لہجے میں غصے سے زیادہ بے بسی تھی۔ جواباً کوئی تاثر اُس عورت کے چہرے پر نہیں اُبھرا تھا۔
"دیکھو خدیجہ، میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ دنیا میں کوئی مجھے اُس سے زیادہ عزیز نہیں۔ وہ جیسے اجنبیوں کی طرح مجھے دیکھتا ہے، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"
آواز میں درد نمایاں تھا۔ مگر جسم کے ساتھ شاید اس عورت کے جذبات بھی مفلوج ہو چکے تھے۔ وہ اُس کے بستر پر بیٹھ گیا تھا۔
"تم مجھے معاف کردو خدا کے لیے، شاید پھر وہ بھی معاف کر دے۔" وہ اس کا بے جان ہاتھ تھام کر نم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مگر اُس عورت نے جواباً اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔
بیس اکیس سال کا وہ لڑکا اپنی ماں کو وہیل چیئر پر بٹھا کر بڑے سے لان میں گھما رہا تھا۔ یہ اُس کا روز کا معمول تھا۔ حسب معمول وہ ہی باتیں کیے جا رہا تھا اپنی یونیورسٹی کی، دوستوں کی، کچھ جاننے والوں کی، کچھ باقی دنیا کی۔ دوسری طرف خاموشی تھی روز کی طرح۔ مگر پھر انھوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔
"شاہ زین!"
"جی ماما۔" وہ اُن کے سامنے دوزانو گھاس پر بیٹھ گیا تھا۔
"بیٹا تمہارے بابا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔" وہ نرمی سے بولیں۔
"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔
"تم اپنی لائف کیوں انجوئے نہیں کرتے، اپنی ایج کے باقی لڑکوں کی طرح؟ کیوں اپنا اتنا وقت برباد کرتے ہو؟ لاشوں میں جان نہیں پڑا کرتی۔" وہ اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں تھیں۔ اور وہ سن کے تڑپ اٹھا تھا۔
"ماما، آپ کو اندازہ ہے، آپ کی بات مجھے کتنا ہرٹ کر رہی ہے؟"
"میری جان!" اُن کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔ "میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ میں نے گزار لی اپنی زندگی۔ بری بھلی جیسی بھی تھی۔ اب آگے کچھ نہیں ہے میرے لیے۔ میرے لیے تم اتنا محدود نہ کرو خود کو، اپنی زندگی جیو، خوش رہو۔"

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

"ماما، اگر آپ ایسی باتیں کریں گی تو میں یونیورسٹی جانا بھی چھوڑ دوں گا۔ سارا دن آپ کے ساتھ بیٹھا رہوں گا۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ ضدی لہجے میں کہتا ہوا اُنہیں چھوٹا سا بچہ لگا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرا دی تھیں۔

مگر پھر اسی رات اُنھوں نے اُس کی ضد کا پکا توڑ کرلیا تھا۔ رات کے تین بجے وہ اُن کی نرس کے اُٹھانے پر اُٹھا تھا تو اُن کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔ فوری ہسپتال پہنچانے کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوسکی تھیں۔ اس نے خود اُنہیں قبر میں اُتارا تھا اور پھر قبر مکمل ہوتے ہی وہاں سے چل دیا تھا۔ اردگرد کھڑے ہر شخص سے بے نیاز۔

"شاہ زین!" حیدر علی اُس کے پیچھے آئے تھے۔ مگر نہ وہ رکا تھا۔ نہ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

خدیجہ بیگم کا ابھی چالیسواں بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ بیک پیک اٹھائے جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ پیچھے ایک ملازم اس کا ضخیم بیگ گھسیٹ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر بیٹھے حیدر علی چونکے تھے۔

"یہ تم کہاں جارہے ہو؟"

"یونیورسٹی ہوسٹل میں روم کے لیے اپلائی کیا تھا، وہ مل گیا ہے۔" شاہ زین نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا تھا۔

"تم اتنا بڑا گھر چھوڑ کے ہاسٹل میں رہو گے؟" وہ حیرت اور صدمے سے پوچھ رہے تھے۔

"ہاں! کیوں کہ میں اس 'گھر' میں نہیں رہنا چاہتا۔" وہ 'گھر' پر زور دے کر بولا تھا۔

"لیکن کیوں؟" سوال تو حیدر علی نے کیا تھا مگر پھر خود ہی آنکھیں چرالی تھیں۔ "اچھا تھوڑا صبر کرو، میں تمہارے لیے کوئی ڈھنگ کا روم ارینج کراتا ہوں۔ یہ پبلک ہاسٹل کوئی رہنے کے قابل تھوڑی ہوتے ہیں۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولے تھے۔

"تھینکس۔" وہ اور کچھ بھی کہے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔ حیدر علی بے بسی سے کھلے دروازے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ ہاسٹل آ تو گیا تھا مگر اب یہ سوچ رہا تھا یہاں رہے گا کیسے؟ کچھ میلا میلا سا باتھ روم، شکستہ حال سا کمرہ۔ بستر پر چادر خود ڈالنی پڑی تو اللہ یار بہت یاد آیا۔ اس کو ساتھ لے آتا کم از کم۔ سامان سیٹ کر کے دے دیتا۔ خیر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اُس کا روم میٹ سادہ مزاج سالڑکا تھا ٹنڈو آدم کا رہنے والا۔

"آپ کہاں سے ہیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

"کراچی سے۔" شاہ زین نے جواب دیا تھا۔

"کراچی سے ہیں تو ہاسٹل میں کیوں؟" اُسے حیرانی ہوئی تھی۔

"میری فیملی ابراڈ شفٹ ہوگئی ہے۔" شاہ زین نے وہی کہانی سنائی تھی جو وہ ہر ایک کو سناتا تھا۔

"اوہ اچھا!" وہ کہہ کر اُس کے ساتھ مدد کرنے لگا تھا۔ مگر اصل مشکل تو ساتھ رات لائی تھی، گرمی، مچھر۔ بڑی مشکل سے نصف شب کے بعد آنکھ لگی تھی کہ خرم فرام ٹنڈو آدم کے زناٹے دار خراٹوں نے اُسے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کردیا تھا۔ اُسے بے فکری سے چین کی نیند سوتے دیکھ کر جی میں آیا تکیہ اُس کے منہ پر رکھ کر ہمیشہ کے لیے خاموش کرادے۔

☆☆☆

اُسے ہاسٹل آئے دو ہفتے ہوچکے تھے۔ اور ان دو ہفتوں میں اُس نے جو آزمائشیں دیکھی تھیں، اپنی اکیس سالہ زندگی میں سوچی بھی نہ تھیں۔ آٹھ آٹھ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ اور کراچی کی گرمی، وہ ایک دن بھی سکون سے سو نہیں پایا تھا۔ اے سی لگوانے کی اجازت کے لیے درخواست دیے چودہ دن ہوچکے تھے اور ابھی تک کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ نہاتے نہاتے پانی غائب ہوجاتا تھا۔ حتیٰ کہ صبح سے باتھ روم کا سنک بلاک تھا اور بظاہر اِس کا حل نکالنا کسی کی ذمہ داریوں میں شامل نہیں تھا۔ وہ آسائشوں میں پلا بڑھا تھا اور یہاں تو بنیادی ضروریات کا بھی فقدان

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تھا۔ اپنے گھر کے در و دیوار سے اگر اسے اتنی وحشت نہ ہوتی تو وہ ایک دن بھی یہاں نہ رہ پاتا۔ کاش اپنے باپ کی بات مان کر تھوڑا صبر کر لیا ہوتا۔ کون سا اُس نے گھر چھوڑ کر ہر ناتا توڑ لیا تھا۔ وہ جس تیزی سے اپنے اکاؤنٹ میں رکھی رقم اڑاتا تھا، اُسی تیزی سے وہ پھر بھر دی جاتی تھی۔ سو رشتہ تو قائم تھا نوٹوں کے وسیلے سے ہی سہی۔ پھر ایک دن اُسے وارڈن نے بلا لیا۔ بڑے اچھے انداز میں ملا۔ شاہ زین کو حیرت ہوئی۔ اِس سے پہلے جب وہ دوبارا اپنے مسائل لے کر آیا تھا تو جان چھڑانے والا انداز تھا اُس کا۔

"آپ کو اصل میں اس لیے بلایا ہے کہ آپ کا کمرہ ہم بدلنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا تھا۔ شاہ زین کو کمرے اور رویے کی تبدیلی کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ مگر پھر بھی انجان بن کر پوچھا تھا۔

"کیوں؟"

"وہ دراصل آپ اے سی لگوانا چاہتے تھے نہ، تو اس کمرے کی وائرنگ پرانی ہے شاید اتنا بوجھ نہ برداشت کر سکے۔"

"اُس نے وضاحت کی تھی ویسے آپ فکر نہ کریں وہ کمرہ اس سے بہت بہتر ہے۔" وہ بہت پر زور دے کر بولا تھا۔

"آف کورس۔" شاہ زین نے لاپروائی سے کہا تھا۔"

اُسے نئے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا، تازہ پینٹ، فریج، اوون، اے سی، جنریٹر نیا نیا بنا باتھ روم حتیٰ کہ صفائی کے لیے اسپیشل لڑکا آتا تھا دن میں دو بار۔

پہلے وہ نہیں جانتا تھا، مگر اُس کے باپ کو پتا تھا کہ اُسے اے سی کے بغیر نیند نہیں آئے گی۔

☆☆☆

سیکنڈ ایئر کے ایگزام سے کچھ پہلے ہی عائشہ پر ایک نئی افتاد ٹوٹ پڑی تھی۔ اُس کی اکلوتی پھپھو اپنے فرزند ارجمند کا رشتہ لے آئی تھیں اس کے لیے۔ یوں تو وہ پھپھو سے بھی کتراتی تھی، کیوں کہ اُن کی اُس سے ساری ہمدردی اور محبت بھاوج پر تنقید پر مشتمل ہوتی تھی۔ جو اُسے مہنگی پڑتی تھی۔ مگر اُن کا میٹرک فیل بیٹا! جب اپنی لال لال آنکھیں پھاڑ کر اُسے گھورتا، تو اُس کا جی چاہتا صفحۂ ہستی سے غائب ہو جائے۔ تایا ابو نے فی الحال سوچ بچار کرنے اور اُس کے ابو سے مشورہ کرنے کا وقت مانگا تھا۔

"اے سوچنا کیا ہے تمہارا دیکھا بھالا بچہ ہے۔" پھپھو تو بضد تھیں کہ ابھی کے ابھی ہاں ہو جائے۔

تایا ابا نے کچھ سمجھا بجھا کر رخصت کیا تھا۔ اُس کے تو ہوش اڑ گئے تھے رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ فون پر شایان کو روداد سنائی تو اُس کے تسلی دینے پر کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

اگلے ہی دن شایان ہاسٹل سے گھر آ گیا تھا۔

"پھپھو کو انکار کر دیں میں عائشہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

بغیر لگی لپٹی رکھے اُس نے فیصلہ سنایا تھا۔ تایا ابو تو خاموش تھے مگر تائی امی کو یہ بات ہرگز پسند نہیں آئی تھی شایان کے ساتھ کافی گرما گرمی ہوئی تھی۔ اُسے بھی خشمگیں نظروں سے گھورا تھا۔ شام کو وہ کھانا بنانے کچن میں گئی تو اُس کے ہاتھ سے سبزی کی ٹوکری لے لی۔

"میں خود بنا لوں گی۔"

شایان کے آنے سے جو امید بندھی تھی تائی امی کے رویے سے ٹوٹنے لگی وہ مایوس سی ہو کر کمرے میں آ بیٹھی۔ سب کے سامنے وہ بات تو نہیں کر رہے تھے مگر شایان میسجز پر اُسے مسلسل یقین دلا رہا تھا کہ وہ منا لے گا۔ اُس رات اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

تائی امی کا سامنا کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ بارہ ساڑھے بارہ تک پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تو وہ کچن کی طرف گئی مگر راستے میں تائی امی کے کمرے سے آتی آوازوں نے قدم روک لیے۔

"میرے بیٹے کے لیے یہی رہ گئی ہے کیا؟"

تائی امی نخوت سے کہہ رہی تھیں۔

''ایسی بھی کیا برائی ہے؟'' تایا ابا منانے کی کوشش کررہے تھے۔

''اچھائی کیا ہے؟ ماں باپ نے تو پلٹ کے پوچھا تک نہیں۔ چلو اللہ واسطے پال لیا۔ اب اپنا اتنا قابل بیٹا بھی اُس کے نام لکھ دوں؟'' تائی امی کی بات دل میں خنجر کی طرح لگی تھی۔

''ارے ایسا بھی کیا اللہ کہ نام پر پالا ہے۔ نوید جو اتنا پیسہ بھیجتا ہے سب اسی کی وجہ۔''

''تو کون سا احسان کرتا ہے؟'' تائی امی نے تایا ابا کی بات کاٹی تھی۔ مگر اُسے حیرت ہوئی تھی اُس کے ابو اُس کے لیے پیسے بھیجتے تھے؟

''ہاں نہیں کرتا احسان۔'' تایا ابو پھر گویا ہوئے تھے۔

''اولاد کے لیے انسان سب کرتا ہے، وہ تو کچھ نہیں کرتا، ہم پال رہے ہیں اس کی اولاد۔ اُس کا فرض ہے جس قدر ہو ہمارا خیال رکھے۔ یہی تو سمجھا رہا ہوں میں تمہیں، ٹھنڈے دل سے سوچو، اگر ان دونوں کا رشتہ ہوجائے تو شایان کا مستقبل عائشہ کا مستقبل ہوگا اور اُس کے لیے ہم جو کہیں گے وہ کرے گا۔ اچھا خاصا کاروبار چل رہا ہے اُس کا بحرین میں۔ پیسے کی کوئی کمی نہیں اُس کے پاس۔''

تایا ابو رسان سے سمجھا رہے تھے۔

''اچھا جو جی میں آئے کرو باپ بیٹا۔'' تائی امی کے لہجے میں ناگواری سہی مگر رضامندی کی نوید بھی تھی۔ تایا ابو نے کیا کہہ کر انہیں رضامند کیا تھا، اِس وقت اُسے اِس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ شایان اس سے محبت کرتا تھا۔ اُس کے لیے بس اتنا کافی تھا۔

☆☆☆

شاہ زین کا برتھ ڈے تھا آج۔ حیدر علی کے بے حد اصرار پر وہ اُن سے ملنے آیا تھا۔ ہاں، ہوں سے زیادہ بات اُس نے پچھلے کئی سالوں میں اُن سے کم ہی کی تھی۔ اور جب کی تھی بہت تلخ کی تھی۔

آج کا دن بھی مختلف نہیں تھا وہ ہی باتیں کیے جارہے تھے اور وہ بیزار سا بیٹھا تھا۔ جیسے اِس ملاقات کے ختم ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ کیک کاٹنے سے بھی اُس نے انکار کردیا تھا۔

''میرا تو موڈ نہیں ہے اِس وقت کیک کھانے کا۔'' وہ بیزاری سے بولا تھا۔

''اچھا چھوڑو، کیک کو اپنا گفٹ دیکھ لو۔'' حیدر علی کھڑے ہوتے ہوئے بولے تھے۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

شاہ زین چند لمحے انہیں انتظار کروانے کے بعد ناگواری سے اٹھا تھا۔ وہ اُسے ساتھ لے کر کار پورچ میں آگئے تھے، جہاں نئی نویلی اسپورٹس کار اُس کی منتظر تھی۔

''میرے پاس جو گاڑی ہے ٹھیک ہے، دوسری نہیں چاہیے مجھے۔'' اُس کے عدم دلچسپی سے کہے گئے الفاظ نے اُن کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی۔

''چلا کر تو دیکھو ایک بار۔ بڑی زبردست گاڑی ہے۔ میرے شہزادے کے شایان شان۔'' اُنہوں نے اصرار کیا تھا

''کہا نا، نہیں چاہیے۔'' وہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قطعیت سے بولا تھا۔

''اچھا ایک ٹیسٹ ڈرائیو پلیز۔'' وہ بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھے۔ شاہ زین چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر ان سے چابی لے لی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر سیٹ بیلٹ باندھی، گاڑی کو ریورس کر کے تھوڑی اسپیڈ دی اور پھر آگے کھڑی حیدر علی کی پراڈو میں دے ماری تھی۔

دونوں گاڑیوں کا کافی نقصان ہوا تھا مگر حیدر علی نے اِسی بات پر شکر کیا تھا کہ اُس کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔

شاہ زین کے نئے روم میٹ نے اس سے یارانہ گانٹھنے کی کافی کوشش کی تھی مگر جانے کیوں وہ اسے پہلی ہی نظر میں برا لگا تھا۔ شاید اُسے اُس کی موقع پرستی بری لگی تھی۔ حالانکہ اگر وہ انصاف سے

www.pakistanipoint.com

سوچتا تو اس سے بڑا منافق تو اصل میں وہ تھا۔ جو اپنے باپ سے نفرت تو کرتا تھا مگر اس کی دی گئی آسائشیں ٹھکرانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

اُس کی تمام تر خوش مزاجی کے باوجود شاہ زین کا رویہ لیا دیا رہتا تھا۔ آج وہ اپنا لیپ ٹاپ کھلا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ شاہ زین کی نظر بے ارادہ ہی اسکرین سیور پر لگی تصویر پر پڑی تھی۔ کوئی ایسا مکمل حسن تو نہ تھا مگر معصوم سے چہرے پر اتنی کشش ضرور تھی کہ اس نے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اسی اثنا میں وہ اندر آ گیا تھا۔

"کس کی پکچر ہے گرل فرینڈ ہے تمہاری؟"

شاہ زین کے اتنے ذاتی سے سوال پر اُسے حیرت ہوئی تھی مگر جواب ضرورت سے زیادہ مفصل دیا تھا۔

"ہاں! منگیتر ہے ایکچوئلی، کزن ہے میری، اس کے پیرنٹس ڈیورسڈ ہیں تو ہمارے ہی گھر میں رہتی ہے میرے پیرنٹس نے ہی پالا ہے اسے۔"

"ہنہ! اچھی ہے۔" شاہ زین نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"ہاں بہت اچھی نیچر کی ہے یہاں کی لڑکیوں کی طرح نہیں ہے۔" شایان اتفاق کرتے ہوئے بولا تھا۔

"کیوں یہاں لڑکیوں کے سینگ ہوتے ہیں؟" شاہ زین نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

"نہیں مگر تھوڑی تیز ہوتی ہیں۔ یہ بہت معصوم، شرمیلی سی ہے۔"

"گریٹ۔" شاہ زین لاپروائی سے کہہ کر اپنے فون میں مشغول ہو گیا تھا۔

☆☆☆

عائشہ اور شایان کی بات طے ہو گئی تھی۔ کوئی باقاعدہ تقریب ضروری نہیں سمجھی گئی تھی۔ اور ہوتی بھی کیسے لڑکی والے تھے کہاں؟ البتہ رشتے داروں کے شکوہ کرنے پر انہیں مٹھائی بجھوادی گئی تھی۔ مگر اگلی بار جب شایان آیا تو اس کے لیے بہت خوبصورت انگوٹھی لایا تھا۔ اپنے جیب خرچ سے خرید کر۔ اسے خوشی تو بہت ہوئی مگر پھر شایان کا خیال آیا۔ "اس کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کا ہاتھ تنگ ہوگا، ہاسٹل میں رہنا مشکل ہوتا ہے۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"ہاہاہا۔ مشکل! تم میرا روم دیکھ لو تو حیران ہو جاؤ، اتنے ٹھاٹھ سے رہتا ہوں۔ پورا دن اے سی چلتا ہے، جنریٹر تک ہے۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"ارے واہ بڑا اچھا ہاسٹل ہے آپ کا، شاہانہ کا تو اچھا نہیں ہے۔" اُس نے حیرت سے کہا تھا۔

"بس دیکھ لو بندہ خاص ہو تو کمرہ بھی خاص مل جاتا ہے۔" وہ کالر کھڑے کرتے ہوئے بولا تھا۔

"تم بتاؤ انگوٹھی کیسی لگی؟"

"بہت اچھی۔" وہ مسروری اُس کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ کو دیکھ کر بولی تھی۔ شایان نے اسے معتبر کر دیا تھا۔ پہلے تو اسے سر کا آسمان اور پیروں تلے زمین بھی ادھار کی لگتی تھی۔ اب یہ گھر اسے اپنا گھر لگنے لگا تھا۔ تائی امی شروع میں تھوڑی اُکھڑی اُکھڑی رہیں۔ مگر کچھ عرصے میں اُن کا رویہ بھی ٹھیک بلکہ پہلے سے بہتر ہو گیا تھا۔ گھر کے چھوٹے موٹے معاملات میں اس سے مشورہ کرنے لگی تھیں، گھر داری میں تو وہ یوں بھی طاق تھی۔ پہلے وہ یہ سب اس لیے کرتی تھی کہ تائی امی کا موڈ اچھا رہے۔ اُس کا جو 'بوجھ' انہیں اٹھانا پڑ رہا ہے وہ انہیں اتنا نہ گوار نا گزرے۔ مگر اب یہ گھر اُس کا گھر تھا، وہ جو بھی کرتی تھی بہت شوق اور محبت سے کرتی تھی۔

☆☆☆

شاہ زین ایک مارکیٹ کے پارکنگ لاٹ سے گاڑی نکال رہا تھا کہ کچھ شور شرابے نے اسے متوجہ کیا تھا، ایک مرد اور عورت سڑک پر لڑ رہے تھے۔ مرد کافی مغلظات بک رہا تھا، خاتون بھی حسب استطاعت جواب دے رہی تھی۔ مگر پھر شاید مرد کا 'صبر' جواب دے گیا تھا۔ اُس نے عورت کی دھنائی شروع کر دی تھی۔ تماشائی تھے آس پاس مگر شاید انہیں صرف تماشے سے مطلب تھا۔ وہ گاڑی سے

Wadai Azeem
www.pakistanipoint.com

اتر آیا تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو اِسے۔'' اُس نے عورت کو چھڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم اپنے کام سے کام رکھو یہ بیوی ہے میری۔'' اُس شخص نے غصے سے شاہ زین کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

''بیوی ہے یا نہیں مگر اب ہاتھ نہیں اٹھانا۔'' شاہ زین نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی تھی۔

''اچھا! کیا کرے گا؟ یہ لے۔'' شاہ زین کو دکھانے کے لیے اُس نے ایک زوردار تھپڑ اپنی بیوی کو رسید کیا تھا۔ جواباً شاہ زین اُس پر پل پڑا تھا۔ پولیس نے آکر دونوں کو گرفتار کرلیا تھا۔ تھانے میں اُس شخص نے نئی کہانی سنائی تھی۔

''یہ لڑکا میری وائف کو چھیڑ رہا تھا میں نے روکا تو اس نے مجھے مارنا شروع کردیا۔'' وہ مسکین صورت بنا کر بول رہا تھا۔

تھانے دار نے پہلے چالیس کے لگ بھگ، پھیلے ہوئے جسے اور عام شکل وصورت کی عورت کو دیکھا تھا پھر پونی میں بندھے بالوں والے، چھ فٹ کے گورے چٹے خوش شکل برگر لڑکے کو۔ یقین کرنا اُسے مشکل لگا تھا شاید۔

''جی بی بی تم بتاؤ کیا ہوا تھا؟''

''جی میرے ہسبینڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' جواب دیتے ہوئے کم از کم اس نے نظریں ضرور چرائی تھیں۔

شاہ زین کو اُس کی بات پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ اُس کے لبوں پر دوڑ گئی تھی۔

''اوئے 'پی' ہوئی تو نہیں ہے؟ ذرا چیک کرنا جاوید۔'' تھانے دار نے اپنے ماتحت کو آرڈر دیا تھا۔

''بلیومی، میں پی کر کبھی آنٹیوں کو نہیں چھیڑتا۔'' وہ خشک لہجے میں بولا تھا۔ مگر دونوں کانسٹیبلوں کو اُس کی بات پر ہنسی آگئی تھی۔

اُس نے اپنے دوست مظہر کو کال کی تھی جس کے تایا آئی جی تھے۔

''یار میں یہاں گزری تھانے میں ہوں پلیز اپنے تایا سے بات کرو کوئی سیریس چارج نہیں ہے۔''

دو گھنٹے بعد جب وہ باعزت بری ہوکر جا رہا تھا۔ جاتے جاتے تھانیدار صاحب نے نصیحت کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''دیکھیں جی، وہ میاں بیوی تھے۔ آپ کو بلاوجہ ان کے معاملے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ سڑک پر دھینگا مشتی کرنا اچھی بات ہے؟''

''سڑک پر ایک عورت کو خاموشی سے پٹتا دیکھنا اچھی بات ہے؟'' شاہ زین نے سوال کے جواب میں سوال کیا تھا۔

''نہیں ہے جی! پر قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت تو کسی کو نہیں۔ اور پھر اُس نے یہاں آکر آپ کے خلاف بیان دیا اور اپنے شوہر کو چھڑا کر لے گئی۔ آپ ابھی کم عمر ہیں، ان معاملات کو نہیں سمجھتے۔ ہم تو دن رات یہ ڈرامے دیکھتے رہتے ہیں۔''

''جی، تھینکس۔'' شاہ زین نے اپنا فون اور چابیاں لیتے ہوئے اِس لاحاصل بحث کو ختم کیا تھا۔

☆☆☆

عائشہ کا ایف ایس سی کا رزلٹ آگیا تھا، سیکنڈ ڈیویژن تھی مگر اُس نے شکر کیا تھا کہ پاس ہوگئی تھی۔ آگے پڑھنے کا معاملہ آیا تو تایا ابو اور تائی امی کو اس کا پرائیویٹ پڑھنا ہی بہتر لگا تھا۔ ڈگری کالج کافی دور تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا وہ بھی شایان اور شاہانہ کی طرح کراچی جا کر پڑھے۔ مگر تائی امی کو یہ آئیڈیا یقیناً پسند نہ آتا سو چپ رہی۔ پھر نمبر بھی تو اتنے کم تھے۔ کراچی میں تو شاید اتنے کم نمبروں پر داخلہ بھی نہ ملتا ہو۔ پرائیویٹ بی اے کے لیے کتابیں خرید لائی۔ یوں بھی اُسے کون سا زیادہ شوق تھا پڑھائی کا۔ مگر شاید یہیں کہیں غلطی ہوگئی تھی۔ وہ اپنی فہم کے مطابق جو سمجھ میں آیا۔ شایان اور گھر والوں کو خوش کرنے کے لیے کرتی گئی۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا

www.pakistanipoint.com

گیا۔شایان کی وارفتگی اور بے تابی میں کمی آنے لگی۔ پہلے اُس کے فون آنے کم ہوئے۔اس نے شکوہ کیا تو بولا۔

"یار کیا کرو روز روز فون کر کے، تمھارے پاس کوئی نئی بات تو ہوتی نہیں کرنے کے لیے جو ہوتی ہیں وہ بھی انتہائی بورنگ۔"

اُس کی بیزاری دل پہ گراں تو بہت گزری مگر کیا کہتی باتیں تو واقعی اسے دلچسپ کرنی نہیں آتی تھیں۔طبیعتاً کم گو بھی تھی پھر۔آہستہ آہستہ اُس کے حسن اور معصوم فطرت کی تعریف کی جگہ اُس کی کم علمی اور کم عقلی کے ذکر نے لے لی۔اُس کی تخلیقی ایج کو سراہنے والا اُس کے ماسیانہ حلیے اور سینس آف اسٹائل کے فقدان پر تبصرے کرنے لگا۔وہ ہنسی مذاق میں ایسی باتیں کر کے شاید بھول جاتا تھا۔مگر اُس کی آنکھیں گھنٹوں نم رہتی تھیں۔احساس کمتری اور عدم تحفظ اُسے گھیر لیتا تھا۔

کتنی بار اُس نے اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اُسے ایسا بنا دے کہ وہ شایان کو ہمیشہ اچھی لگے۔مگر شاید اُس کی اکثر دعاؤں کی طرح یہ بھی رد ہو گئی تھی۔شایان کی عدم دلچسپی محسوس کرنے کے باوجود اُسے یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ اُن کی محبت سے ،اُن کے تعلق سے اتنی آسانی سے دستبردار ہو جائے گا۔

شایان کے دو جملوں نے سب روند ڈالا تھا، اس کا دل اُس کے خواب، حتیٰ کہ شاید جینے کی خواہش بھی۔

وہ پوری رات اُس نے روتے ہوئے گزاری تھی۔صبح وہ حسب معمول ناشتہ بنانے نہیں نکلی تھی ،یونہی پڑی رہی کسی نے پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔دوپہر کو کمرے سے نکلی تھی۔تایا ابو اُس کو دیکھ کر اُس کی طرف آئے تھے۔

"بیٹا میں اُس کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔مگر اُس کے دل میں کوئی اُمید نہیں جاگی تھی۔تایا ابو کے سمجھانے پر کیا شایان دوبارہ اُس سے محبت کر سکتا تھا؟

"پکا تو لیا ہے میں نے کھانا اب کم از کم لگا تو دو۔" تائی امی کچن سے نکلتے ہوئے اُسے دیکھ کر یوں بولی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

آج وہ کمرے میں آیا تو شایان کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

"بس کر دیں اُس کی شادی، جو بھی ملتا ہے۔ نہیں تو وسیم چچا کے گھر بھیج دیں میں کمفرٹیبل فیل نہیں کرتا اُس کی موجودگی میں۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔سامنے سے جانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں میں نے ہی کہا تھا منگنی کے لیے۔غلطی ہو گئی، اب کیا کروں پھانسی لگا لوں خود کو سزا کے طور پر؟ اس جاہل کے ساتھ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے۔اور نوید چچا کس منہ سے بولیں گے ہمیں کچھ؟ بیوی اُن کی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔خود انہوں نے باہر جا کر اپنی دنیا بسا لی۔بیٹی اپنی آپ لوگوں کے سر منڈ کر آرام سے۔احسان ماننا چاہیے انہیں ہمارا مرتے دم تک۔"

"شرمیلی معصوم" کی چھٹی ہو چکی تھی۔اس بات کا اندازہ تو اسے تھا۔کچھ عرصے سے لیٹ نائٹ کالز تھیں، نہ اسکرین سیورز، اور یونیورسٹی میں مسٹر اپر چیونسٹ ایک اپر کلاس شوخ شنگ حسینہ کے ساتھ اپر چیونٹی اویل کرنے کے چکر میں نظر آ رہے تھے۔مگر یہ گفتگو سن کر اُس نے خود کو انسان شناسی پر داد ضرور دی تھی۔کچھ تو تھا جو وہ اُسے پہلی نظر میں زہر لگا تھا۔

شایان فون بند کر کے پلٹا تو اُسے دیکھ کر کچھ شرمندہ ضرور ہو گیا تھا۔

"واؤ! تمہارا ٹیسٹ بڑی جلدی شرمیلی معصوم سے 'ساسی، کلاسی' ہو گیا۔" شاہ زین تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔شایان اس کی بات پر

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کھسیانی سی ہنسی ہنسا تھا۔

''ایجوکیشن میں اگر فرق ہو تو ساتھ چلنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے، آپ ایک دوسرے سے ریلیٹ نہیں کر سکتے۔'' وہ دانشورانہ توجیہات پیش کر رہا تھا۔

''ریلیکس۔ تمہیں مجھے صفائی دینے کی ضرورت نہیں۔'' شاہ زین لاپروائی سے بولا تھا۔

☆☆☆

شایان کو اُس سے تعلق توڑے دو مہینے ہو چکے تھے۔ ان دو مہینوں میں وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔ نہ اُس سے کسی قسم کا رابطہ رکھا تھا۔ باقی گھر والے ایسا ظاہر کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کسی نے اُس سے ایک بار پوچھا تک نہیں تھا کہ اُس پر کیا گزر رہی ہے۔ اور پھر پھپھو آ گئیں۔ اس کا پتا کرنے، غم بانٹنے۔

''ہائے! خدیجہ بن ماں باپ کی بچی کے ساتھ ایسا کرتے کلیجہ نہیں کانپا تمہارا۔'' پھپھو اُسے لپٹاتے ہوئے بولی تھیں۔

''بن ماں باپ کی کیوں؟ زندہ ہیں دونوں۔''

پھپھو کے واویلے پر تائی امی تپ کے بولی تھیں۔ مگر پھپھو اس وقت اُس کے غم میں اتنی نڈھال تھیں کہ جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

''ہائے میری بچی! رشتہ ٹوٹ گیا۔ منگنی ٹوٹ گئی۔ لوگ باتیں کر رہے ہیں میری معصوم بچی کے بارے میں۔'' وہ اُسے گلے سے لگائے بین کر رہی تھیں۔

''مگر تو فکر نہ کر میری بچی! تیری پھوپھی ابھی زندہ ہے۔'' انہوں نے اپنا سینہ ٹھوک کر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا۔

''میرے مظہر کی دلہن تم نہیں بن سکیں تو کیا میرے مدثر کی دلہن تم ہی بنو گی۔'' انہوں نے اس کو بھینچتے ہوئے نیا بم پھوڑا تھا۔ مگر بڑی افتاد تو تب ٹوٹی تھی اس پر جب اگلے دن واقعی تایا ابو نے اسے بلا کر مدثر کے لیے اس کی رائے پوچھی تھی۔

''مدثر مظہر نے کافی بہتر ہے۔'' وہ گویا اُسے قائل کر رہے تھے۔ اس بات میں اس قدر صداقت ضرور تھی کہ مظہر میٹرک فیل تھا اور مدثر انٹر۔ مگر تایا ابو کی بات پر وہ سکتہ میں آ گئی تھی۔ کچھ دن پہلے ہی تایا ابو مدثر کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''آپا کا بڑا لڑکا چلو پڑھا نہیں کچھ خاص مگر کچھ کھاتا کماتا تو ہے، وہ چھوٹا مدثر تو بالکل ہی لفنگا ہے۔'' وہ کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ خود آزار سے لمحوں میں اُس نے اُس لفنگے مدثر کا ساتھ قبول کرنے کے بارے میں سوچا تھا۔ یہاں کیا تھا اس کے لیے، کون تھا اُس کا اپنا؟ مگر پھر پتا چلا کہ ابھی اور بھرم ٹوٹنے باقی تھے۔ اگلے دن وہ چائے دینے تائی امی کے کمرے میں جا رہی تھی کہ اندر سے آتی آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

''شایان کو راضی کرنے کی میں نے بہت کوشش کی نوید۔ مگر وہ کسی صورت مان کے نہیں دے رہا۔''

تایا ابو فون پر یقیناً اس کے ابو سے بات کر رہے تھے۔ ''کیا بتاؤں میرے بھائی دراصل شایان کی شروع سے اس رشتے کے لیے مرضی نہیں تھی۔'' یہ تایا ابو کیا کہہ رہے تھے؟ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''یہ بات میں نے تمہیں پہلے نہیں بتائی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ عائشہ شایان میں بہت دلچسپی لینے لگی تھی۔ ہم نے سوچا یہ بھی ہماری ہی بیٹی ہے۔ جیسی بھی ہے ہم نے ہی پالا ہے۔ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے تو بہتر ہے۔ عائشہ یوں بھی طبیعت کی ضدی ہے۔ زینت کی طرح۔ تو ہم نے کسی طرح منا لیا شایان کو۔''

''ضدی طبیعت؟'' اُسے تو ضد کے معنی تک معلوم نہ تھے۔ تایا ابو کیوں اس کے ابو کو یہ جھوٹی کہانیاں سنا رہے تھے؟

www.pakistanipoint.com

''مگر اب شایان کو بہت محسوس ہونے لگا ہے تعلیم کا فرق اور ذہنی ہم آہنگی کا فقدان۔ اب جوان اولاد کے ساتھ میں زبردستی تو نہیں کرسکتا۔ بہت بے بس ہوں میں۔'' تایا ابو نے اب لہجے پر رقت طاری کرلی تھی۔

''ہر کوئی ہمیں ہی برا کہہ رہا ہے۔ عمر بھر کی محنت رائیگاں ہوگئی ہماری۔ اب جب تک ہمارے پاس رہے گی باتیں بنتی رہیں گی۔ میں تو کہوں گا مدثر پر تم ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ گھر کا بچہ ہے، دیکھا بھالا ہے، جتنا جلدی ہم اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں اچھا ہے۔'' تایا ابو کہہ کر خاموش ہوئے تھے کچھ دیر کو۔

''تم راضی ہو تو ہم کوشش کرتے ہیں عائشہ کو منانے کی۔ ورنہ تم وسیم سے بات کرو، ہم نے تو دودھ پیتی بچی کی ذمہ داری لی تھی۔ اب تو ماشاء اللہ بڑی ہوگئی ہے۔ مسئلہ نہیں ہونا چاہیے اُسے رکھنے میں۔'' تو یوں ہو رہے تھے اُس کی قسمت کے فیصلے۔

''چلو پھر رکھتا ہوں اپنا خیال رکھنا اور فکر نہ کرنا۔'' تایا ابو نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ مگر اُس کے قدم جہاں تھے وہیں جمے رہ گئے تھے۔

''ارے نئی گاڑی کے لیے پیسوں کا تو پوچھا ہی نہیں۔'' تائی امی کی آواز آئی تھی۔

''افوہ! بے صبری عورت ان حالات میں پیسوں کا پوچھنا اچھا لگتا۔'' تایا ابو بولے تھے۔

''ہائے اس چکر میں وہ ذکر گول ہی نہ ہو جائے۔'' تائی امی ہاتھ ملتے ہوئے بولی تھیں۔

''ہاں تو اِس کا ذمہ دار بھی تمھارا بیٹا ہے۔ کچھ موقع دیکھ کر کرتا یہ دھماکا۔ اور اب بھی اُسے جلدی پڑی ہے عائشہ کو یہاں سے چلتا کرنے کی۔'' تایا ابو کچھ جھلا کر بولے تھے۔

''ہاں تو کیا کرے بے چارا۔ یہاں جو آپ کی ٹریجڈی کوئین بھتیجی نے سوگ مچا کر رکھا ہوا ہے۔ جیسے پتا نہیں کتنا بڑا ظلم ہوگیا ہو اُس کے ساتھ۔ اتنا قابل شہزادے جیسا بیٹا ہے میرا' یہ تھی اُس کے قابل؟''

''اچھا بس کرو۔'' تایا ابو بولے تھے۔

''بات تو میں نے اپنی طرف سے اسی طرح کی ہے کہ اُس کا دل ہم سے خراب نہ ہو۔ آگے اللہ کی مرضی۔'' وہ الٹے قدموں لوٹ آئی تھی اور خود کو کمرے میں بند کرلیا تھا۔

تائی امی نے چائے بنانے کے لیے آواز دی وہ بہری بن گئی۔ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے دروازہ پیٹا، وہ ساکت پڑی رہی۔ وہ خود ہی بک جھک کر چلی گئیں۔ آنکھ کھولتے ہی اُس نے تائی امی کے ابرو کے اشارے پر رُکنا چلنا سیکھا تھا۔

فرماں برداری کے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے مگر کیا کما لیا تھا؟ بوجھ نہ کہلائے جانے کے شوق میں اُس نے اپنی استطاعت سے زیادہ بوجھ اپنے کم سن کندھوں پر اُٹھانے شروع کردیے تھے مگر آج بھی وہ بوجھ ہی تھی۔ نا جانے اُسے کیا خوش فہمی تھی کہ اگر وہ خود کو بہت کارآمد ثابت کردے گی تو اِس گھر کا حصہ بن جائے گی۔ یہ تھے وہ تایا، تائی جو اُس کے ماں باپ کی جگہ تھے۔

اور ایک وہ شایان تھا جو دو سال اُس کی محبت کا دم بھرتا رہا۔ آج اُسے اُس کا اپنے گھر کے ایک کونے میں پڑا رہنا بھی گوارا نہیں تھا۔ اُس سے جان چھڑانے کے لیے بہترین طریقہ یہ تھا کہ اُسے ایک آوارہ نکھٹو کے پلے باندھ دیا جاتا۔ نہیں تو دوسرا آپشن موجود تھا۔ نواب شاہ والے چچا بہت خوشی خوشی اُسے اپنے گھر لے جاتے کیونکہ کئی دفعہ وہ چچی کو تائی امی کی قسمت پر رشک کرتے دیکھ چکی تھی کہ کتنی اچھی طرح اُس نے ان کا سارا گھر سنبھالا ہوا ہے۔ اتنی اچھی کل وقتی ملازمہ وہ بھی مفت۔ قسمت والوں کو ملتی ہے۔

اور ایک اُس کا باپ تھا جو اپنی بیٹی کو جانتا تک نہیں تھا۔ دوسروں کے منہ سے سنتا تھا کہ اُس کی بیٹی کیسی ہے، کون ہے۔ اِن سب میں کون تھا جو اُس کا سوچ رہا تھا؟

www.paksociety.com

اور وہ خود؟ اُس نے کب سوچا تھا اپنے بارے میں؟ اُسے اچھے سکول میں نہیں ڈالا گیا۔ کیونکہ وہ کند ذہن تھی۔ مگر شایان اور شاہانہ کی طرح اُسے ٹیوشن کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُس کے اسکول کی پڑھائی آسان تھی۔ شایان اور شاہانہ تائی امی کا ہاتھ نہیں بٹا سکتے تھے کیونکہ اُنہیں پڑھنا ہوتا تھا۔ اور وہ؟ اُسے پڑھنے کا شوق کہاں تھا۔ اُس کے پاس وقت ہی وقت تھا۔

آٹھویں جماعت میں تھی وہ جب کام والی کو ہٹا دیا گیا تھا۔ صبح کام بھی نہیں کرتی تھی اور تنخواہ بھی لیتی تھی۔ صفائی تو اچھی عائشہ ہی کرتی تھی۔ سو آدھی کے بجائے پوری ذمہ داری اُس کو دے سی گئی اور اس نے اعزاز کی طرح قبول کرلی۔ آج جب رہے سہے پردے اٹھے تھے تو ادراک کے در بھی کھلے تھے۔

اگر یہ سب رشتے جھوٹے تھے تو کیا وہ جو سب اُنھوں نے اُسے اپنے متعلق باور کرایا تھا وہ سچ تھا؟

کیا وہ واقعی پیچھے اس لیے تھی کہ اُس میں آگے نکلنے کی صلاحیت نہیں تھی؟ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے بارے میں سوچ رہی تھی بغیر کسی کی خفگی کی پروا کیے۔

☆☆☆

صبح وہ اپنی روٹین کے برخلاف کافی دیر سے کمرے سے نکلی تھی۔ تائی امی کا موڈ حسب توقع کافی خراب تھا۔

''اُٹھ گئیں؟'' چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا تھا۔ تایا ابو البتہ شفقت کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ اُس کی طبیعت کا پوچھا تھا۔ ناشتہ کرنے کی تلقین کی تھی اور اس کے بعد اپنے کمرے میں آنے کا کہا تھا۔ اندازہ تو اسے تھا کہ کیا ضروری بات کرنی تھی اُنھوں نے۔ ایک خشک رسک چائے کے کپ کے ساتھ زہر مار کر کے اُن کے کمرے میں چلی گئی۔

''بیٹھو بیٹا۔'' انھوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ آپا نے نوید سے تمہارا رشتہ مانگا ہے اور نوید نے قبول کرلیا ہے۔''

اس کا خیال تھا اسے منانے کے لیے بلایا ہے۔ مگر وہ تو گویا فیصلہ سنا رہے تھے۔ حالانکہ کل کی جو گفتگو اُس نے سنی تھی اس میں تو غور کرنے کی بات ہوئی تھی۔

ایک اور جھوٹ۔ عجیب کڑواہٹ سی بھر گئی اُس کے اندر۔ تایا ابو اُس کے چہرے پر ناگواری کا شاید کوئی اور مطلب سمجھے تھے۔

''دیکھو بیٹا، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں شایان.....''

''میں اپنے ابو سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اُن کی بات کاٹ کر بولی تھی۔

''اُس سے کیا بات کرو گی؟'' تایا ابو کو اچھنبا ہوا تھا۔

''کیوں نہیں کرسکتی۔'' اُس نے جواباً سوال کیا تھا۔ تایا ابو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس کو اچانک کیا ہوا تھا۔

''ضرور کرسکتی ہو مگر دیکھو شایان۔''

''میں شایان کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ پھر بات کاٹ کر بولی تھی۔

''پھر کیا بات کرنا چاہتی ہو، مجھے بتاؤ میں کرتا ہوں۔'' وہ یقیناً وصولی خطرے میں پڑ جانے کے خوف میں مبتلا تھے۔

''میں کسی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اپنے بارے میں کرنا چاہتی ہوں اور خود کرنا چاہتی ہوں۔''

اُس کا لہجہ اٹل تھا۔ تایا ابو کو ماننا ہی پڑا۔

کچھ دیر بعد تایا ابو نے فون ملا کر اُسے پکڑایا تھا۔ فون ہاتھ میں پکڑتے ہوئے ہاتھ کانپا تھا، سلام کرتے زبان بھی لڑکھڑائی تھی۔ سات سال کی ہوگی جب آخری بار بات کی تھی اُس نے اپنے باپ سے۔ اماں زندہ تھیں تو اکثر اس کی بات کرادیتی تھیں اِس اُمید میں کہ آواز سن کر شاید بیٹی کی محبت جاگ اُٹھے۔

''ہاں کیا کہنا چاہتی تھیں؟'' اُس کے سلام

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کے جواب کے بعد دوسری طرف سے جذبات سے عاری آواز میں پوچھا گیا تھا۔

''میں مدثر سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بولی تھی۔

''شایان تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا اب بندوق تو نہیں رکھ سکتا کوئی اس کی کن پٹی پر۔'' آواز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

وہ سمجھ رہے تھے اُن کی بیٹی چاند مانگ رہی تھی۔ چاند تو لاڈلے مانگتے ہیں۔ اُس نے تو کبھی کھلونا مانگنے کی جسارت نہیں کی تھی۔

''میں کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' حلق میں پھنسے آنسوؤں کے گولے کو نگل کر وہ بمشکل بولی تھی۔

''تو پھر کیا چاہتی ہو؟'' دوسری طرف جھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''میں پڑھنا چاہتی ہوں۔''

''کیا پڑھنا چاہتی ہو؟''

اس نے زیادہ سوچا ہی نہیں تھا۔

''بی بی اے کرنا چاہتی ہوں۔'' اس وقت اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں وسیم سے بات کرتا ہوں۔ نواب شاہ میں کرا دے گا کہیں تمہارا ایڈمیشن۔ تم اُن کے ساتھ شفٹ ہو جاؤ۔''

''نہیں، میں کسی کے گھر میں نہیں رہوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر کہاں رہنا ہے بی بی؟'' اُن کا صبر جواب دے رہا تھا شاید۔

''شاہانہ بھی کراچی ہاسٹل میں رہ کر پڑھ رہی ہے۔ میں بھی رہ لوں گی۔''

''پڑھائی کا شوق پہلے تو تمہیں کبھی رہا نہیں۔ اب یہ نیا شوق پڑھائی کا ہے یا ہاسٹل میں رہنے کا؟'' مشکوک لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

اُس کا جی چاہا چیخ پڑے۔

''ہاں شوق ہے ہاسٹل میں رہنے کا۔ کیونکہ میرے باپ کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہے اور لوگوں کے در پر پڑی رہ رہ کر تھک گئی ہوں۔ مگر کچھ نہ بول پائی۔ عادت تھی چپ رہ کر باتیں سننے کی اور عادتیں تو جاتے جاتے ہی جاتی ہیں۔ اُس کی کچھ دیر کی خاموشی کے جواب میں سامنے سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ اس نے موبائل تایا ابو کی طرف بڑھایا تھا جو اس تمام عرصہ میں سر پر کھڑے رہے تھے۔ وہ کیا تائی امی بھی سارا وقت وہیں موجود رہی تھیں۔ وہ بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''اے کہو نوید سے ڈال دے ہاسٹل میں۔ ہماری جان تو چھوٹے۔'' تائی امی نے زہر اُگلا تھا۔ تایا ابا نے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

''ارے سنتی ہے تو سن لے۔ اس منحوس کی وجہ سے میرا بیٹا دو مہینے سے گھر نہیں آیا۔'' تائی امی سخت بے زار تھیں شاید یہی وجہ تھی کہ تایا ابو نے اُس کے ابو کو منا لیا تھا۔ اُسے کراچی پڑھنے کو بھیجنے کے لیے۔

☆☆☆

شاہ زین کیفے ٹیریا میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فرسٹ ایئر کی کلاس دو تین دن پہلے ہی آئی تھی، ریگنگ فل زوروں پر تھی۔ سامنے چند لڑکوں نے ایک بچارے کو گھیر رکھا تھا۔ ٹخنوں سے اوپر شلوار اور شرعی داڑھی والے اُس لڑکے سے پہلے 'پول ڈانس' کی فرمائش کی گئی تھی۔ جو بعد میں تھوڑی سی 'سٹرپ ٹیز' میں بدل چکی تھی۔ وہ لڑکا سخت ہچکچا رہا تھا۔ کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئی تھیں۔

''اوہ بھائی اتنا کیوں شرما رہا ہے۔ صرف قمیص اتارنے کا تو کہہ رہے ہیں بنیان تو نے پہنی ہوئی ہے۔ ستر پوشی پر ہم بھی یقین رکھتے ہیں۔ مسلمان ہی ہیں ہم بھی۔'' ان میں سے ایک لڑکا بولا تھا۔

''پلیز بھائی! یہ نہیں!'' وہ لڑکا بے چارہ روہانسا ہو گیا تھا۔ یہ سین دیکھ کر ہنسی اب کسی کو نہیں آ رہی تھی۔ مگر وہ دو چار لڑکے باز نہیں آ رہے تھے

شاہ زین اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن تک گیا تھا۔

''لیٹ گائز۔ بس کرو تم لوگ زیادتی کر رہے

www.paksociety.com

ہو مذاق کی بات نہیں رہی اب یہ۔"

شاہ زین "اسٹریپ ٹیز" کے دوران اُتاری ٹوپی دوبارہ اُس لڑکے کے سر پر رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ابے تو اپنی یہ گرامر اسکول کی گرائمر کہیں اور سنا۔" ان میں سے ایک لڑکا ٹوپی دوبارہ اُس لڑکے کے سر سے اُتارتے ہوئے بولا تھا۔ شاہ زین نے اُس کے ہاتھ سے ٹوپی جھپٹی تھی۔ اور اُس لڑکے کو دے کر جانے کو کہا تھا۔ جس پر وہ لڑکا آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

"ابے تو کب سے وی سی بنا ہے یونیورسٹی کا؟" اُس نے شاہ زین کو دھکا دیتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاتھ کیسے لگایا تم نے مجھے؟" شاہ زین نے بھی جواباً زور سے اُسے دھکیلا تھا۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے اچھی بھلی مار کٹائی شروع ہوگئی تھی۔ آس پاس کھڑے لڑکوں نے بمشکل دونوں کو الگ کیا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔" وہ لڑکا جاتے جاتے غصے سے زمین پر تھوک کر بولا تھا۔

"یار ایک تو تم ہر جگہ اینگری ینگ مین بننے کو تیار ہوتے ہو۔" مظہر کہہ رہا تھا۔

"کیا ضرورت تھی فالتو کا پنگا لینے کی۔ پولیٹیکل پارٹیز کے لڑکے ہیں۔ پسٹل جیب میں لے کر پھرتے ہیں۔"

"چلا بھی دیتے ہیں۔ پتا ہے انہیں کچھ بھی کرلیں، دے کین گٹ اوے وداٹ۔" دانیال نے بھی مظہر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا۔ "دیکھ لیں گے جو ہوگا۔" شاہ زین لاپروائی سے بولا تھا۔ اور پھر سب نے دیکھ لیا تھا۔ ٹی وی پر بریکنگ نیوز چلی تھی۔

"صوبائی وزیر حیدر علی کا جواں سال بیٹا، شاہ زین حیدر اپنی یونیورسٹی کے باہر قاتلانہ حملے میں شدید زخمی۔" اُس کے اکثر دوستوں کو بھی اس بریکنگ نیوز کے بعد پتا چلا تھا کہ وہ حیدر علی کا بیٹا ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ تعلق پر اُسے کبھی اتنا فخر محسوس ہی نہیں ہوا تھا کے وہ سب کو بتاتا پھرتا۔ اُس کی جان بچ گئی تھی مگر صوبے میں حکمران جماعتوں کا اتحاد خطرے میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی تمام تر بے زاری کے باوجود حیدر علی اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھے رہے تھے۔ اس واقعے کے بعد بھی شاہ زین سیکیورٹی ساتھ رکھنے کو تیار نہ تھا اور اُس کی ضد نے حیدر علی کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔ ان ہی دنوں اسے لندن کی ایک یونیورسٹی سے ایکسیپٹنس لیٹر موصول ہوا تو اُن کی جان میں جان آئی تھی۔

☆☆☆

عائشہ کو کراچی میں ایک چھوٹی مگر بھاری بھر کم فیس والی یونیورسٹی میں داخلہ ملا تھا۔ اپنی قابلیت کے مطابق۔ کراچی روانگی سے پہلے پہلی بار اُس کے ابو کا فون اُس کے لیے آیا تھا۔

"نسیم بھائی کے کہنے پر داخلہ تو میں تمہارا کرا رہا ہوں مگر یاد رکھنا وہاں تم صرف پڑھنے جا رہی ہو۔ اگر مجھے یہ پتا چلا کہ پڑھائی کے علاوہ تم وہاں کچھ کر رہی ہو تو پھر ایک نہیں سنوں گا میں تمہاری۔" درشت لہجے میں کہہ کر فون کاٹ دیا گیا تھا۔

کراچی تک کا سفر وہ اکیلے ہی کر رہی تھی۔ تایا ابو نے اپنے ایک قریبی دوست سے بات کر رکھی تھی کہ اسے بس اسٹاپ سے ہوسٹل ڈراپ دیں۔ اچھا ہی تھا وہ بس میں خاموشی سے مگر کھل کر رو رہی تھی۔ اردگرد کے مسافر اس کا یہ شغل دیکھ ہی رہے تھے۔ مگر آج اُسے کسی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بچپن سے وہ تنہائی میں روتی آئی تھی۔ تائی امی کے موڈ کی خرابی کے ڈر سے، خاندان میں اُن کی بدنامی کے ڈر سے۔ مگر آج نہ کوئی اندیشہ تھا نہ ڈر۔ عجب آزادی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

شاہ زین کا انگلینڈ جانے کا تمام کام مکمل ہو چکا تھا۔ اِسی ہفتے کے آخر میں اُس کی روانگی تھی۔ حیدر علی چاہتے تھے جانے سے پہلے کے یہ کچھ دن وہ ان کے ساتھ گزارے۔ مگر اُن کے حلقے میں ایک اہم ضمنی انتخاب تھا اور اس وقت ان کا حلقے میں موجود رہنا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

ضروری تھا۔ انھوں نے شاہ زین کو گاؤں چلنے کا کہا تھا جس پر اُس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''بیٹا تم اتنی دور جا رہے ہو، کیا پتا پلٹ کر کب آؤ۔ زندگی کا کیا بھروسا۔'' وہ بہت شکستہ سے لہجے میں بولے تھے۔

وہ اُنہیں کہنا چاہتا تھا کہ یہ جذباتی بلیک میلنگ بند کریں۔ وہ چاہیں تو ہر مہینے لندن آسکتے ہیں۔ مگر جانے کیوں اس لمحے اُس کا دل پسیج گیا۔ گو گاؤں جا کر وہ سخت پچھتایا تھا اپنے اس فیصلے پر۔ اُس کی دلچسپی کا کیا سامان تھا وہاں؟ اُسے نہ اُس سلطنت سے دلچسپی تھی جس کا وہ ولی عہد تھا۔ نہ شکار و کار کا شوق تھا۔ بلکہ اُسے تو نفرت تھی ایک بے بس پر گولی چلا کر اُسے گر کر تڑپتا دیکھنے کے اس کھیل سے۔ باقی رہ گئے حیدر علی کے رشتے دار اور اُن کی خاندانی بیوی، تو اُن کے لیے اچھے جذبات نہ وہ رکھتا تھا، نہ وہ اُس کے لیے رکھتے تھے۔ گو حیدر علی کی وجہ سے مجال نہیں تھی کسی کی کہ اُسے کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھتا۔

اللہ اللہ کر کے یہ تین دن گزرے تھے۔ مگر کراچی واپس جاتے ہوئے گاڑی اچانک جواب دے گئی تھی۔ ڈرائیور کے بقول شاید انجن میں کچرا آ گیا تھا۔ ڈرائیور نے فون کر کے دوسرے گاڑی منگوائی تھی مگر ظاہر ہے اُسے آنے میں وقت لگنا تھا۔ شاہ زین کو ہائی وے پر بس آتی دکھائی دی تو اُسی کو رکوا لیا۔ اور پھر سیکیورٹی گارڈ کی التجا کے باوجود اکیلا ہی اُس میں چڑھ گیا۔ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی بمپر پر جگہ ملی تو وہیں بیٹھ گیا۔ دنیا کتنی چھوٹی تھی۔

اُسے آج اندازہ ہوا تھا۔ سامنے والی سیٹ پر بادامی رنگ کی چادر اوڑھے، چھوٹا سا بیگ گود میں رکھے بیٹھی لڑکی یقیناً ''شرمیلی معصوم'' ہی تھی۔ شایان کے اسکرین سیور پر جگمگاتی وہ اُس کی اتنی تصویریں دیکھ چکا تھا کہ اُسے پہچاننے میں اب غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ روتی دھوتی کہاں جا رہی تھی؟ شادی کروا دی گئی تھی اِس کی، یا کسی اور رشتے دار کے گھر؟ شاہ زین نے چند لمحے دل میں اس ''بچاری'' کے حال پر افسوس کیا تھا۔ پھر اُس کی سوچوں کا رخ کسی اور جانب مڑ گیا تھا۔

☆☆☆

ہاسٹل پہنچی تو مغرب ہو چکی تھی۔ درمیانے سائز کا کمرہ تھا دو سنگل بیڈ فاصلے پر لگے تھے۔ ایک پر ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، کانوں میں ایئر فون لگائے اُس کی نئی روم میٹ نیم دراز تھی۔ اُسے دیکھ کر اُس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا۔ مگر کان سے ایئر فون نکالنے کا تردد و غیر ضروری سمجھا تھا۔ اُس نے بھی مسکرا کر اِس استقبال کا جواب دیا تھا۔ وہ سامان رکھ کر بیڈ پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ گندا تو نہیں تھا۔ مگر کچھ بے ترتیب سا تھا یا شاید اُس کی سلیقہ مند طبیعت کے معیار پر پورا نہیں اتر رہا تھا۔ چلو کل یونیورسٹی سے آ کر وہ کمرے کی حالت درست کرے گی۔

آج یونیورسٹی میں پہلا دن تھا اُس کا۔ تایا ابو کے ساتھ ایک بار پہلے آ چکی تھی ٹیسٹ کے لیے مگر کوئی حدود اربعہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہمت کر کے ایک لڑکے سے پوچھ ہی لیا تھا۔

''فرسٹ ایئر کا کلاس روم کہاں ہے؟''

''ہم..... نیو کمر ہیں؟'' وہ بغور اس کو دیکھ کر بولا تھا۔

''جی!''

''او کے۔ ایسا کریں یہاں سے اسٹریٹ جائیں پھر اُلٹے ہاتھ پر تیسرا روم آپ کا کلاس روم ہے۔''

وہ شکریہ ادا کر کے اُس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچی تھی دروازہ بند تھا۔ اُس نے دھکیلا تو کھل گیا وہ اندر داخل ہوئی۔ مگر یہ کیا؟ سات آٹھ لڑکے، کچھ صوفوں پر لیٹے ہوئے کچھ بیٹھے ہوئے، ایک بغیر شرٹ کے صرف بنیان مین ملبوس تھا۔ سگریٹ نوشی کا شغل زور و شور سے جاری تھے۔

''ے..... یہ فرسٹ ایئر کا کلاس روم ہے؟''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

سخت بوکھلا کر اُس نے ہکلائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ اس کی بات کے جواب میں قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"یہ بوائز کا من روم ہے۔" ایک لڑکے نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا تھا۔

وہ فوراً پلٹ گئی تھی۔ خفت سے آنکھیں بہنے کو تیار تھیں جنہیں اُس نے بے دردی سے رگڑا تھا۔ دوبارہ کسی سے پوچھنے کی غلطی وہ کیسے کر سکتی تھی، خود ہی کچھ خواری کے بعد آخر کار کلاس روم میں جا پہنچی تھی۔ کلاس ختم ہونے کو تھی۔ چند ساتھی لڑکیوں سے کچھ بات ہوئی تو پتا چلا ایسے بھونڈے مذاق کو ریگنگ کہتے ہیں۔

ہاسٹل واپس آکر صفائی میں جت گئی تھی۔ اپنے ساتھ ساتھ روم میٹ کی چیزیں بھی سمیٹ کر سلیقے سے رکھ دیں۔ یہ ٹیبل اور بک شلف اگر دیوار کے ساتھ کر دیا جائے تو کمرہ کھلا ہو جائے گا، پردہ کتنا بدرنگ ہے۔ نیا پتا نہیں کتنے کا ملے گا؟ پیسے تو ابو نے کافی بھیجے ہیں مگر پتا نہیں کتنے مہینے کا ہے یہ جیب خرچ؟ اگر اور بھیج دیے تو وہ لے آئے گی نیا پردہ بلکہ چھوٹا سا رگ بھی آجائے سینٹر میں بچھانے کے لیے تو بڑا اچھا لگنے لگے گا کمرہ۔ سامنے والی دیوار پر اگر......

کمرے کی نوک پلک سنبھالنے کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔ رات کو اُس کی روم میٹ کچھ دیر خاموشی سے کچھ تلاش کرتی رہی۔ پھر اُس سے استفسار کیا تھا۔

"تم نے یہاں کوئی یو۔ ایس۔ بی تو نہیں دیکھی؟"

"جی وہ میں نے آپ کے پنسل باکس میں ڈال دی تھی۔" عائشہ بولی تھی۔ جواباً اُس نے اُسے کچھ جھلائے ہوئے انداز میں دیکھا تھا۔

"پلیز یہ صفائی ستھرائی تمہیں جو بھی کرنی ہو، میری چیزوں کو ڈسٹرب مت کرنا جہاں پڑی ہوں وہیں رہنے دینا۔" عائشہ کو اُس کی بات پر سبکی محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی خود پر بے تحاشا غصہ بھی آیا۔

کیا ضرورت تھی اُسے کسی اور کی چیزیں جھاڑ پونچھ کر ترتیب سے رکھنے کی۔ نہ جانے کب جائیں گی اُس کی یہ ماسیانہ عادتیں۔ وہ چادر اوڑھ کر بستر پر پڑ گئی تھی۔ یہاں اُس کا پہلا دن اچھا تو ہرگز نہیں گزرا تھا۔

☆☆☆

دو مہینوں میں اُسے بہت اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا کہ بی۔ اے میں داخلہ لے کر اُس نے غلطی کی ہے۔ ایک تو اُس نے دو مہینے لیٹ جوائن کیا تھا پھر میتھ تو ہمیشہ سے اس کے پلے نہیں پڑتا تھا۔ باقی مضامین میں بھی حالات کوئی زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھے۔ اوپر سے سارے لیکچر انگریزی میں ہوتے تھے۔ آدھے سر کے اوپر سے گزر جاتے تھے۔ لاکھ کتابوں میں سر کھپانے کی کوشش کرتی مگر اب تک حالات ناگفتہ بہ ہی تھے۔ شاید تائی امی ٹھیک ہی کہتی تھیں وہ واقعی کند ذہن تھی۔

اِس نئے شہر میں وہ کوئی نیا دوست بھی نہیں بنا پائی تھی۔ اپنی روم میٹ شیریں سے بھی اُس کی رسمی سی بات چیت تھی۔ اُس کی ہاسٹل میں اور بہت سہیلیاں تھیں سو وہ اکثر اُن کے ساتھ ہو ہا ہا کرتی پائی جاتی۔ یا فون پر "جانو بے بی" کے ساتھ لگی رہتی۔ یونیورسٹی میں چند لڑکیوں سے اُس کی کچھ بات چیت تھی مگر اُن میں سے کسی سے بھی اُس کا تعلق دوستی کی حدود سے ابھی پیچھے تھا۔ کبھی کبھی تنہائی بہت چبھتی تھی۔ یہ بڑا سا شہر جہاں آنے کا کبھی اُس کو بڑا شوق تھا، راس نہیں آیا تھا اُسے۔ راس تو شاید اُسے کبھی کچھ نہیں آیا تھا، کیفے ٹیریا کی ایک ٹیبل پر اکیلے بیٹھے وہ دل گرفتی سے سوچ رہی تھی۔ یونہی سامنے نظر پڑی تو ٹیبل بوائے زمین پر گرا ایک فون اُٹھا رہا تھا جو کچھ دیر سے وہ وہاں پڑا دیکھ رہی تھی۔ قریب کے ٹیبل پر بیٹھی کسی لڑکی کا گر گیا تھا شاید۔ مگر یہ کیا؟ اُس لڑکے نے واپس کرنے کے بجائے فون جھاڑن میں چھپالیا تھا اور پھر اندر بڑھ گیا تھا۔ عائشہ

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

کچھ سوچ کر اُس کے پیچھے گئی تھی۔

''وہ فون جس کا ہے اُسے واپس کر آؤ ورنہ میں ابھی جا کر بات کرتی ہوں۔'' لڑکا اُس کی بات سن کر فوراً گھبرا گیا تھا اور باہر جا کر آس پاس بیٹھے لوگوں سے پوچھ کر واپس کر دیا تھا۔

وہ واپس جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ لڑکا ٹیبل صاف کرنے کے بہانے آیا تھا۔

''شکریہ آپ نے شکایت نہیں کی، عادی چور نہیں ہوں میں، باپ مر چکا ہے۔ پانچ چھوٹی بہنیں ہیں، تین مہینے سے کرایہ نہیں دیا تو مالک مکان روز گلی میں کھڑا ہو کر گندی گالیاں دیتا ہے میری ماں کو۔ تو بس نیت پھسل گئی میری فون دیکھ کر۔'' وہ صفائی دے رہا تھا۔

عائشہ نے اب بغور دیکھا تھا بمشکل سترہ اٹھارہ سال کا ہوگا لمبا مگر دبلا پتلا، غربت چہرے پر ثبت تھی۔

''شکریہ آپ کا میری نوکری بچانے کا بھی اور گناہ سے بچانے کا بھی۔'' بظاہر وہ شکریہ ادا کر رہا تھا مگر نم آنکھوں میں کرب کے ساتھ غصہ تھا، شکوہ تھا۔ نہ جانے اُس سے یا اللہ سے۔ عائشہ یونیورسٹی سے واپس آ کر بھی بہت دیر تک سوچتی رہی اُس کے بارے میں۔

وہ جانتی تھی کے اُس نے جو کیا تھا ٹھیک کیا تھا۔ مگر دل پر پھر بھی بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ صحیح اور غلط کے پیمانے کتنے بے رحم ہیں۔ کچھ سوچ کر اُس نے دراز سے پیسے نکال کر گنے۔ پیسے تو تھے اُس کے پاس اس وقت۔ مگر پتا نہیں اُسے ان پیسوں میں کتنا عرصہ گزارا کرنا تھا؟ یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اُسے کرایہ کتنا دینا تھا۔ واپس رکھتے ہوئے اُس کی نظر دراز میں پڑی شایان کی دی ہوئی انگوٹھی پر پڑی تھی۔ اُس کی سب سے زیادہ قیمتی چیز۔ یا شاید اب نہیں رہی تھی۔ اُس نے نکال کر پہن کر دیکھی۔ آنکھوں میں وہ لمحے لہرانے لگے جو شاید اُس کی بیس سالہ زندگی کے سب سے خوب صورت لمحے تھے۔ مگر پر فریب لمحوں کو متاع حیات تو نہیں سمجھا جا سکتا۔ جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے چاہے جتنا بھی خوب صورت ہو۔ چند لمحے لگے تھے اُسے فیصلہ کرنے میں۔

اگلے دن کیفے میں اُس نے اُسی لڑکے کو اشارے سے بلایا تھا۔

''کتنا کرایہ دینا ہے؟''

''سات ہزار۔'' عائشہ نے خاموشی سے ایک لفافہ اُس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

بہت حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے اُس لڑکے نے وہ لیا تھا اور پلٹ گیا تھا۔ مگر چند منٹوں کے بعد واپس آیا تھا۔ پیپسی کی ایک بوتل اُس کے سامنے رکھی تھی۔ اور اُس کی ٹیبل صاف کرنے لگا تھا۔

''اگر کبھی میں آپ کے کسی کام آسکوں تو مجھے بہت خو..... شی.....'' لہجہ آنسوؤں سے زیادہ بوجھل ہوا تو اُس نے جملہ مکمل نہیں کیا تھا۔

آستین سے پسینے کے بہانے آنکھیں پونچھیں اور پلٹ گیا تھا۔ عائشہ کو بہت عرصے کے بعد اپنے اندر خوشی کا احساس محسوس ہوا تھا۔

رات کے گیارہ بجنے والے تھے، شیریں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ نو بجے ہاسٹل کا گیٹ بند ہو جاتا تھا، یقیناً اُسے آج نہیں آنا تھا۔ کافی رشتے دار تھے اُس کے کراچی میں، اکثر رات رکنے کے لیے چلی جاتی تھی۔ وہ دروازہ لاک کر کے سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ اُس کے موبائل پر فون آ گیا تھا شیریں کا۔

''یار مجھے دیر ہوگئی ہے آنے میں، گیٹ بند ہو گیا ہے۔ پلیز کچھ ایسا کرو کہ چوکیدار دو منٹ کے لیے گیٹ کے سامنے سے ہٹ جائے۔''

عجیب و غریب قسم کی مدد مانگی گئی تھی۔

''میں ایسا کیا کر سکتی ہوں؟''

''کچھ بھی یار پلیز۔ جا کے بولو اُسے، تم نے میز میں چوہا دیکھ لیا ہے۔ نہیں بلکہ بول دو سانپ دیکھ لیے ہیں۔ پلیز یار! کچھ کرو۔ بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔''

www.pakistanipoint.com

وہ منت کر رہی تھی، عائشہ کو انکار نہیں ہوا۔ سوچتے ہوئے اُس نے کھڑکی سے باہر عقبی دیوار کو دیکھا تھا۔ پھر تیز قدموں سے سیڑھیاں اُتری تھی۔

''چاچا! چاچا!'' چوکیدار کو آواز لگائی تھی۔

''وہ..... کوئی پچھلی دیوار سے اندر کودا ہے شاید۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

چاچا نے لپک کر بندوق اُٹھائی تھی۔

''اچھا..... میں دیکھتا ہوں۔''

چاچا محتاط قدموں سے پیچھے کی طرف گیا تھا۔ اُس نے جھٹ چابی اُٹھا کر تالا کھولا تھا۔ شیریں بھاگ کر اپنا بیگ اوپر چھوڑنے گئی تھی۔ چاچا تھوڑا جھلایا، تھوڑا بوکھلایا دیکھ کر واپس آیا تو شیریں اب تھوڑے بکھرے بالوں کے ساتھ یوں جمائیاں لیتی ہوئی آئی تھی جیسے نیند سے اُٹھ کر آرہی ہو۔

''ملا کچھ کیا؟'' اُس نے چاچا سے پوچھا تھا۔

''نہیں، ادھر تو کوئی نہیں تھا۔'' چاچا نے جواب دیا تھا۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا۔ بلا ہے ایک موٹا سا یہاں پھرتا رہتا ہے وہی ہوگا۔ ایسے ہی تم وہمی ہو۔'' اب وہ عائشہ سے مخاطب تھی۔

''اچھا، شاید بلا ہی ہو۔'' وہ سر جھکا کر ندامت سے بولی تھی۔

''ایک تو تم لڑکیاں۔ کبھی بلی، کبھی چوہا۔ جا کے سو جاؤ مُنّا۔'' چاچا اکتاہٹ سے بولا تھا۔

وہ دونوں کمرے کی طرف چل دیں۔ عائشہ نے بچپن میں کبھی شرارت نہیں کی تھی۔ کبھی چھوٹی چھوٹی بے ایمانیاں نہیں کی تھیں۔ کچھ تائی کا خوف۔ کچھ خود کو اچھی بچی ثابت کرنے کا جنون۔ کمرے میں پہنچتے ہی شیریں نے معذرت کی تھی۔

''یار سوری، میں نے تمہیں ایسی سچویشن میں ڈالا۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔ آئی پرامس آئندہ.....'' عائشہ کی ہنسی میں اُس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ شیریں حیرت سے اُسے ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اُس نے حیرت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ عائشہ کی رکی ہنسی پھر شروع ہوگئی تھی۔ اُسے ایسے ہنستے دیکھ کر شیریں کو بھی ہنسی آگئی تھی اور اب وہ دونوں لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔ نجانے کس بات پر؟ لڑکیوں کو ہنسی کے ایسے دورے کیوں پڑتے ہیں؟

☆☆☆

انگلینڈ شاہ زین کو اچھا لگا تھا۔ بس آسمان یہاں اکثر اُداس رہتا تھا۔ وہ بہت جلدی سیٹل ہو گیا تھا۔ اُس کے اسکول کا دوست احمر بھی تھا یہاں اور بھی کافی دوست بن گئے تھے۔ اور پھر اُسے یہاں سیما ملی تھی۔ سلونی سی، تیکھے نقوش اور ذہانت سے چمکتی بڑی بڑی آنکھوں والی سیما۔ وہ ایک کافی شاپ پر لائن میں لگا اپنا انتظار کر رہا تھا۔ کاؤنٹر پر کھڑی سیاہ فام عورت ایک سفید فام بوڑھے کسٹمر سے اُلجھ پڑی تھی۔

''چلو! مبارک ہو۔ لال گردن والے کو کالی غصیلی عورت ٹکرا گئی ہے۔'' اُس کے پیچھے کھڑی لڑکی نے اُردو میں با آواز بلند خود کلامی کی تھی۔

''شکریہ۔ آپ کو بھی۔'' شاہ زین نے زیرلب مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''اوہ مجھے لگا تم گورے ہو۔ ورنہ اِس قسم کی پولیٹیکلی اِن کوریکٹ اور ریسسٹ باتیں میں اکثر میں دل میں کرتی ہوں۔''

''گورا تو میں بہت ہوں مگر ٹیکنکلی براؤن ہوں۔'' اُس کی بات پر وہ مسکرائی تھی۔

''پاکستان سے؟''

''یس۔''

''میں سیما ہوں۔ انڈیا سے۔'' وہ ہاتھ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

''شاہ زین۔'' وہ ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔ پہلی ملاقات میں ہی وہ اُسے بہت خاص لگی تھی۔ وہ یہاں اسکالرشپ پر ماسٹرز کرنے آئی تھی۔ تھیوریٹکل فزکس میں۔ غیر معمولی طور پر ذہین تھی۔

waqar Azeem www.pakistanipoint.com

شاہ زین کو اُس کی کمپنی بہت اچھی لگتی تھی۔ وقت نہیں لگا تھا اُنہیں بہت اچھا دوست بننے میں۔ احمر اُس کی منگیتر علینہ، وہ اور سیما۔ گروپ بن گیا تھا چاروں کا۔

☆☆☆

نئے شہر کی اجنبیت کم ہوتی جا رہی تھی۔ شیریں سے اُس کی کافی دوستی ہوگئی تھی۔ یونیورسٹی میں بھی کچھ موسمی سہیلیاں بن گئی تھیں۔ مگر اُس کی سب سے بڑی پریشانی جوں کی توں تھی۔ پڑھائی میں اُس کے حالات کوئی اتنے اچھے نہ تھے۔ فرسٹ سمسٹر کا امتحان آیا تھا اور اُسے اندیشہ تھا کر گزر گیا تھا۔ دو مضامین میں اُس کے فیل ہونے کے قوی امکانات تھے۔ ایک کے بعد دوسرا وظیفہ کر رہی تھی۔

''یار، پاس ہو جاؤ گی ان شاء اللہ۔''

شیریں اُس کی حالت دیکھ کر تسلی دے رہی تھی۔

''نہیں ہوں گی، آج تک میرے لیے کوئی معجزہ نہیں ہوا تو اب کیسے ہوگا؟ میرے نصیب میں پھپھو کا بیٹا ہے، یا رشتے داروں کی چاکری۔ بی بی اے تو ویسے ہی میرے بس کا نہیں تھا۔'' مایوسی ڈیرے ڈالے بیٹھی تھی اُس کے دل میں۔

''یار تو چینج کر لو، کوئی آسان فیلڈ لے لو اپنے ذہن کے مطابق۔'' شیریں نے مشورہ دیا تھا۔

''شروع میں کر لیتی تو ہو جاتا کچھ۔ اب فیل ہونے کی خبر کے ساتھ ایسا کوئی خیال کوئی سننے والا نہیں۔ یہی موقع تھا ایک میرے پاس جو گنوا دیا میں نے۔''

''اوہ بہن! ابھی فیل نہیں ہوئیں تم۔ جتنی ٹینشن لے رہی ہو تم رزلٹ سے پہلے ہی ہارٹ فیل کرا لو گی۔'' شیریں نے اُس کی اِس درجے مایوسی پر ماتھا پیٹا تھا۔

''دیکھو جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ اللہ سے اچھی اُمید رکھو۔ چھٹیاں ہیں تمہاری، ریلیکس کرو۔ میرے لیپ ٹاپ میں مووِیز پڑی ہیں کچھ وہی دیکھ لو۔''

عائشہ نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ مگر اگلے دن جب شیریں نے پوچھا کہ کوئی مووی اُسے اچھی لگی تو مجبوراً اُسے کہنا پڑا۔

''یار نہیں دیکھی گئی کوئی بھی، زیادہ شوق بھی نہیں ہے مجھے۔''

''کوئی شوق ہے بھی تمہیں دکھی آتما؟'' شیریں نے سر پیٹ کر پوچھا تھا۔

عائشہ نے اپنے اردگرد کمرے کو دیکھا تھا۔ جب سے آئی تھی دماغ میں آئیڈیاز آ رہے تھے سجانے کے۔ شروع میں بہت ہاتھ روک روک کر خرچ کرتی رہی تھی۔ مگر ابو نے دو مہینے بعد ہی کافی پیسے اور بھیج دیے تھے۔ سو پیسے بھی تھے اُس کے پاس اور نجانے زندگی پھر اُسے دوبارہ یہ حق بھی دیتی کہ اپنا کمرہ اپنی مرضی سے سجا سکے یا نہیں۔

''ایک شوق ہے میرا، مگر اُس کے لیے تمہاری چیزوں کو بھی تھوڑا اِدھر اُدھر کرنا پڑے گا۔'' وہ بولی تھی۔

''اچھا بہن اگر اس روتی صورت پر تھوڑی رونق آ جائے تو یہ بھی برداشت کر لوں گی۔''

عائشہ نے اگلے ہی دن سے مہم شروع کی تھی۔ کھلے پیسے، راہنمائی کے لیے انٹرنیٹ اور پھر کراچی کے بازار۔ ٹپس ہیں تو اچھی بات ہے، نہیں ہیں تو بھی جگاڑ موجود۔ دس دن میں اُس نے کمرے کا وہ نقشہ بدلا تھا کہ دیکھنے والے اش اش کر اُٹھے تھے۔ شیریں کی فرینڈز خصوصی طور پر کمرہ دیکھنے آئی تھیں۔ کئی نے اُس سے پوچھا تھا کہ کیا اُس نے انٹیریر ڈیزائننگ کا کوئی کورس کر رکھا ہے؟

''یار تم نے انٹیریئر ڈیزائننگ کیوں نہیں لی؟'' شیریں نے پوچھا تھا۔

''مطلب کیسے؟'' عائشہ نے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

''بدھو! ڈگری کورسز ہوتے ہیں انٹیریر ڈیزائننگ میں، بی بی اے کے بجائے یہ کر لیتیں، بلکہ میری مانو تو پاس ہوتی ہو یا فیل چھوڑو بی بی اے۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

لک ایٹ دس۔'' اُس نے کمرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ''یو ہیو آ ٹیلنٹ۔''

عائشہ سوچ میں پڑ گئی تھے اُس کی بات سن کر۔

انٹرنیٹ پر مختلف یونیورسٹیز اور کالجز تلاش کیے تھے جہاں ایسے کورسز ہو رہے تھے۔ مگر سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کیا وہ اپنے اُس باپ کو منا سکتی تھی جو اُسے جانتا ہی نہیں تھا اور شاید جاننے میں کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆

اور پھر رزلٹ آ گیا تھا۔ وہی ہوا تھا جس کا اُسے ڈر تھا، ایک سبجیکٹ میں وہ فیل ہو گئی تھی۔ یہ وارننگ تو ابتدا ہی میں جاری کی جا چکی تھی کہ اُس رزلٹ اگر اِس قابل نہ ہوا تو پڑھائی کے بہانے اُسے ہاسٹل میں عیاشیاں نہیں کرنے دی جائیں گی۔ بس رزلٹ تایا ابو کے گھر تک پہنچنے کی دیر تھی۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ شیریں اُسے تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''یار بجائے اس کے کہ یہ بات تمہارے ابو کو کسی اور کے ذریعے پتا چلے، تم خود بتا دو اُنہیں۔ اور پھر کونپس کرنے کی کوشش کرو انٹیریئر ڈیزائننگ میں بیچلرز کے لیے۔'' شیریں نے مشورہ دیا تھا۔

''نہیں مانیں گے۔'' وہ مایوسی سے بولی تھی۔

''کوشش کیے بغیر تو ہار نہ مانو۔ کہہ کر دیکھ تو لو۔'' شیریں ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ نہ کہہ کر اُس نے کیا پا لینا تھا جو کہہ کر کھو سکتا تھا۔ ہمت کر کے اُس نے فون ملایا تھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔ تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کر دیے ہیں میں نے۔ اگلے سمسٹر کی فیس بھی اور خرچے کے لیے پیسے بھی۔'' سپاٹ لہجے میں اطلاع دی گئی تھی۔ کتنی دیر سے وہ الفاظ ترتیب دے رہی تھی مگر اب دماغ خالی سلیٹ ہو رہا تھا۔

''اور کچھ کہنا ہے؟'' اُس کی خاموشی پر دوسری طرف سے اکتاہٹ سے سوال آیا تھا۔

''وہ میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میں فیل ہو گئی ہوں۔'' گھبراہٹ میں یہی نکلا تھا منہ سے۔

''اسی کی توقع تھی مجھے۔ جتنا شوق ہے تمہیں تعلیم کا اُس کا اندازہ ہے مجھے۔'' کاٹ دار لہجے میں کہا گیا تھا۔

''بہرحال کر لیا تم نے شوق پورا، وسیم سے کہوں گا کچھ دن میں آ کر لے جائے گا تمہیں نواب شاہ۔'' قطعی لہجے میں کہا گیا تھا۔

''نہیں ابو! پلیز، میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔ مجھے انٹیریر ڈیزائننگ کا شوق ہے۔ یہاں کراچی میں کافی یونیورسٹیز ہیں جو.....''

''میرے پاس اتنے فالتو پیسے نہیں جو میں فیشن ڈیزائننگ جیسی خرافات پر ضائع کرنے کے لیے دیتا رہوں۔'' دوسری طرف سے اُس کی بات غصے سے کاٹتے ہوئے کہا گیا تھا۔ ''اور جو تمہارے شوق ہیں وہ بھی سمجھتا ہوں میں۔''

جس باپ نے کبھی شفقت سے ہاتھ نہیں رکھا تھا سر پر اُسے کیا حق تھا یوں غصے سے بات کرنے کا؟ جس نے کبھی اُسے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، اُس کے لفظوں میں الزام کیوں تھا؟ ایک اُبال سے اُٹھتا محسوس ہوا تھا عائشہ کو اپنے دل میں۔

''فیشن ڈیزائننگ نہیں، انٹیریر ڈیزائننگ۔ وہ جو گھر وغیرہ سجاتے ہیں۔'' عائشہ نے تصحیح کرنے کی کوشش کی تھی۔

''وسیم سے کہوں گا کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر شادی کر دے تمہاری پھر سجاتی رہنا گھر۔'' اکتاہٹ اور غصے سے بھرپور لہجے میں جواب آیا تھا۔

''میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اور نہ کسی کے در پر پڑی رہنا چاہتی ہوں۔'' عائشہ کے لہجے میں اس بار مظبوطی تھی۔

''جو تم چاہتی ہو، بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں۔'' نخوت سے لفظ چبا چبا کر ادا کیے گئے تھے۔

''جیسی ماں ویسی بیٹی۔''

عائشہ کے دل و دماغ میں آگ بھڑک اُٹھی

www.pakistanipoint.com

تھی۔ کون سی ماں جس کا چہرہ بھی اُس نے نہیں دیکھا تھا؟

''ٹھیک ہے۔'' وہ شعوری طور پر لہجے کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے بولی تھی۔ ''میں گھر جاؤں گی مگر کسی رشتے دار کے نہیں اپنے باپ کے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' سامنے سے سپاٹ لہجے میں جواب آیا تھا۔

''اگر میرے باپ کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں، تو مجھے کسی کے گھر نہیں جانا۔'' اب کی بار عائشہ کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

''تو بھاڑ میں جاؤ، ابھی تو میں نے پیسے بھیج دیے ہیں، آئندہ ایک ٹکا نہیں ملے گا تمہیں۔ پیسے ختم ہو جائیں یا عقل آ جائے تو وسیم کو فون کر کے بلا لینا۔'' درشت لہجے میں کہہ کر فون رکھ دیا گیا تھا۔

کوئی بھرم کوئی خوش فہمی اگر اُسے اپنے باپ کے حوالے سے تھی تو آج ختم ہو گئی تھی۔ پہلے اُسے ہمیشہ اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچ کر دکھ ہوا کرتا تھا۔ آج پہلی بار دکھ پر غصہ حاوی تھا۔

''کیا ہوا؟ سمجھ میں آیا کچھ انکل کو انٹیریر ڈیزائننگ لینے کا آئیڈیا؟'' شیریں نے پوچھا تھا۔

''اپنی بیٹی ہی سمجھ میں نہیں آئی انہیں۔ آئیڈیاز کیا سمجھ میں آتے۔'' وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اذیت سے مسکرا کر بولی تھی۔

''پھر؟'' شیریں نے تشویش سے پوچھا تھا۔

''پھر یہ کہ میں نے رشتے داروں کے گھر پڑے رہنے سے انکار کر دیا۔ جواباً میرے باپ نے مجھے عملاً عاق کر دیا ہے۔''

''ہائے! اب کیا کرو گی؟'' شیریں نے گھبرا کے پوچھا تھا۔

''پتا نہیں مگر اتنا طے ہے، جو فیصلے میرے لیے میرے بارے میں سوچے بغیر کیے جاتے ہیں، وہ تسلیم نہیں کروں گی۔''

وہ آنسو پونچھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ مگر دھیرے دھیرے غصے اور جذبات کی گرد بیٹھی تو اِس سوال کی سنگینی کا ادراک ہوا۔ وہ کیا کرے گی اب؟ ہاسٹل کا خرچا، کالج کی فیس کہاں سے لائے گی؟ انٹریئر ڈیزائننگ میں داخلے کے لیے ایک دو جگہ اپلائی کیا تھا، قوی اُمید تھی کہ داخلہ مل جانا تھا۔ مگر بینک میں موجود رقم اور فیس وغیرہ کا حساب کیا تو بمشکل ایک سمسٹر نکل سکتا تھا۔

اُسے کسی ذریعہ معاش کی اشد ضرورت تھی۔ اخبار اور آن لائن اشتہارات دیکھ کر کچھ جگہ اپلائی کیا تھا۔ مگر نوکری ملنے کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایک تو اُس کی قابلیت کوئی خاص نہ تھی۔ پھر ورکنگ آورز کا مسئلہ تھا۔ صبح کالج تھا اور مغرب کے بعد کام وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

دو دن پہلے ہوٹل میں ریسپشنسٹ کے لیے انٹرویو دے کر آئی تھی مگر کوئی خاص اُمید نہیں تھی۔ مگر خلاف توقع وہاں سے کال آ گئی تھی۔ اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی اور شفٹ بھی ایوننگ پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی تھی۔ اُس نے اگلے ہی دن جوائن کر لیا تھا۔ شروع شروع میں سسٹم سمجھنا تھوڑا مشکل تھا۔ مگر مینیجر اسلم صاحب بڑے بھلے آدمی تھے۔ اکثر مدد کو آ جاتے۔ طبیعتاً بھی ہنس مکھ اور بے تکلف سے تھے۔ وہ اُن کی وجہ سے کافی ریلیکس ہو گئی تھی۔ مگر پھر رفتہ رفتہ اُسے اُن کی یہی بے تکلفی پریشان کرنے لگی۔ کبھی کمپیوٹر پر کچھ بتاتے بتاتے اتنے قریب آ جاتے کہ اُسے گھبراہٹ ہونے لگتی۔ کبھی اُس کا ہاتھ پکڑ لیتے، کبھی کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے، اسے ناگواری تو بہت محسوس ہوتی مگر پھر وہ اُسے بیٹا بھی تو کہتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر اُس دن کمپیوٹر پر ڈیٹا انٹری سکھاتے ہوئے وہ اتنے قریب آ گئے کہ اُسے ان کی سانس اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگی۔ کندھے پر رکھا اُن کا ہاتھ اب گردن پر رینگنے لگا تھا۔ چند لمحے اُس کا دماغ تعفن سے سن سا ہو گیا۔ مگر پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پر رکھا گلاس گرا دیا تھا۔ یک دم گلاس ٹوٹنے کی آواز پر وہ پیچھے ہٹے تھے وہ اُٹھ کر اُن

Yaqar Azeem www.pakistanipoint.com

سے حتی المقدور فاصلے پر کھڑی ہوگئی۔

''احتیاط سے بڑی کول سی ہو تم۔'' وہ خباثت سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔ ''میں سویپر کو بھیجتا ہوں۔''

اُن کے جاتے ہی عائشہ نے اپنا دوپٹا پھیلا کر اپنے گرد لپیٹ لیا تھا۔ مگر وہ پورے ارض کا دوپٹا بھی اُسے اِس وقت اپنا آپ چھپانے کے لیے کم محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اُس نے چھٹی کر لی۔ کیا کرے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ شکایت کرنا دیوانے کا خواب تھا۔ وہ شخص برسوں سے وہاں کام کر رہا تھا، اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ کل کی آئی لڑکی کی بات پر کوئی کیوں یقین کرتا۔ اور اگر کرتا بھی تو کیا وہ اتنی اہم تھی کہ اُس کی خاطر کوئی خاص ایکشن لیا جاتا۔ وہ باتوں باتوں میں یہ بات بھی اُسے جتا چکا تھا کہ صرف اُس کی وجہ سے اُسے یہ نوکری ملی تھی۔ وہ اُسے اچھی لگی تھی انٹرویو والے دن۔ نوکری چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر چھوڑ کر آگے کیا کرے گی؟ دماغ سوچ سوچ کر سن ہوا جا رہا تھا۔ اچانک اُس کا فون بجا۔ اُس نے اُٹھایا تو دوسری طرف وہی تھا۔ بڑے میٹھے لہجے میں اُس کی خیریت دریافت کی گئی تھی۔ ساتھ یہ بھی جتا دیا گیا کہ ایسے چھٹی ملتی نہیں ہے۔ یہ اُس کی خاطر اُن کی خاص عنایت ہے۔ اُس نے جواباً نوکری چھوڑنے کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا کہ کل استعفیٰ بھجوا دے گی۔

''مس عائشہ! آپ نے ہمارے ساتھ کنٹریکٹ سائن کیا ہے۔'' شہد ٹپکاتا لہجہ یک دم سرد ہو گیا تھا۔

''آپ بغیر ایک مہینے کا نوٹس پیریڈ شو کیے بنا نہیں چھوڑ سکتیں۔ بصورت دیگر آپ کے خلاف ہم قانونی کاروائی کے مجاز ہیں۔'' سخت لہجے میں اُسے تنبیہ کی گئی تھی۔ عائشہ کے تو حواس گم ہو گئے تھے۔

''کیوں اتنی مشکل میں پڑتی ہیں۔ آپ ہمارا کچھ خیال رکھیں، ہم آپ کا بہت خیال رکھیں گے۔ آخر باہمی تعاون پر ہی تو دنیا قائم ہے۔'' وہ کہہ کر خباثت سے ہنسا تھا۔

☆☆☆

شیریں یونیورسٹی سے واپس آئی تو عائشہ فق رنگت کے ساتھ ایک خالی سفری بیگ پکڑے بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا، ہوائیاں کیوں اُڑی ہوئی ہیں؟'' شیریں نے پوچھا تھا۔ جواباً اُس نے ساری کہانی مختصراً سنا دی۔

''میرا خیال ہے مجھے چلے جانا چاہیے اپنے چچا کے گھر۔ کم از کم میں محفوظ تو ہوں وہاں۔ ایک مہینہ تو کیا ایک دن میں بھی نہ جانے میرے ساتھ کیا ہو جائے۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ خوف سے دماغ مفلوج سا ہو رہا تھا۔

''یار میرے خیال میں وہ صرف تمہیں سادہ سمجھ کر دھمکا رہا ہے۔ بہت سے لوگ نوٹس پیریڈ سرو کیے بغیر چھوڑ دیتے ہوں گے۔ ایمرجنسی نوعیت کے خاندانی مسائل درپیش آسکتے ہیں۔ بیماری، موت، حادثے نوٹس پیریڈ دے کے تھوڑی آتے ہیں؟'' شیریں کچھ سوچ کر رسان سے بولی تھی۔

''اگر وہ واقعی میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر سکتا ہو تو میری تو ضمانت دینے والا بھی کوئی نہیں۔'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی تھی۔

اِسی اثناء میں اُس کا فون بجا تھا۔

''اسی کا ہے؟'' شیریں نے اُس کے تاثرات دیکھ کر اندازہ لگایا تھا۔ عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''مجھے دو۔'' شیریں نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا تھا۔ عائشہ نے خاموشی سے فون اُس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''ہیلو۔ نہیں، میں عائشہ نہیں بول رہی۔ اُس کی کزن بات کر رہی ہوں۔'' شیریں سنجیدہ لہجے میں اعتماد سے بول رہی تھی۔

www.paksociety.com

''عائشہ بتا رہی تھی کہ وہ چھوڑنا چاہتی ہے نوکری اور آپ کہہ رہے ہیں وہ نہیں چھوڑ سکتی؟'' وہ دوسری جانب سے جواب سننے کے لیے رکی تھی۔ وہاں سے جانے کیا کہا گیا تھا۔

''اچھا! تو پھر آپ کر لیں قانونی کاروائی۔ نوکری تو اُس نے چھوڑ دی ہے آج ہی۔'' وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''مگر اُس کے لیے آپ میرے گھر کا پتا نوٹ کر لیں، میرے گھر آئی ہوئی یہ چند دنوں کے لیے۔ ویسے بھی پولیس کے لیے زیادہ آسان ہوگا میرا گھر ڈھونڈنا پولیس لائن میں جو ہے۔ ڈی ایس پی الٰہی بخش مہر کا گھر..... آرام سے پہنچ جائیں گے۔''

عائشہ حیرت سے اُسے اتنے اعتماد سے جھوٹ بولتے دیکھ رہی تھی۔ آگے سے جواب میں جو بھی کہا گیا تھا، وہ ایک دم بھڑکی تھی۔

''رولز مائی فٹ۔ خبیث بڈھے! بیٹی کی عمر کی لڑکی کو ہراساں کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ تمہارا تو میں وہ حشر کرواؤں گی کہ یاد رکھو گے۔ اِس بار غلط جگہ ہاتھ ڈالا ہے تم نے، جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔''

شیریں تڑی لگا کر چپ ہوگئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی سے سنتی رہی پھر گویا ہوئی تھی۔

''دوبارہ اگر اُس کے نمبر پر ایک میسج بھی کیا تو یاد رکھنا صرف نوکری نہیں جائے گی تمہاری۔'' شیریں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہہ کر فون رکھ دیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' عائشہ نے فوراً پوچھا تھا۔

''معافیاں مانگ رہا تھا آخر میں۔ ایسے لوگ بزدل ہوتے ہیں۔ کمزور کو دیکھ کر شکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''مگر اگر اُس نے چیک کر لیا کہ پولیس لائن میں ایسے کسی ڈی ایس پی کا گھر ہے بھی کہ نہیں؟'' عائشہ کے دل میں دھڑکا ابھی باقی تھا۔

''ٹینشن ناٹ۔ اِس نام کے ایک ڈی ایس پی صاحب رہتے ہیں پولیس لائنز میں، میرے بھائی کے جاننے والے ہیں۔ اگر کوئی ایشو ہوا تو میں بھائی سے بات بھی کر سکتی ہوں۔ مگر میرا نہیں خیال اِس کی کوئی ضرورت پڑے گی۔''

شیریں رسان سے بولی تھی۔ عائشہ کے خوف سے تنے اعصاب مطمئن ہونے لگے۔ اِس ناگہانی آفت سے جان چھٹی تو پھر فکر معاش نے گھیر لیا۔

کالج شروع ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ مگر کسی نوکری کا کوئی امکان ابھی دور دور تک نہ تھا۔ ابھی ابھی فون پر ایک ناکام انٹرویو دے کر فارغ ہوئی تھی۔

''قسم سے یار میں تو نرسری کے بچے کو ٹیوشن دینے کے لائق بھی نہیں ہوں۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''ویسے کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میری قابلیت کے مطابق میرے لیے بہترین پوزیشن ماسی کی ہے۔'' وہ خود پر ہنستے ہوئے بول رہی تھی۔

''اُس کی بھرپور ٹریننگ کرائی گئی ہے مجھے۔ شیشے کی طرح گھر چمکا سکتی ہوں۔ برتن ایسے دھوتی ہوں کہ چہرہ نظر آئے۔ کپڑے تو ایسے استری کرتی ہوں کہ دھوبی بھی کیا کرتے ہوں گے۔ کھانا پکانا، اور تو اور سلائی بھی سکھائی تائی امی نے مجھے۔ ٹیلر کے بل کی بھی بچت اور اگلے گھر جاؤں گی تو کوئی یہ بھی نہیں کہے گا کہ بن ماں کی بچی کو تائی نے سلائی بھی نہیں سکھائی۔'' وہ زبانی اپنی سی وی سنا رہی تھی۔

''ویٹ۔ تم سلائی کر سکتی ہو؟'' شیریں اُسے روک کر بولی تھی۔

''ہاؤ گڈ یو آر ایٹ دیٹ؟''

''ٹھیک ہی سی لیتی ہوں، صفائی تو ہے میرے۔'' کہتے کہتے عائشہ کے ذہن میں بھی جھماکا ہوا تھا۔

''ہاں یار میں کپڑے بھی تو سی سکتی ہوں۔''

''ایگزیکٹلی، ٹیلرز تو ہر وقت ڈیمانڈ میں رہتے ہیں۔'' شیریں پرجوش انداز میں بولی تھی۔

''مگر مجھے کپڑے کون دے گا؟'' عائشہ سوچتے

www.paksociety.com

ہوئے بولی تھی۔

''فکر نہ کرو یہیں ہوسٹل میں لڑکیوں نے جوڑے رکھے ہوں گے درزی کے انتظار میں۔''

شیریں نے تسلی دی تھی اور واقعی پھر شیریں نے ایسی بات پھیلائی ہاسٹل میں کہ کئی لڑکیاں لے آئیں کپڑے اُس کے پاس سلوانے۔ پہلی بار جب ایک لڑکی نے سلائی کے پیسے رکھے اُس کے ہاتھ پر تو ایک طاقت سی سرائیت کرگئی اُس کے اندر۔ وہ کرسکتی تھی یہ۔

☆☆☆

کالج شروع ہوگیا تھا اُس کا۔ اِس بار تعلیم اور تعلیمی ادارے کا تجربہ ماضی کے تجربات سے یکسر مختلف تھا۔ پڑھنا، سیکھنا شوق کا، جستجو کا سفر تھا۔ کوئی پیچیدہ کام نہیں جسے نمٹانا ضروری تھا۔ پہلی بار وہ ایسے اسٹوڈنٹس میں شامل ہوئی تھی جن کی کلاس میں موجودگی کو استاد محسوس کرتا ہے۔ پہلی بار زندگی میں اُسے لگ رہا تھا کہ اُس میں بھی کوئی قابلیت تھی۔ مگر معاشی صورتحال اب تک تسلی بخش نہ تھی۔ وہ پڑھے سی رہی تھی، کچھ پیسے بھی آرہے تھے مگر آمدن اور اخراجات میں توازن نہیں تھا۔ پھر ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ کبھی کپڑے اتنے مل جاتے تھے کہ اس کے لیے مقررہ وقت میں سی کر دینا ناممکن ہوجاتا۔ کالج کے علاوہ اُسے شیریں کا شیڈول بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ وہ مشین کی آواز سے کم سے کم ڈسٹرب ہو۔ کبھی اُس کے پاس وقت ہی وقت ہوتا مگر سینے کے لیے کپڑے نہیں۔

آج وہ میس میں کھڑی فلٹر سے اپنی پانی کی بوتل بھر رہی تھی۔ پاس ہی دو کام والی ماسیاں بات کر رہی تھیں۔

''فریدہ کیسی ہے؟ کام کر رہی ہے کہیں؟'' ایک نے دوسری سے پوچھا تھا۔

''کام نہیں کرے گی تو کیا کرے گی بے چاری مگر تھوڑی پریشان ہے۔ اُس کی بیگم صاحب کہتی ہے صبح چھ بجے آؤ، بچوں کو تیار کر کے اسکول بھیجو، اُوپر سے اُس کے ساس سسر بھی زمین دار لوگ ہیں گاؤں کے عادی۔ تڑکے ناشتہ چاہیے ہوتا ہے اُنہیں۔ تمہیں تو پتا ہے کتنی چرپی چڑھی ہوئی ہے اِن بیگمات کو دس بارہ بجے سے پہلے کہاں نیندیں ٹوٹتی ہیں ان کی۔''

''ہائے فریدہ کے تو اپنے بچے اسکول جاتے ہیں، وہ کیسے اتنی جلدی جا سکتی ہے؟'' دوسری نے ہمدردی سے کہا تھا۔

''چھوڑنا نہیں چاہتی یہ۔ کھلے ہاتھ کے لوگ ہیں پیسے اچھے دیتے ہیں۔ کھانا پینا بھی کافی لے جاتی ہے بچا ہوا گھر۔ کہہ رہے ہیں کوئی اور بھروسے والی ڈھونڈ دو صبح کے کام کے لیے بے شک۔ مگر اتنی صبح کے لیے کوئی تیار نہیں۔''

عائشہ یہ گفتگو سن کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔ کسی کے گھر کام؟ جھجک تو مانع تھی مگر حالات کا تقاضا کچھ اور تھا۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوں گے، وہ وہاں محفوظ تو ہوگی؟ پیسے کتنے دیں گے؟ دور کتنا ہے؟ جھوٹے بھرم وہ اِس وقت افورڈ نہیں کرسکتی تھی۔ سو آگے کا سوچنے لگی تھی۔ ماسی سے اُس نے فریدہ کا نمبر یہ کہہ کر لیا تھا کہ وہ جانتی ہے ایک ایسی بندی کو جو صبح کام کرسکتی ہے۔ کچھ لے دے کے بعد تین ہزار پر بات طے ہوئی تھی۔ گھر خوش قسمتی سے قریب ہی تھا۔ وہ اذانوں کے ساتھ ہی اُٹھ کر تیار ہوگئی تھی۔ فجر پڑھ کر نکلنے لگی تھی کہ شیریں کی آنکھ کھل گئی۔

''تم اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟'' اُس نے زبردستی آنکھیں کھولتے ہوئے پوچھا تھا۔ دوست ہی سہی۔ مگر معاشی عدم مساوات کی اِس دنیا میں اُسے بھی بتانا مشکل لگ رہا تھا کہ اُس نے ایک گھر میں پارٹ ٹائم ماسی کی نوکری کرلی ہے۔

''عبادت کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولی تھی۔

''ہیں؟ مسجد جا رہی ہو؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''نہیں، حصولِ رزقِ حلال بھی عبادت ہے۔'' عائشہ کہہ کر نکل گئی تھی۔ شیریں چند لمحے اُس کے

www.pakistanipoint.com

پیچھے بند ہونے والے دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر چادر سر سے تان لی تھی۔

پانچ منٹ کی واک تھی۔ مسجد بھی پڑتی تھی درمیان میں۔ سو اتنی صبح ہونے کے باوجود راستہ ویران نہیں تھا۔ اُسے کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔ بیگم صاحبہ نے ادھ کھلی ادھ بند آنکھوں سے اُس کا استقبال کیا تھا۔ اور مختصر سی ہدایات کے بعد دوبارہ سونے چلی گئی تھیں۔ اُس نے ہدایات کے مطابق بچوں کے لنچ اور اور ناشتے کی تیاری کی تھی۔ اور پھر اُنہیں اُٹھا کر تیار کیا تھا۔ شکر ہے بچے تمیز دار تھے۔ انہیں رخصت کر کے واپس آئی تو ایک بزرگ خاتون لاؤنج میں کچن کے عین سامنے براجمان تھیں۔ یہ یقیناً ''ساسو ماں'' تھیں جنہیں اُس نے ناشتہ دینا تھا۔ اُس نے جھٹ سلام داغا۔ جواب دینے سے پہلے اُنہوں نے سر سے پاؤں تک اُس کا کھوجتی نظروں سے تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ پھر ماتھے سے تیوری ہٹائے بغیر ہی جواب دیا تھا۔

''جی ناشتے میں کیا بناؤں میں آپ کے لیے؟'' وہ اُن کی جانچتی نظروں سے قدرے نروس ہو رہی تھی۔ ناشتے کے لیے ہدایات لے کر وہ واپس کچن میں آ گئی تھی۔ لاؤنج میں بڑے صاحب کی بھی انٹری ہوئی تھی۔

''ہائے چوہدری صاحب! دیکھیں ذرا اپنی بہو کی حرکتیں۔'' وہ بولی تھیں۔

''اب کیا ہو گیا؟'' چوہدری صاحب نے پوچھا تھا۔

''جوان جہان لڑکی کو منہ اندھیرے گھر میں گھسا کر خود سونے چلی گئی ہے۔'' اُس کی نیند نہ ٹوٹے گھر بھلے کوئی لوٹ کے لے جائے۔ ہائے اللہ معافی! یہ تو شکل سے بھی کام والی نہیں لگتی۔ پتا نہیں کس نیت سے آئی ہے۔'' وہ بولی تھیں۔

''کیوں کام والیوں کی شکل پہ کچھ خاص لکھا ہوتا ہے؟'' بڑے میاں کچھ بیزاری سے بولے تھے۔

''میں نے بال دھوپ میں نہیں سفید کیے۔ زمین، مال مویشی سب سنبھالا ہے، درجنوں ملازموں سے کام لیتی تھی میں۔ دنیاداری آپ سے بہتر.....'' اُسے ناشتا لاتے دیکھ کر اُن کی فراٹے بھرتی زبان رک گئی تھی۔ اُس نے چوہدری صاحب کو سلام کر کے ناشتا رکھا تھا۔ بڑی بیگم صاحبہ کے برخلاف اُنہوں نے شفقت سے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

اِس سے پہلے کہ وہ ناشتا رکھ کر پلٹتی بڑی بی نے اُسے روک کر تفصیلی انٹرویو شروع کر دیا۔ وہ یہی سوچ کر آئی تھی کے یہی ظاہر کرے گی کہ عام کام والی ہے مگر بڑی بی کے شکی انداز کو دیکھ کر اُسے یہ کوئی عقل مندانہ فیصلہ نہ لگا۔

''میرے والد کا بحرین میں بزنس تھا۔ اُس میں اتنا نقصان ہوا کہ سب ختم ہو گیا۔ اب وہ اِس پوزیشن میں نہیں کہ میری پڑھائی کا خرچہ برداشت کر سکیں۔ تو میں خود کوشش کر رہی ہوں کہ تعلیم جاری رکھ سکوں۔''

پورا نہیں تو آدھا سچ تو اُس نے بول ہی دیا تھا۔ بڑی بیگم صاحبہ چند دن اُسے یوں ہی مشکوک نظروں سے دیکھتی رہیں پھر آہستہ آہستہ اُن کا رویہ بہتر ہونے لگا۔ اور سچ تو یہ تھا کہ ایک جہاں دیدہ بزرگ خاتون کی موجودگی اُسے تحفظ کا احساس دلاتی تھی۔

☆☆☆

آج کلاس میں ایک اسائنمنٹ پر ریمارکس ملنے تھے۔ اُس نے اس اسائنمنٹ پر بڑی محنت کی تھی۔

''سب سے زیادہ جو اسائنمنٹ مجھے امپریسیو لگا وہ ہے عائشہ کا۔'' میڈم منیزہ ملٹی میڈیا پر اُس کا اسائنمنٹ ڈسپلے کرتے ہوئے بولی تھیں۔ اُسے تو یقین نہیں آ رہا تھا۔ پوری کلاس میں میڈم نے اُس کا اسائنمنٹ چنا تھا ڈسکشن کے لیے۔ کچھ غلطیوں کی بھی نشاندہی ہوئی تھی مگر مجموعی طور پر ریمارکس مثبت

waqar Azeem www.pakistanipoint.com

تھے۔

''گڈ جاب عائشہ۔'' آخر میں انہوں نے کہا تھا۔ چھوٹی سی کامیابی تھی مگر حوصلہ دلا رہی تھی۔ اچھے مستقبل کی نوید دے رہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی روم میں داخل ہوئی تھی۔ شیریں کے پوچھنے پر اپنا رازِ مسرت اُس سے شیئر کیا تھا۔

''چلو اِس خوشی میں تمہیں گول گپے کھلاتی ہوں۔'' وہ سیلیبریٹ کرنے کے موڈ میں تھی۔

''یار میں تو فرحان کے ساتھ باہر جا رہی ہوں ابھی۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تھی۔ فرحان یونیورسٹی میں اُس کا سینئر تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔

''اوکے۔ اوکے۔ تم جاؤ ہم پھر کسی دن چلے جائیں گے۔'' عائشہ نے کہا تھا۔

''تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتیں؟ اِسی بہانے تم اپنے ہونے والے دولہا بھائی سے بھی مل لو گی۔'' شیریں کو آئیڈیا آیا تھا۔

''نہیں یار! بلاوجہ میں کباب میں ہڈی بن جاؤں گی۔'' عائشہ کو مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ مگر شیریں مصر ہوگئی تو اُسے ماننا پڑا۔ فرحان نے اُنہیں ہوسٹل سے کچھ فاصلے پر اپنی کار میں پک کیا تھا۔ گورا چٹا مناسب نین نقش کا مالک فرحان بظاہر کافی اچھی پرسنالٹی کا اور بہت بے تکلف طبیعت کا مالک تھا۔

''اوہ تو یہ ہیں عائشہ، ارے یہ تو میرے خوابوں سے بڑھ کر نکلی۔'' شیریں کے تعارف کرانے پر وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

عائشہ جھینپ گئی۔ شیریں نے اُس کی بات پر ایک دھب اُسے رسید کیا تھا۔

''میرے علاوہ لڑکیوں کو خواب میں دیکھنا چھوڑ دو۔''

''کیا کروں تم ہی پورا دن عائشہ عائشہ کرتی رہتی ہو۔'' وہ بازو سہلاتے ہوئے بولا تھا۔

شیریں آگے والی سیٹ پر اُس کے برابر بیٹھی حسبِ عادت بلاتکان بولے جا رہی تھی۔ فرحان نے البتہ کئی بار اُسے گفتگو میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ مگر اجنبیوں سے اُس کی جھجک اور اُس کی کم گو فطرت کے باعث فرحان کی کوشش بے سود ہی رہی تھی۔ وہ ہاں ہوں کر کے چپ ہوگئی۔ اُس کے بعد بھی اُسے محسوس ہوا کہ وہ بیک ویو مرر میں بار بار اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جگہ بدلی تو اُس نے شیشے کا رخ بدل کر پھر اُسے فوکس میں کر لیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بھی عائشہ کو اُس کی نظریں خود پر محسوس ہوتی رہیں اور وہ اِس آؤٹنگ کے ختم ہونے کی گھڑیاں گنتی رہی۔

''یار آپ دونوں کمیٹڈ ہیں ایک دوسرے کے ساتھ تو فیملیز کو بتا نہیں دینا چاہیے اب؟'' وہ واپس آنے کے بعد کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''یار فرحان کے کچھ فیملی ایشوز ہیں ابھی۔'' شیریں بے فکری سے بولی تھی۔ مگر عائشہ کو ایشوز فیملی کے نہیں کچھ اور ہی لگ رہے تھے۔ مگر کچھ کہہ نا سکی۔ کیا کہتی؟ ہوسکتا ہے اُسی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔

پھر ایک دن شیریں نے اُس سے فون مانگا تھا۔

''یار فرحان نے ٹیلی نار پہ پیکج کرایا ہوا ہے پلیز اپنا فون دینا میرا یوفون ہے۔'' اُس رات وہ فون لے کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ مگر اُس کے بعد اکثر اُسے فرحان کے نمبر سے میسجز آنے لگے۔ پہلے فارورڈ میسجز جن میں ذومعنی اور رومانٹک شاعری تھی شامل تھی۔ پھر گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ باقاعدگی سے کہا جانے لگا۔ اور آج میسج آیا تھا۔

''ناراض ہو مجھ سے سنڈریلا؟'' اب تک اُس نے شیریں سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر اب اُسے لگا مزید خاموش رہنا شیریں کو اندھیرے میں رکھنے جیسا تھا۔

''شیریں! تمہیں یقین ہے کہ فرحان تمہارے ساتھ مخلص ہے؟''

''ہاں۔ کیا ہوا؟'' عائشہ نے جواباً اپنا فون اُس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''یار! فرحان بہت فرینڈلی سی نیچر کا مالک

ہے۔ عادت ہے اُس کی سب سے ہنسی مذاق کرنا۔ سوری اگر تمہیں برا لگا۔'' اُس نے فرحان کی صفائی پیش کی تھی مگر اُس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

شیریں اُس دن کے بعد سے خاموش خاموش تھی۔ آج باہر جانے کے لیے تیار ہوئی تو عائشہ نے پوچھ لیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''فرحان کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔'' وہ پرس کندھے پر ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

''سنبھل کر۔ کچھ لوگ اِس قابل نہیں ہوتے کہ اُن پر سچے جذبے لٹائے جائیں۔'' عائشہ سمجھانے والے انداز میں بولی تھی۔

''یار تم اوورری ایکٹ کر رہی ہو چھوٹی سی بات پر۔ یہ اُس کا اسٹائل ہے۔'' شیریں جھلائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''اینڈ بائے داوے فرحان کو کونفیڈنٹ، ماڈرن قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔ یہ گاؤں کی گوری ٹائپ ٹیسٹ نہیں ہے اس خوش فہمی نکال لو دل سے۔'' اب کے لہجہ کچھ تضحیک آمیز تھا۔ مگر عائشہ کو غصہ نہیں ترس آیا تھا۔

''میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ فرحان اُن لڑکوں میں سے ہے جن کا کوئی ٹیسٹ نہیں ہوتا۔ کہیں بھی منہ مار سکتے ہیں۔'' عائشہ کے دھیمے لہجے کے باوجود شیریں بھڑک اُٹھی تھی۔

''میں فرحان کے بارے میں تمہارے خیالات سننے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' شیریں غصے سے بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

ایک مہینہ ہو چلا تھا اُس کی اور شیریں کی بات چیت بند تھی۔ مگر کل سے وہ دیکھ رہی تھی کہ شیریں بہت مضمحل تھی۔ کئی گھنٹے سے چادر تانے دیوار کی جانب منہ کیے بیڈ پر پڑی تھی۔ شاید آج کالج بھی نہیں گئی تھی۔ کہیں بیمار تو نہیں ہے؟ اُسے فکر ہوئی۔

''شیریں؟''

''ہوں؟'' وہ اُسی طرح لیٹے لیٹے بولی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

''ٹھیک ہوں۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولی تھی۔ مگر رندھی ہوئی آواز اور رو رو کر سوجی ہوئی آنکھیں کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟ اتنی پریشان کیوں ہو؟'' عائشہ نے نرمی سے پوچھا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ میں نے اُس کی باتوں میں آ کر تمہاری بات کا یقین نہیں کیا۔ سچ یہ ہے کہ میں یقین کرنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ جو شخص دو سال سے مجھ سے محبت کے دعوے کر رہا ہے، دھوکا دے رہا ہے مجھے..... مگر یہ دعوے تو اُس نے جانے اور کتنی لڑکیوں سے کر رکھے ہیں۔ آج رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو شرمندہ تک نہیں تھا۔ مجھے کہا اُس نے کہ میں بہت عام سی ہوں، ہی از ٹو گڈ فار می۔''

''ہاں وہ بہت خاص ہے۔ ناک دیکھی ہے اس کی۔ کپڑا باندھ کر سنکھے صاف کر لیتا ہے۔'' عائشہ نے فرحان کی کچھ ضرورت سے زیادہ لمبی ناک پر چوٹ کی تھی۔

شیریں روتے روتے تھوڑا سا ہنسی تھی۔ پھر دوبارہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''یار اتنے کمینے بندے کے لیے میرا دل کیوں اتنا دکھ رہا ہے؟ تمہیں اپنا کزن کبھی یاد نہیں آتا؟ تم کبھی بات نہیں کرتیں اُس کے بارے میں۔''

''کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ یہ سب ایک خواب ہو اور آنکھ کھلے تو میں واپس اُسی وقت میں چلی جاؤں۔ جب میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں نہ کبھی ایسا احساس تحفظ محسوس کیا اور نہ خوشی۔ جو اُس کی محبت کی خوش فہمی نے دی تھی مجھے۔ پتا ہے اُس کی دی ہوئی انگوٹھی بیچ دی میں نے۔ کبھی کبھی یہ سوچ کر گھبرا جاتی ہوں کے اگر وہ پلٹ آیا تو کیا کہوں گی اُسے کیوں نہیں سنبھال کر رکھی میں نے؟ بہانے سوچنے لگتی ہوں۔'' وہ کہہ کر ہلکے سے ہنسی تھی۔

Iqra Azeem
www.pakistanidigest.com

''جیسے پلٹ ہی آئے گا وہ''

''چائے پیو گی؟'' اس نے نم آنکھیں پونچھتے ہوئے شیریں سے پوچھا تھا۔

''ہاں یار! پلاؤ، سر میں درد ہو گیا ہے رو رو کے۔'' شیریں اپنا سر دباتے ہوئے بولی تھی۔

''ویسے بھی تمہارے ہاتھ کی چائے بہت مس کر رہی تھی۔''

☆☆☆

بڑی بیگم صاحبہ کے ساتھ اُس کے تعلقات کافی اچھے ہو گئے تھے۔ وہ عمر کے اُس دور میں تھیں جہاں سامع کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچپن کی یادیں، جوانی کے قصے، بہو کی کام چوری اور فضول خرچی پر بے لاگ تبصرے۔ وہ کہے جاتیں اور وہ کام کرتے ہوئے خاموشی سے سنتی رہتی۔

آج دلیہ اُٹھاتے ہوئے پیالہ اُن کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر مدد کو آئی تھی۔ اُن کے کہنے پر الماری سے بدلنے کے لیے کپڑے نکالے تھے۔

''نہیں وہ کاسنی والا دے دو یہ والا بہت تنگ سی دیا ہے درزی منحوس نے۔ کسی کو دینے کے لیے رکھا ہے۔'' وہ کپڑے بدل چکیں تو اس نے ناشتہ دوبارہ رکھا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر حیا مانع تھی۔

''کیا بات ہے لڑکی؟'' جہاں دیدہ خاتون تھیں اُس کو انگلیاں مروڑتے دیکھ کر سمجھ گئیں۔

''اگر وہ جوڑا آپ نے نہیں پہننا تو مجھے دے دیں۔'' بڑا مشکل تھا اُس کے لیے یہ الفاظ ادا کرنا۔ مگر ضرورت ایجاد ہی نہیں ہمت کی بھی ماں ہے۔ کراچی کی گرمی میں کہیں پیدل، کہیں پبلک بسوں کا سفر۔ دھل دھل کر اُس کے کپڑے گھس چکے تھے۔ نئے کپڑوں کی اُس کو ضرورت تھی مگر آمدن اور اخراجات میں عدم توازن اسے اس عیاشی سے روک رہا تھا۔

''لے لو مگر بڈھا رنگ ہے۔ سادہ سا سلا ہوا تم کالج میں پہنو گی۔ اچھا ٹھہرو کل میں نورین سے کہتی ہوں۔ اپنے کوئی کپڑے دینے والے ہوں تو نکال دے۔ نئے نئے جوڑے چھینتی ہے ہر سال۔ اس اسٹائل کا اب فیشن نہیں ہے۔ یہ پچھلے سال کا پرنٹ ہے۔ اس سال پہن لے گی تو پرچہ نہیں کٹ جائے گا اس پر۔ پانی کی طرح پیسہ بہاتی ہے۔'' بیگم صاحبہ پھر شروع ہو چکی تھیں بہو کی مدح سرائی میں۔

اگلے دن اُس نے ان ہی کے دیے جوڑوں میں سے ایک جوڑا نکال کر پہنا تھا جس کو وہ رات کو اپنے ناپ کا کر چکی تھی۔ اتنا نفیس قیمتی جوڑا اُس نے زندگی میں پہلی بار پہنا تھا۔ جچ بھی رہا تھا مگر آنکھیں جھلملا گئی تھیں کسی کی اُترن میں خود کو دیکھ کر۔

''ہونہہ پہلی بار تو نہیں پہن رہی۔'' اُس نے خود کو یاد دلایا تھا، ہاں بس ایسے موقعوں پر تائی امی شاہانہ اور اُس کو بہنیں بنا لیتی تھیں۔ اور چھوٹی بہنیں تو پہنتی ہیں بڑی بہنوں کے کپڑے۔ شیریں جاگ رہی تھی پیپر تھا اُس کا آج۔ اُس کا نیا جوڑا دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں حیرت ضرور اُتری تھی۔ مگر اُس کا چہرہ دیکھ کر اُس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ایک اچھی دوست کی طرح۔ 'اچھا لگ رہا ہے' کہہ کر کتاب پر جھک گئی تھی۔

☆☆☆

فرسٹ سمسٹر کا رزلٹ آ گیا تھا۔ اُس کی کلاس میں دوسری پوزیشن تھی۔ وہ خوش تھی، بہت خوش۔ وہ نااہل اور نالائق نہیں تھی۔ اُس نے اپنے ابو کا نمبر ملایا تھا۔ وہ اُنہیں بتانا چاہتی تھی کہ اُس میں بھی قابلیت تھی، وہ بھی زندگی میں کچھ کر سکتی تھی۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' اُس کے سوال کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

''میرا فرسٹ سمسٹر ختم ہو گیا ہے انٹیریر ڈیزائننگ میں۔ سیکنڈ پوزیشن آئی ہے میری کلاس میں۔'' عائشہ بولی تھی۔

''تو؟ ڈاکٹر بن گئی ہو تم؟ انجینئر بن گئی ہو تم؟ پڑھ کیا رہی ہو تم؟ جو تمہاری کامیابی پہ جشن بنایا جائے۔''

عائشہ کا دل بجھ گیا پھر بھی ایک کوشش کی۔

www.pakistanipoint.com

''یہ باقاعدہ ڈگری کورس ہے ،اور اس کا اسکوپ.....''

''جیسے ختم ہو گئے؟''

''نہیں، باقی ہیں کچھ ابھی۔''

''چلو پھر کچھ دن اور عیاشی کر لو۔'' کاٹ دار لہجے میں کہا گیا تھا۔

بے بسی، غصے اور مایوسی کے مارے وہ کچھ نہ بول پائی۔

''وسیم کی طرف چلی جاؤ۔ وہاں بے شک کسی کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لے لینا۔'' قدرے مصالحانہ لہجے میں رعایت پیش کی گئی۔

''وہاں میں انٹریڈیزائننگ نہیں پڑھ سکتی۔''

''تو پھر بھاڑ میں جاؤ۔'' فون کاٹ دیا گیا تھا۔

عائشہ نے چھلکنے کو بے تاب آنکھوں کو رگڑا تھا۔ آج کا دن رونے کے لیے نہیں تھا۔ اُس کی کامیابی کے کسی اور کے نزدیک کوئی معانی تھے یا نہیں مگر اُس کے لیے تو جشن منانے کا دن تھا۔ اُس نے بجٹ کو بالائے طاق رکھ کر آج کالج سے واپسی پر مہنگی سی بیکری سے کیک خریدا تھا۔

آج کلاس میں وہ تھوڑا لیٹ پہنچی تھی۔ آخری رو میں جگہ خالی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ برابر میں بیٹھی لڑکی نے مسکرا کر ہائے کہا تھا۔ اُس نے جواب دیا مگر اُس کی ضرورت نہیں تھی شاید۔ کیونکہ اگلے ہی لمحے وہ اپنے فون میں مگن ہو گئی تھی اور کانوں میں ایئر فون لگے ہوئے تھے۔ عجیب لڑکی تھی یہ، نتاشا نام تھا۔ حسن تو چھپڑ پھاڑ کے دیا ہی تھا اوپر والے نے۔ امارت بھی چھلکتی تھی ہر ہر ادا سے۔ اپنی سرخ اسپورٹس کار میں آتی تھی۔ پوری یونیورسٹی میں چرچے تھے۔ مگر تھی کچھ پاگل سی اور بہت دل پھینک بھی۔ سر جہانزیب تو اچھے بھلے نروس ہو جایا کرتے تھے۔ کلاس میں اِس کی بے باک اداؤں کے سامنے، جس کا اُس کا گروپ تو کیا پوری کلاس ہی مزا لیا کرتی تھی۔

''کوئی بہت امپورٹنٹ لیکچر تھا کیا آج؟'' کلاس ختم ہونے کے بعد اُس نے کانوں سے ایئر فون نکالتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''نہیں، کچھ ایسا خاص بھی نہیں تھا۔'' عائشہ نا سمجھی کے انداز میں بولی تھی۔

''نوٹس تو تم ایسے لے رہی تھیں جیسے علم کے انمول موتی جھڑ رہے ہوں۔'' وہ ڈرامائی انداز میں ہاتھوں کو پھیلا کر بولی تھی۔

عائشہ کو اُس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''سیریسلی کیسے کر لیتے ہیں تم جیسے لوگ یہ سب۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے اُس کے نوٹس کی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔

''مجھ جیسے، کیسے؟'' عائشہ نے پوچھا تھا۔

''تم جیسے، مطلب پڑھا کو۔ کلاس میں آگے رہنے والے، ذہین فطین، بور سے بور لیکچر میں بھی انٹرسٹ لینے والے۔''

''ذہین فطین؟ پڑھا کو؟ ہمیشہ بیلو ایوریج اسٹوڈنٹ رہی ہوں میں۔'' عائشہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''اِس سے پہلے بی بی اے میں ایڈمیشن لیا تھا میں نے، پہلا سمسٹر بھی نہیں کر سکی۔''

''ارے واہ! بی بی اے ڈراپ آؤٹ ہو تم؟ پھر تو خوشی ہوئی واقعی تم سے مل کر۔'' وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

''میں بھی ویسے میری ڈراپ آؤٹ لسٹ کافی لمبی ہے۔ میرے لیے تو اسپیشل ڈگری جاری ہونی چاہیے۔''

''بیچلرز اِن ڈراپ آؤٹس۔'' عائشہ اُس کی بات پر ہنس دی تھی۔

واپسی پر عائشہ ڈیپارٹمنٹ سے یونیورسٹی کے مین گیٹ تک جا رہی تھی کہ ہارن کی آواز پر چونک اٹھی۔ سڑک کی طرف رُخ موڑ کر دیکھا تو نتاشا تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ شیشہ نیچے کر کے پوچھ رہی تھی۔

''ہاسٹل۔''

''بس سے جاؤ گی؟''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''بیٹھو اسٹاپ تک ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' وہ گاڑی ان لاک کرتے ہوئے بولی تھی۔
اچھی بھلی واک تھی کالج کے گیٹ سے اسٹاپ تک اور سورج سوا نیزے پر، انکار کرنا کفران نعمت تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔
''ہاسٹل میں کیوں رہتی ہو؟ کراچی کی نہیں ہو؟''
''نہیں۔'' عائشہ نے مختصراً جواب دیا تھا۔
''کہاں ہے ہاسٹل؟'' اُس کے پوچھنے پر عائشہ نے ہاسٹل کا محل وقوع مختصراً بتایا تھا۔
''ہمم...... وہ تو میرے لیے آؤٹ آف دا وے ہو جائے گا۔''
''نہیں بس! اسٹاپ تک ڈراپ کر دو۔ کوئی ایشو نہیں ہے روز جاتی ہوں۔'' عائشہ شکریہ ادا کرتے ہوئے اُتر گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن عائشہ کیفے میں بیٹھی اپنے اسائنمنٹ پر کام کر رہی تھی کہ نتاشا آدھمکی۔
''کیا ہو رہا ہے لائق لوگوں۔''
''کچھ نہیں وہی سر جہاں زیب والا اسائنمنٹ بنا رہی ہوں۔''
''اوہ وہ تو میں نے بھی بنانا ہے۔ ابھی تو شروع بھی نہیں کیا میں نے۔'' اُس کی فکر مندی دیکھ کر عائشہ کو حیرت ہوئی تھی۔ کلاس میں تو کبھی سنجیدہ نہیں دیکھا تھا اُسے۔
''کچھ ہیلپ ہی کر دو میری۔'' وہ عائشہ کے اسائنمنٹ کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے بولی تھی۔
''ہاں شیور۔ کیا ہیلپ چاہیے تمہیں؟'' عائشہ نے پوچھا تھا۔
''ہمم...... ابھی تو تمہیں نیکسٹ کلاس میں جانا ہوگا؟'' اُس نے پوچھا تھا۔
عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
''ایسا کرو تم کلاس لے کے آؤ، میں یہیں ہوں، پھر ہاسٹل چلتے ہیں تمہارے۔'' خود ہی پروگرام بنا کر اُسے اطلاع دی گئی تھی۔
عائشہ کو اچھے بھلے کام تھے آج۔ پھر اُس کی شایانِ شان مہمان نوازی کی اُس کی جیب متحمل بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر فوری طور پر نہ کوئی بہانہ ذہن میں آیا اور نہ انکار بن پڑا۔ اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اُس کا وہی ردعمل تھا جو سب کا ہوتا تھا۔
''واؤ یار انٹیریئر ڈیزائننگ از ریئلی پورنیش۔''
میس میں چیک کیا تو آلو بینگن پکے تھے۔ یہ بھی آج ہی پکنے تھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اتنی امیر کبیر، نخریلی سی لڑکی نے پتا نہیں آلو بینگن کبھی کھائے بھی ہوں گے یا نہیں۔ پیزا آرڈر کر دوں؟ دل مہمان نوازی کے سبق پڑھا رہا تھا۔ ہونہہ میں نے تھوڑی بلایا ہے۔ زبردستی مہمان بنی ہے، وہ بھی اپنا کام نکلوانے کے لیے۔ دماغ نے کفایت شعاری کی تاویل پیش کی۔
''میس میں تو آلو بینگن پکے ہیں، پیزا آرڈر کر لوں؟'' اُس نے بالآخر فیصلہ اُسی پر چھوڑا تھا۔
''ارے واہ آلو بینگن، وہ تو میرے فیورٹ ہیں۔'' وہ مزے سے بولی تھی۔ عائشہ نے غور سے اُس کے چہرے پر طنز و مزاح کا تاثر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور پھر واقعی اُس نے شوق سے آلو بینگن کھائے تھے یا کم از کم ظاہر تو یہی کیا تھا۔ شاید اچھا مہمان ہونے کا فرض ادا کر رہی تھی۔ اُسے تو خود سخت ناپسند تھے آلو بینگن۔ نہ جانے کس دل سے کھا رہی تھی بے چاری۔ منگا ہی لیتی پیزا، عائشہ کو افسوس ہوا۔
کھانے کے بعد عائشہ کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اُس کا دن اذانوں کے ساتھ شروع ہوتا تھا۔ دن میں اُس کی کوشش ہوتی تھی ایک آدھ گھنٹہ سو کر پھر کام شروع کرے۔ مگر آج اس غیر متوقع کی مہمان کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ بھی چاہتی تھی کہ ایسی ''کول'' اور ''پاپولر'' لڑکیوں سے اُس کی دوستی ہو۔ مگر اب جو یہ ''سپر کول'' لڑکی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

اُس سے راہ و رسم بڑھانے پر تلی تھی تو نہ اُس کے پاس وقت تھا نہ تو انائی۔

''ہاں کچھ اسٹارٹ کیا تم نے؟ کیا کرنا چاہتی ہو؟ کوئی آئیڈیا ہے ذہن میں۔'' عائشہ نے پوچھا تھا۔

''تمہاری شکل سے لگ رہا ہے نیند سے بے ہوش ہونے والی ہو۔ سو جاؤ ٹارچر کرنے نہیں آئی میں تمہیں۔ اُٹھو گی تو دیکھیں گے۔''

وہ آرام سے شیریں کے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''وائی فائی کا پاسورڈ بتانا ذرا۔'' عائشہ نے بتا کر آنکھیں موند لی تھیں اور لمحوں میں نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

سو کر اُٹھی تو اُس کی ''مہمان'' مزے سے بیٹھی شیریں کے ساتھ فلم دیکھ رہی تھی۔

''گڈ مارننگ سلیپی ہیڈ۔'' اُسے اٹھتا دیکھ کر وہ اُسے بچوں کی طرح چمکار کر بولی تھی۔ عائشہ نے گھڑی کی طرف دیکھا تھا، چھ بج رہے تھے، آج تو کچھ زیادہ ہی سو گئی تھی وہ۔

اُٹھ کر چائے بنانے لگی۔ نتاشا سے چائے کا پوچھا تو اُس نے انکار کر دیا۔ ظاہر ہے اتنا ڈل کلاس اور ان کول مشروب کیسے پی سکتی تھی وہ۔ آلو بینگن پتا نہیں کیسے کھائے تھے۔ اُسے بھی دعوت دی گئی تھی فلم دیکھنے کی مگر اُسے جلدی تھی کہ کسی طرح مطلوبہ ''ہیلپ'' نتاشا کو فراہم کر کے چلتا کرے۔ تاکہ وہ اپنے کام نمٹا سکے۔ کل ہاسٹل کی ایک لڑکی کو جوڑا مکمل کر کے دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اُس نے نتاشا سے اسائنمنٹ کے بارے میں پوچھا تھا مگر اُسے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔

''چھوڑو یار آئیڈیا ہی نہیں آیا کوئی۔ آئیڈیا تو کم از کم اپنا ہونا چاہیے۔'' وہ لاپروائی سے بولی تھی۔ عائشہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ اُس سے اسائنمنٹ بنوانے کے چکر میں یہ کشٹ اُٹھا رہی تھی، حیران ہوئی تھی۔

کل بریک کے بعد کی کلاسز بنک کر کے آجاؤں گی۔ مہرین کو جوڑا یوں بھی شام میں چاہیے۔ کیا اب نتاشا کے سامنے سلائی کا بکھیڑا لے کر بیٹھوں۔ وہ بھی اپنی چائے لے کر اُن کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔

نتاشا کے فون پر بار بار فون آ رہا تھا جسے وہ کاٹ رہی تھی پھر بالآخر اٹھا لیا۔

''ہاں بس نکل رہی ہوں۔ ایک دوست کی طرف ہوں۔ آپ نہیں جانتیں اُسے۔ آپ فون بند کریں گی تو میں ڈرائیو کروں گی۔''

جھنجھلا کر بولی تھی اور فون رکھ دیا تھا۔ مگر حسب توقع اُس نے واپسی کا کوئی قصد نہیں کیا تھا۔ بلکہ بات وہیں سے دوبارہ شروع کی تھی، جہاں فون سننے کے لیے روکی تھی۔ کوئی پونے گھنٹے کے بعد پھر اُس نے کال اُٹھائی تھی۔

''شاہراہ فیصل پر ہوں۔ ٹریفک جام ہے۔'' وہ کارپٹ پر نیم دراز ہو کر فون پر اپ ڈیٹ دے رہی تھی۔ شیریں نے سوالیہ نظروں سے عائشہ کو دیکھا تھا۔ عائشہ نے ناسمجھی والے انداز میں کندھے اچکائے۔

''تو کیا کروں میں نے کہا تھا مجھے دیکھنے آئیں؟ ٹریفک میں پھنسی ہوں، اُڑ کر نہیں آسکتی۔ انتظار کریں یا چلے جائیں جیسے اُن کی مرضی۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' عائشہ نے بالآخر پوچھ ہی لیا تھا۔

''کچھ نہیں یار ایسے ہی۔ ممی کبھی کبھی جذباتی ہو جاتی ہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولی تھی۔

''ارے اِس کا میں نے کیلیفورنیا میں کنسرٹ اٹینڈ کیا تھا۔ ایک دم بکواس، لپ سنکنگ کر رہی تھی، اسٹوڈیو ہیک ہے اِس کا سارا میوزک۔ گانا آتا ہو تو لائیو پرفارم کرے۔'' وہ پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو کر اب ایک سنگر کم ایکٹریس کے لتے لے رہی تھی۔ کوئی ایک آدھ گھنٹہ وہ مزید فون کالز کاٹتی رہی پھر جب فون آنے بند ہو گئے تو اُٹھ کر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ''چلو پھر کل ملتے ہیں یونیورسٹی میں۔''

www.pakistanipoint.com

''واہ یار اتنی ہائی فائی دوست کب بنائی تم نے؟ اور یہ چکر کیا تھا اِس کا؟'' شیریں نے اُس کے جانے کے بعد پوچھا تھا۔

''پرسوں یونیورسٹی میں پہلی بار بات ہوئی ہماری۔ ''دوستی'' کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کب ہوئی؟ کیسے ہوئی؟ ہوئی بھی یا نہیں؟ اور ''چکر'' کے بارے میں جتنا تم نے سنا ہے اُتنا ہی مجھے بھی پتا ہے۔ ویسے ہے تھوڑی کھسکی ہوئی، موڈی سی۔''

''جو بھی ہو یار! بندی بڑی شان دار ہے۔'' شیریں حسن اور امارت کے امتزاج سے کافی متاثر ہوئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن تو وہ مہرین کے جوڑے کے چکر میں کالج سے جلدی بھاگ آئی تھی، مگر اُس کے اگلے دن آخر کار ملاقات ہو ہی گئی اُن کی۔ وہ کیفے ٹیریا کے باہر لگی کرسیوں پر بیٹھی تھی۔

''ہیلو بک ورم (کتابی کیڑا)! کیا پڑھ رہی ہو۔'' نتاشا اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔'' عائشہ نے پُرسوچ نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔ ''تم آج کل اکیلی نظر آتی ہو۔ گروپ کہاں ہے تمہارا۔''

''عاق کر دیا سب کو میں نے۔ ایک نمبر کے (گالی) ہیں سب۔'' وہ لاپرواہی سے بولی تھی۔ ''تم کیوں نہیں آئی تھیں کل؟''

عائشہ نے چند لمحے سوچا تھا کہ اُسے اِس سوال کا کیا جواب دینا چاہیے۔

''کپڑے سی کر دینے تھے کسی کے ڈیڈلائن تھی۔''

''ہیں؟ تم کالج سے چھٹیاں کر کے کپڑے سیتی ہو؟ ڈریس ڈیزائنر بھی ہو؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''ڈیزائنر نہیں ہوں، درزن ہوں۔ پارٹ ٹائم۔ اور شوقیہ نہیں سیتی اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے سیتی ہوں۔ پرسوں سینے تھے مگر نہیں سی سکی۔'' عائشہ کو اس وقت آنسٹی ہی بیسٹ پالیسی لگی تھی۔ ''اور یہ کہ مجھے تمہیں آلو بینگن کھاتے دیکھ کر بھی شرمندگی ہو رہی تھی۔''

نتاشا جو اُس کی ساری بات خاموشی سے سن رہی تھی آخری بات پر چونکی تھی۔

''ہیں؟ میرے آلو بینگن کھانے پر تمہیں کیوں شرمندگی ہو رہی تھی؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''کیوں کہ تم مہمان تھی اور میں تمہیں کچھ بہتر نہیں کھلا سکی تھی، آلو بینگن کس کو اچھے لگتے ہیں؟'' عائشہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے۔'' نتاشا سینے پر ہاتھ باندھ کر چیلنج کرنے کے انداز میں بولی تھی۔

عائشہ نے ایک شکی نظر اُس پر ڈالی تھی مگر خاموش رہی تھی۔

''چلو تمہاری بیسٹ فرینڈ آرہی ہے۔'' عائشہ نے اُس کی ایک دوست کو دور سے آتے دیکھ کر کہا تھا۔ نتاشا نے رخ موڑ کر دیکھا تھا۔

''شی از ناٹ مائی فرینڈ ایٹی مور۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''عجیب اسٹوپڈ لڑکی ہے۔ میں اِس کے بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر چلی گئی غلطی سے۔ یہ اتنا اوور ری ایکٹ کر رہی ہے جیسے پتا نہیں کیا ہو گیا۔''

''تم اپنی دوست کے بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر چلی گئیں۔ اور وہ اوور ری ایکٹ کر رہی ہے؟'' عائشہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''او ہو تو اس کا کون سا وہ ایسا سول میٹ تھا۔ اینڈ شی کین ہیو ہم بیک۔ مجھے تو اچھا ہی نہیں لگا۔ اتنا پتھیٹک بندہ ہے۔ پتا نہیں کیسے برداشت کرتی ہے یہ؟'' وہ لاپروائی سے بول رہی تھی۔

''تم میں ایموشنل انٹیلی جنس کی کمی ہے؟ یا.....'' عائشہ نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''یا بالکل ہی پاگل ہوں؟؟'' وہ اُس کا جملہ پورا کر کے ہنسی تھی۔

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem

''کچھ نہیں ہوسکتا تمہارا۔'' عائشہ اُٹھتے ہوئے بولی تھی۔ ''کلاس کا ٹائم ہوگیا ہے۔''

''چلو پھر کلاس کے بعد ملتے ہیں۔'' نتاشا کا یقیناً کلاس میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

وہ چل دی تھی۔ تھوڑا آگے گئی تو پیچھے سے نتاشا کی آواز آئی تھی۔

''پھر بتاؤ کب آؤں آلو بینگن کھانے؟''

وہیں سے بیٹھے بیٹھے زور سے بولی تھی۔ آس پاس کے لوگ اُن کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''بالکل ہی پاگل ہے۔'' عائشہ نے سر پیٹا تھا۔

پھر کالج تو نتاشا نے چھوڑ ہی دیا تھا۔ مگر اُس سے ملنے ہاسٹل وہ اکثر آجاتی تھی۔ عائشہ مصروف ہو تو فون یا لیپ ٹاپ پر لگی رہتی، نہیں تو ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتی۔ شیریں کے ساتھ مل کر کوئی فلم دیکھ لیتی۔ عجیب دیوانی مستانی سی بندی تھی۔

سیکنڈ سمسٹر اپنے اختتام پر تھا اور نئے سمسٹر کی فیس کا کوئی آسرا نہ تھا۔ ہاسٹل کی سالانہ فیس ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس محض چند ہزار بچے تھے۔ سستے ہاسٹل کے آپشن پر بھی غور کیا تھا اُس نے، دو جگہ دیکھ بھی آئی تھی۔ مگر چار چار لڑکیاں تھیں ایک کمرے میں۔ سلائی مشین کی آواز کون کون برداشت کرتا۔ شیریں تو اُس کے ساتھ بہت تعاون کرتی تھی۔ پھر اُس کی دوستی ایک جذباتی سہارا بھی تھی۔ اُس کا صبح کا کام بھی چھٹ جاتا۔ اُس نے اللہ کا نام لے کر ہاسٹل کی فیس بھر دی تھی۔ مگر اب اگلے سمسٹر کی فیس کہاں سے آئے گی؟ کبھی کبھی تو سوچ کر ٹھنڈے پسینے آنے لگتے تھے۔

☆☆☆

ایگزام ہوگیا تھا اور بہت اچھا ہوگیا تھا۔ مگر جیسے جیسے دن گزر رہے تھے ٹینشن بڑھتی جارہی تھی۔ ایسے ہی ایک دن نتاشا آدھمکی۔

''پتا ہے یار، آج تو بڑا مزے کا ڈرامہ ہوا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں آتے ہی شروع ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اپنی پریشانی میں گم عائشہ نے عدم دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''یونو اپنے سرکل میں تو کافی بدنام ہوں میں۔ سو اِس بار میرے پیرنٹس نے میرے لیے آسٹریلین مرغا پھنسانے کی کوشش کی۔ ڈیڈ کے ایک آسٹریلیا سیٹلڈ دوست کا بیٹا۔'' وہ چٹخارے لے کر بتا رہی تھی۔ ''مام نے کہا آج وہ آئیں گے میں گھر پر ہی رہوں۔''

''اور تم بھاگ کر یہاں آگئیں؟'' عائشہ کو اِس وقت کوفت ہو رہی تھی اُس کی اِن باتوں سے۔

''نو بے بی! ہر بار ایک طرح تھوڑی۔ میں نے پرامس کیا کہ اُن کے آنے سے پہلے گھر آجاؤں گی۔ میں اور میرا ایک فرینڈ گھر کے قریب ہی اُن کے استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے۔ ایک طرف سے اُن کی گاڑی آئی، دوسری طرف سے میں اور میرا فرینڈ اُس کی اسپورٹس بائیک پہ۔ فل فلمی انٹری۔ گیٹ کے سامنے تھوڑا سا پی ڈی اے (پبلک ڈسپلے آف افیکشن) اُن کے لیے اسپیشل شو۔'' وہ آنکھ مار کر شرارت سے بولی تھی۔

''بس پھر حسب وعدہ میں اُن سے پہلے گیٹ سے اندر تھی۔''

عائشہ کی کوفت اب غصے میں بدل رہی تھی۔ مگر نتاشا اُس سے بے نیاز اپنا کارنامہ سنانے میں مشغول تھی۔

''میں نے تو جو کیا سو کیا مگر میری نہ ہونے والی ساس۔ واہ!'' اُس نے ایک فلائنگ کس ہوا میں اچھالی تھی۔

''کیا کہنے..... حجابی فل جج مینٹل، آئی ایم سو مچ بیٹر دن ریسٹ آف دا ورلڈ (میں دنیا میں سب سے اچھی ہوں) ٹائپ کی۔ ڈیڈ کے فرینڈ تو خاموش رہے مگر آنٹی۔ مواہ۔ ایسی شروع ہوئیں کے واہ۔ میں نے آسٹریلیا میں رہ کر اتنی اچھی تربیت کی ہے اپنے بچوں کی۔ بیٹی حجابی، بیٹا نمازی وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک آپ لوگ ہیں۔ ڈیڈی کا تو چہرہ دیکھنے والا۔''

Warda Azeem
www.pakistanipoint.com

''شرم آنی چاہیے تمہیں۔'' عائشہ بول پڑی تھی، مزید سننے کا یارانہ تھا۔ ''نہیں کرنا چاہتیں شادی تو نہ کرو ایسے ذلیل کیوں کروا رہی ہو تم اپنے ماں باپ کو..... پتا ہے تمہیں؟ کتنی خوش نصیب ہو تم؟ کہ کوئی فکر کرتا ہے تمہاری۔ تمہارے مستقبل کا سوچ کے تمہاری تمام تر حماقتوں کے باوجود، ذلیل ہونے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں تو لوگ بچے پیدا کر کے بھول جاتے ہیں۔''

نتاشا چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

''اوہ آئی ایم سوری۔ تم سنڈریلا، میں اسپوئیلڈ بچ۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ تم میری کہانیوں سے ارٹیٹ بھی ہو سکتی ہو۔'' وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر اُس سے پہلے اُس کی آنکھوں میں نمی کی ایک جھلک عائشہ دیکھ چکی تھی۔ اُسے فوراً اپنے رویے پر ندامت ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ فوراً اُسے روکنے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''پلیز۔ آئی ایم ریئلی سوری۔ میں کسی اور وجہ سے پریشان تھی۔ اپنی فرسٹریشن تم پر نکال دی۔'' اُس کے بار بار معذرت کرنے پر نتاشا واپس بیٹھ گئی تھی۔

خاموشی سے دور کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی یہ وہ نتاشا تو نہیں لگ رہی تھی جسے وہ جانتی تھی۔

''میں بیوہ ہوئی تھی آج کے دن۔'' کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولی تھی۔

''وہ شخص مرا تھا آج جس کے ساتھ رہنے کے لیے مجبور کیا تھا مجھے میرے ماں باپ نے۔ اور آج اُس کی برسی پر مجھے دیکھنے کے لیے رشتہ بلوا لیا۔'' وہ اذیت سے ہنسی تھی۔

''شادی کے دوسرے دن ہی پتا چل گیا تھا مجھے کہ میرا شوہر ڈرگ ایڈکٹ ہے۔ میں اپنے ماں باپ کے پاس آئی۔ سب بتایا، منت کی مجھے نہ بھیجیں واپس۔ مگر وہ ''مجبور'' تھے۔ دراصل وہ اتنے امیر لوگ تھے کہ اُن کے سامنے تو ڈیڈی سڑک چھاپ تھے۔ وزراء، بڑے بڑے بیوروکریٹ، جرنیل اُن کے پے رول پر تھے۔ اُن سے نسبت میں ''بھلا'' تھا ''ہم سب کا''۔ سو مجھے سمجھا بجھا کر۔ اچھی بیوی بننے کا سبق پڑھا کر واپس بھیج دیا گیا۔ میں اٹھارہ سال کی تھی۔ میں نے یہ سوچ کر شادی کی تھی کہ شادی کا مطلب ہوتا ہے، عمدہ قیمتی، فوٹو شوٹ، ہنی مون، پارٹیز۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اچھی بیوی کیسے بنا جاتا ہے۔ جبکہ مجھے صرف ایک اچھی بیوی نہیں بننا تھا۔ بلکہ ساتھ ایک اچھی نرس، تھراپسٹ اور پیچنگ بیگ کا رول بھی کرنا تھا۔ اُس کے ماں باپ، میرے ماں باپ، ہر کوئی مجھے بیٹھ کر سمجھاتا کہ میں اُس کو بدل سکتی ہوں۔ اتنا کہ کبھی کبھی مجھے لگتا کہ اُس کا ٹھیک نہ ہونا میری نااہلی ہے۔'' وہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی تھی۔

''بڑا عجیب سا تعلق تھا میرا اُس سے۔ کبھی مجھے اُس کے وجود سے وحشت ہوتی تھی، گھن آتی تھی۔ اور کبھی مجھے وہ ایک کھویا ہوا معصوم سا بچہ لگتا تھا۔ جس کی میں مدد کرنا چاہتی تھی۔ جسے میں بچانا چاہتی تھی۔ پھر بہت کوششوں کے بعد اُس نے نشہ کرنا بند کر دیا۔ دو مہینے کے لیے وہ کلین رہا۔ میں نے مستقبل سے بہت اچھی اُمیدیں باندھ لیں کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر پھر ایک دن وہ گھر نہیں آیا۔ رات کے آخری پہر نیم بے ہوشی کے عالم میں گھر لایا گیا اُسے۔ بہت وحشت بھری رات تھی وہ۔ میرا جی چاہ رہا تھا بھاگ جاؤں۔ مگر بھاگ کر بھی کہاں جا سکتی تھی؟ بے بسی کے کسی لمحے میں میں نے اُس کی موت کی دعا کی تاکہ مجھے چھٹکارا مل جائے۔ اور وہ جس نے میری اتنی دعائیں نہیں سنیں ایک بددعا سن لی۔ اگلے دن میرے پہلو میں پڑا اُس کا وجود بے جان تھا۔''

آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ نہ پائے تھے مگر شدت جذبات سے سرخ چہرے پر درد صاف دکھائی دے رہا تھا۔

www.paksociety.com

''اُس کی ماں نے مجھے منحوس قرار دے دیا۔ میرے گھر والے مجھے واپس لے آئے اور کہا کہ میں سب کچھ برا خواب سمجھ کر بھول جاؤں۔'' ایک استہزائیہ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر آئی تھی۔

''پھر ایک دن میں نے اپنے پیرنٹس کو بات کرتے ہوئے سنا۔ ماما کہہ رہی تھیں۔

''اتنے لوگوں نے ہمیں کہا کہ لڑکے کا شاید ڈرگ پرابلم ہے، آپ تھوڑی چھان بین ہی کر لیتے۔ بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے نتاشا۔'' ڈیڈی بولے۔

''مجھے کیا پتا تھا پکا نشئی نکلے گا۔ اِس عمر میں ریکریشنل ڈرگز تو اکثر لڑکے یوز کرتے ہی ہیں ہمارے سرکل میں۔''

''پھر بھی ہماری بیٹی کا معاملہ تھا ہمیں احتیاط کرنی چاہیے تھی'' ماما پشیمان تھیں۔ مگر پاپا کو اچھا نہیں لگا تھا۔

''تو ہم تو اُس کا بھلا ہی سوچ رہے تھے۔ اور وہ کون سا خوش تھی اُس کے ساتھ جو اتنا سوگ منا رہی ہے۔ چھٹکارا ہی چاہتی تھی سو مل گیا۔ تم ایسا کرو یورپ کے ٹرپ پر لے جاؤ اُسے۔ گھومے گی پھرے گی شاپنگ کرے گی بھول بھال جائے گی۔'' نتاشا نے رک کر آنکھیں رگڑی تھیں اور پھر مسکرا کر بولی تھی۔

''پھر گئی میں یورپ۔ ایسا گھومی کے سب کو گھما ڈالا۔ اور ایسی شاپنگ کی کہ میری واپسی کے بعد بھی ڈیڈی کئی مہینے تک بی پی کی دوائی ڈبل ڈوز میں لیتے رہے۔ ہارٹ لیس بیچ یو وانٹ، ہارٹ لیس بیچ یو گیٹ۔''

وہ بظاہر لاپروا سے لہجے میں بولی تھی مگر عائشہ کو اپنے حلق میں آنسوؤں کا نمک محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

شاہ زین اور سیما آج کارڈیو کے لیے ساتھ باہر آئے تھے۔ وہ اُسے اپنے ایک اماراتی پڑوسی ولید کے بارے میں بتا رہی تھی جو اُس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی اچھا تھا۔ شاہ زین کو یہ ذکر خیر ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

''بہت فلرٹ ہوتے ہیں یہ عرب لڑکے۔'' وہ تنبیہی انداز میں بولا تھا۔

''پاکستانی لڑکوں سے بھی زیادہ؟'' سیما نے آنکھیں پٹپٹا کر بظاہر معصومیت سے پوچھا تھا۔

''جی۔ ایک دو بیویاں اُس کی دوبئی میں انتظار بھی کر رہی ہوں گی۔'' شاہ زین بظاہر سنجیدگی سے بولا تھا۔

''ہی از ناٹ میریڈ۔'' سیما نے اطلاع دی تھی۔

''اُس نے اصل میں کیا کہا ہے؟ وہ شادی شدہ نہیں ہے یا پوری طرح شادی شدہ نہیں ہے؟ ابھی مزید گنجائش ہے۔'' شاہ زین نے بظاہر تجسس سے پوچھ رہا تھا۔

''پتا نہیں۔'' سیما نے جواباً کندھے اچکا دیے تھے۔ پھر اُس کا فون بجا تھا۔ ولید ہی کا میسج تھا۔

''کیا میں آپ کو کافی کی دعوت دے سکتا ہوں؟''

سیما نے باآواز بلند پڑھ کر سنایا تھا۔ شاہ زین نے اُس کا فون جھپٹ کر جواباً لکھا تھا

''نہیں۔''

''تمہیں جیلسی ہو رہی ہے؟'' سیما نے پوچھا تھا۔

''ہاں ہو رہی ہے۔'' شاہ زین نے سنجیدگی سے اعتراف کیا تھا۔

''صرف میرے ساتھ کافی پینے جایا کرو۔''

''ایک شرط پر۔'' سیما مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''تم بھی کسی اور کے ساتھ کافی پینے نہیں جاؤ گے۔''

''اوکے! ڈیل۔'' شاہ زین بولا تھا۔

☆☆☆

اِس سمسٹر میں پوزیشن تو اس کی پہلی آئی تھی۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

مگر جو حالات تھے، سمسٹر آخری لگ رہا تھا۔ بہت گھوڑے دوڑانے کے بعد بھی فیس کا ایک چوتھائی جمع کر پائی تھی وہ۔ شیریں اور نتاشا سے اُدھار مانگ لوں ابھی کے لیے؟ نتاشا کے لیے تو یہ معمولی سی رقم ہوگی۔ خودداری کا چند لمحوں کے لیے گلا گھونٹ کر سوچا تھا۔ مگر اگر اِس سمسٹر کی مانگ تانگ کر دے بھی دی تو اگلے کی کہاں سے آئے گی؟ اُس کی آمدن اخراجات کی آدھی تھی۔ سیدھا سا کلیہ تھا۔ کوئی بجٹ اِس ''مالیاتی خسارے'' کا توڑ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک سال جو وہ گزار پائی تھی۔ اِس کی وجہ وہ رقم تھی جو اُس کی ''مبینہ بغاوت'' سے پہلے اُسے ٹرانسفر کی گئی تھی۔ کوئی اُمید تو نہ تھی مگر ایک آخری کوشش کے طور پر، اُس نے اپنے باپ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''پیسے ختم ہو گئے آخر؟'' اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سامنے والا مدعا جان گیا تھا۔ اُس کی ہمت کاٹ دار لہجے نے توڑ دی۔ تصدیق بھی نہ کر پائی خاموش رہ گئی۔ اُس کی خاموشی کو ہی تصدیق سمجھ لیا گیا تھا شاید۔

''چلو پھر سامان باندھو۔ تمہارے فضول شوق اور من مانیاں پوری کرنے کے لیے نہیں ہیں پیسے میرے پاس۔ شاباش بوریا بستر اسمیٹو۔'' لہجے میں تمسخر تھا۔ وہ قریباً ہار ماننے کو تھی مگر انا اڑے آ گئی۔ ہار بھی رہی ہو تو ایسے شکست فاش نہ تسلیم کرو۔

''راستے نکالنے والا، رزق دینے والا اُوپر بیٹھا ہے۔ انسان کی اتنی اوقات کہاں کہ کسی کو بامراد یا بے مراد کرے۔''

وہ بہت تدبر سے بولی تھی۔ ''یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ پہلی پوزیشن آئی ہے میری اور اسکالر شپ مل گئی ہے مجھے۔''

اُس نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ اپنی بے بسی اور اپنے باپ کے کٹھور پن پر کافی روئی تھی۔ مگر پھر عہد کیا تھا کہ ہار نہیں ماننی۔ کافی سوچ بچار کے بعد یہ سمجھ میں آیا کہ یہ سمسٹر ڈراپ کر کے چھ مہینے کہیں فل ٹائم کام کرے اور پیسے جمع کرے اگلے سمسٹر کے لیے۔ مگر اگلے دن اکاؤنٹس آفس میں جا کر بات کی، تو پتا چلا کہ اُس نے فیس جمع نہ کرائی تو نام کاٹ دیا جائے گا۔ اگلے سمسٹر میں انرول ہونے کے لیے دوبارہ ایڈمیشن اور رجسٹریشن فیس بھی دینی پڑے گی۔ وہ مایوس سی باہر کو چل دی تھی۔ پیچھے سے میڈم منیزہ آ گئیں۔

''کیا ہوا عائشہ سمسٹر کیوں ڈراپ کر رہی ہو؟'' اُنہوں نے اس کو آفس میں بات کرتے ہوئے سن لیا تھا شاید۔ اُس نے مختصراً اپنی مالی پریشانی کا بتایا تھا۔

''اوہ۔ پرائیویٹ ادارہ ہے یہ۔ اور کسی قسم کی فائنینشل اسسٹنس یا اسکالرشپ کی کوئی پالیسی نہیں ہے یہاں..... مگر تم مجھے ایک اپیلی کیشن دے دو۔ میں بات کر کے دیکھتی ہوں۔''

وہ کچھ سوچ کر بولی تھیں۔ مایوسی کے گھپ اندھیرے میں اُمید کی ہلکی سی کرن نظر آئی تھی۔

☆☆☆

اور پھر واقعی معجزہ ہو گیا تھا۔ اُس کی ٹیوشن فیس معاف ہو گئی تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ جانماز پر بیٹھی تھی۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ مگر دعا کے لیے پھیلے ہاتھوں کو دیکھتی آنکھیں نم تھیں۔ اُس کے کانوں میں اپنے ہی وہ جملے گونج رہے تھے جو اُس نے اپنے باپ سے کہے تھے۔ آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ اور پھر وہ سسکتے ہوئے سجدے میں گر گئی تھی۔ اللہ کو ماننے والوں کی زندگی میں بھی ایسے لمحے آتے ہیں، جب وہ اُسے ''مان'' جاتے ہیں۔

☆☆☆

شیریں نے فرحان سے پھر بات چیت شروع کر دی تھی۔ پہلے پہل اُس نے عائشہ سے چھپانے کی کوشش کی۔ مگر ایک کمرے میں کب تک پردہ رکھا جا سکتا ہے۔

''یار اچھا نہیں کر رہی تم اپنے ساتھ۔ مت کرو ایسا۔'' عائشہ سمجھانے کی کوشش کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔ مگر سمجھانے سے عقل کسے آئی ہے؟

www.pakistanipoint.com

''یار وہ بدل گیا ہے۔ ہمارے بریک اپ نے احساس دلا دیا ہے اُسے میری اہمیت کا۔ اور میرا دل بھی تو نہیں ہے تیار، محبت سے دست بردار ہونے کو۔ ایک موقع تو دینا چاہیے۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی۔

اور یہ آغاز تھا موقع دینے اور مایوس ہونے کے ایک لمبے سلسلے کا۔ محبت میں محبوب سے زیادہ دھوکے تو انسان خود دیتا ہے اپنے آپ کو۔

آج دوپہر کے وقت میس میں کھانے کے بعد گلاس میں کولر سے پانی لیتے ہوئے، ہاسٹل میں کام کرنے والی دو خواتین کی کھسر پھسر اُس کے کان میں پڑی تھی۔

''یہ کرتی ہے فریدہ والے گھر میں صبح کا کام۔''

کون سی یہ پیلے دوپٹے والی؟'' دوسری نے پوچھا تھا۔ عائشہ نے اُن کی طرف دیکھا تو ایک نے دوسری کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ بہت عرصہ اُس کے ذہن پر یہ خوف سوار رہا تھا کہ ہاسٹل میں کسی کو پتا نہ چل جائے کہ وہ پارٹ ٹائم ''ماسی'' ہے۔ مگر آج جو کسی کے منہ سے اپنا ''شرمندہ کرنے والا راز'' سنا تھا تو کوئی ایسا معیوب بھی نہ لگا تھا۔

''نہیں پیلے نہیں سفید دوپٹے والی۔'' وہ اپنی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔ ''صبح کا ناشتہ بناتی ہوں۔ بچوں کو بھی تیار کر کے اسکول بھیجتی ہوں۔ پھر کچن اور ناشتے کے برتن وغیرہ صاف کر کے آتی ہوں۔ تین ہزار دیتے ہیں۔'' وہ اپنی ''جاب'' کی مکمل تفصیل بتا کر میس سے نکلی تھی۔ اُن دونوں کے علاوہ میس میں کھڑی لڑکیوں نے بھی سنا تھا۔

یہ سفر اُس کا تھا۔ یہ کہانی اُس کی تھی۔ لوگ تو صرف تماشائی تھے۔ تو پھر وہ ایسی بات پر کسی کے سامنے کیوں شرمندہ ہوتی؟ جس پر وہ خود سے شرم سار نہیں تھی۔

☆☆☆

آج وہ کالج سے واپسی پر دروازہ کھول کر اندر آئی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ مگر کچھ بتیاں سی جل رہی تھیں۔ باہر روشنی سے آ کر اُسے ایک دم کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

''شیریں؟'' ایک دم لائٹ آن ہوئی تھی اور پیپی برتھ ڈے کے شور کے ساتھ اُس پر گلٹر کی برسات ہوئی تھی۔ نتاشا نے تو باقاعدہ بچوں والی ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور باجا بھی بجا رہی تھی۔ اُس کا کوئی برتھ ڈے بھی تھا؟ اُسے تو صرف ایک ڈیٹ آف برتھ کا پتا تھا جو وہ اپنے کاغذات میں لکھتی پڑھتی آئی تھی۔ عائشہ مسرت اور حیرت سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ دوستی بھی کتنا پیارا سا رشتہ ہے۔

''میں اندر آئی تو پہلے تو مجھے لگا شیریں نے جادو شروع کر دیا ہے۔ دن میں اندھیرا کر کے بتیاں جلا کر ''ظالم محبوب قدموں میں'' والا کوئی چلہ کاٹ رہی ہے۔'' عائشہ نے کیک سے انصاف کرتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

نتاشہ کا قہقہہ بلند ہوا تھا اور شیریں نے اُسے کشن کھینچ کر مارا تھا۔

''ویسے اِسی کی کسر رہ گئی ہے۔ یہ بھی کر کے دیکھ لو۔'' نتاشا نے مشورہ دیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ جو تم نے محبوب ڈھونڈا ہے وہ قدموں میں آ بھی گیا تو وہیں سے لڑھک کر دو چار اور لڑکیوں کی قدم بوسی بھی کر آئے گا۔'' عائشہ بولی تھی۔

''کرنا ہی ہے تو اپنے دماغ کی درستی کا کوئی وظیفہ کر لو۔''

''ہاہ۔ دعا ترک عشق کی ہوتی نہیں قبول۔'' شیریں ٹھنڈی آہ بھر کر بولی تھی۔

''آج کل پیچ اپ سیزن چل رہا ہے اِس لیے پور پور ڈوبی ہوئی ہیں میڈم۔ عقل سے بالکل ہی پیدل چل چکی ہیں۔ بریک اپ سیزن میں اِن کا دماغ عارضی بنیادوں پر کام کرنے لگتا ہے۔ مگر پھر پیچ اپ ہو جاتا ہے۔'' عائشہ نے تاسف سے شیریں کے مختلف مراحل عشق پر روشنی ڈالی تھی۔

''چھوڑو میری ہوپ لیس لو لائف کو۔''

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

شیریں ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''کیک پر کونسنٹریٹ کرو۔ کیا کیک بنایا ہے تم نے نتاشا۔ کمال!'' وہ تیسرا پیس پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ تم نے بنایا ہے؟'' عائشہ کو حیرت ہوئی تھی ساتھ ہی اِس پرسنل ٹچ پر خوشی بھی۔ ''تھینک یو ویری مچ۔''

''مینشن ناٹ۔ ایک ہی تو میرا شوق ہے جو کونٹرا ورشل (متنازعہ) نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''بیکری کھول لو قسم سے۔ بہت ہی مزے کا ہے۔'' عائشہ نے تھوڑا مزید ڈالتے ہوئے کیا تھا۔

☆☆☆

وہ انگلینڈ آنے کے بعد ایک بار بھی پاکستان نہیں گیا تھا۔ حالانکہ درمیان میں سمسٹر بریکس آئے تھے۔ حیدر علی ہی آخر کار بیٹے سے ملنے انگلینڈ آ گئے۔ وہ اسٹوڈیو اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ سو اُس کے پاس ان کے لیے علیحدہ بیڈ روم نہیں تھا۔ اور کہیں رہنے سے اُس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ بقول اُس کے وہ اپنی روٹین لائف ڈسٹرب نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی وہ مصروف رہتا تھا زیادہ، ٹائم نہیں تھا اس کے پاس ان کے لیے۔ وہ جو پندرہ بیس دن اُس کے ساتھ گزارنے اتنی دور سے آئے تھے، اُس کے ساتھ دو بار لنچ اور تین بار ڈنر کرنے کے بعد واپسی کے لیے تیار تھے۔

''ایئرپورٹ نہیں چھوڑنے جاؤ گے مجھے؟'' انہوں نے اُمید سے پوچھا تھا۔ لمحے بھر کو اُس کا دل پسیجا تھا۔ مگر پھر پتھر ہو گیا تھا۔

''نہیں بہت ٹائم لگتا ہے ہیتھرو تک راؤنڈ ٹرپ میں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔ اُنھوں نے زخمی سی نظر اُس پر ڈالی تھی پھر سر ہلا کر گاڑی کے کھلے دروازے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

فیس معاف ہو جانے سے اُس کے معاشی حالات قابو میں آ چکے تھے۔ عائشہ اب فائنل ایر میں تھی اور اپنے شوق کی بدولت اپنے ہم جماعتوں سے بہت آگے۔ میڈم منیزہ فری لانس ڈیزائنر کے طور پر کام کرتی تھیں۔ عائشہ سے چھوٹے چھوٹے کام بلا معاوضہ کافی عرصے سے کر رہی تھیں۔ عائشہ کے لیے وہ محسن تھیں سو اُس نے کبھی پس و پیش نہ کی تھی۔ پھر کچھ نئی چیزیں بھی سیکھنے کو ملتی تھیں۔ مگر پھر وہ اُمید سے ہوئیں تو ابتدائی حمل کے مسائل نے اُنہیں کافی لاغر کر دیا۔ اُنہوں نے تقریباً سارا بار ہی اُس کے کندھوں پر ڈال دیا تھا۔ اُسے کچھ نہ کچھ معاوضہ دینے کا بھی خیال آ ہی گیا تھا آخر کار اُنہیں۔ گو پروجیکٹس کا بیشتر کام وہ کر رہی تھی مگر اُس کی اُجرت ٹوٹل کمائی کا معمولی حصہ ہوتا تھا۔ مگر وہ خوش تھی ٹائمنگ بھی اچھی تھی۔ کچھ ہی دن پہلے اُس نے صبح کا کام چھوڑا تھا کیونکہ اُن کو کل وقتی ملازمہ مل گئی تھی۔

''یار اِس کی تو میرے پاس صحیح میورمنٹس (پیمائشیں) بھی نہیں ہیں ایک ہی بار دیکھا ہے سرسری سا......'' میڈم منیزہ ایک پروجیکٹ پر غور کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''میرا ڈرائیور بھی چھٹی پر گیا ہے ورنہ اُس کے ساتھ تمہیں بھیج دیتی۔ اُس کے جانے سے بھی بڑے مسائل ہو گئے ہیں اچھا بھلا ٹرینڈ ہو گیا ہے۔ بہت کام خود سے کر لیتا ہے۔''

''میم! میں خود چلی جاتی ہوں۔'' عائشہ نے پیش کش کی تھی۔

''نہیں نہیں۔ اکیلے مناسب نہیں ہے۔ تمہارا کوئی بھائی وائی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ چلا جائے؟''

عائشہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ پیمائشیں نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام بلاوجہ کھٹائی میں پڑ رہا تھا۔ آج کل اُس کی مصروفیات یوں بھی زیادہ نہیں تھیں۔ اچھا وقت تھا نمٹ جاتا یہ کام۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ پھر اُس کے دماغ میں ایک خیال آیا تھا۔ مگر پتا نہیں وہ اب وہاں کام بھی کرتا تھا یا نہیں؟ تین سال گزر چکے تھے۔

''میڈم ایک بندہ ہو سکتا ہے مگر اُسے پے کرنا پڑے گا۔''

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

''ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔ نو پرابلم۔'' انہوں نے ہامی بھری تھی۔

عائشہ اگلے دن اپنی پرانی یونیورسٹی گئی تھی۔ اُسی لڑکے اکرم سے بات کرنے جس کی اُس نے ایک بار مدد کی تھی۔ وہ فوراً آمادہ ہو گیا تھا۔

اور پھر اِس کام کے علاوہ بھی بہت کام تھے جو اُس نے عائشہ کے ''اسسٹنٹ'' کے طور پر کیے تھے۔

اپنے لیے تو عائشہ نے کبھی میڈم منیزہ سے زیادہ معاوضے کی فرمائش نہیں کی تھی مگر اکرم کے لیے اُس نے اُن سے مناسب معاوضہ طے کروایا تھا۔ اکرم بھی کام میں تیز تھا۔ اچھی ٹیم بن گئی تھی۔ اُس سال میڈم نے صرف پروجیکٹس لیے تھے۔ کیے ان ہی دونوں نے تھے۔

☆☆☆

فائنل ایئر مکمل ہوتے ہی اُسے ایک اچھی آرکیٹیکچر اینڈ ڈیزائننگ فرم میں جاب مل گئی تھی۔ اسٹارٹنگ سیلری بھی مارکیٹ کے حساب سے کافی اچھی تھی۔ وہ اِسی خوشی میں ٹریٹ دے رہی تھی۔ نتاشا اور شیریں کو ریسٹورنٹ میں۔ نتاشا کے نمبر پر بار بار کسی کا فون آرہا تھا جسے وہ کاٹ رہی تھی۔

''کیا ہوا۔ آج پھر تو نہیں آرہا کوئی دیکھنے تمہیں؟'' عائشہ نے کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے شرارت سے پوچھا تھا۔

''نو بے بی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''عدنان ہے یہ۔'' اُس نے ناک چڑھائی تھی۔ عدنان اُس کا کرنٹ بوائے فرینڈ تھا۔

''بہت ہی پتھیٹک ہوتا جارہا ہے۔''

''عدنان وہی والا نا......'' شیریں نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''ہاں وہی۔'' نتاشا بیزاری سے بولی تھی۔

''یار وہ تو اتنا ڈیسنٹ کیئرنگ سا لگتا ہے۔ تم بھی بڑی پتھر ہو۔'' شیریں کے دماغ کا خلل رومانویت ہی تو تھی۔

''ایک تو...... یو آر سچ آ ہوپ لیس رومانٹک۔ محبت کی دیوی۔'' نتاشا نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

اگلی بار فون آیا تو اُس نے اُٹھا لیا۔ ''Yeah so ??''

''میں ضروری نہیں سمجھتی تمہیں بتانا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

''آئی ڈونٹ لائک یو۔ اِٹس اوور، بائے۔ بیسٹ آف لک۔''

اُس نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

''پکا فائر کیا ہے یا ابھی سسپنڈ کیا ہے؟'' عائشہ نے پوچھا تھا۔

''نو ہی از ٹوٹلی ڈس مسڈ...... ویسے بھی مجھے لگتا ہے۔ ناؤ آئی ایم ٹو اولڈ فار دیز گیمز۔'' وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''واہ یار۔ کتنے آرام سے کر لیتی ہو تم بریک اپ۔'' شیریں ٹھنڈی آہ بھر کر بولی تھی۔ ''مجھے تو ودڈرال سمپٹمز ہونے لگتے ہیں۔ دنیا اندھیری، بے رونق لگنے لگتی ہے۔ اور دل بھی۔'' شیریں مسکین سی صورت بنا کر بولی تھی۔

''بس شروع ہو گئیں۔ بچاری عشق کی ماری ملکہ جذبات۔'' عائشہ کو کبھی کبھی کوفت ہونے لگتی تھی شیریں کی ان باتوں سے۔

''کیا کروں یار! مجھے پتا ہے۔ ٹھیک نہیں ہے وہ میرے لیے۔ چلا جاتا ہے تو عہد کرتی ہوں کہ اب ختم۔ مگر پھر واپس آ کے مناتا ہے تو میں پھر پھسل جاتی ہوں۔''

''یو نو واٹ یہ جو تمہارا والا ہے نا۔ ایکسپرٹ پلیئر ہے۔ مائنڈ گیمز کھیلتا ہے تمہارے ساتھ۔ جب تم تھوڑی ڈیمانڈنگ ہو جاتی ہو، کمٹمنٹ کی بات کرتی ہو تو یہ بہانا بنا کر بریک اپ کر لیتا ہے۔ اور تم یہ سوچتی رہ جاتی ہو کہ شاید تمہارا ہی کوئی قصور ہو۔'' نتاشا کا تجزیہ عائشہ ہی کو نہیں شیریں کو بھی صحیح لگ رہا تھا۔

''ایسا کرو۔ اِس بار تم بریک اپ کرو۔ رات کو بالکل ٹھیک سو نو جانو ٹائپ باتیں کر کے گڈ نائٹ کرو۔ صبح کہو، ہم ساتھ نہیں چل سکتے، کہا سنا معاف۔ نہ کوئی وجہ نہ وضاحت۔ سوچتا رہے بیٹھ کر کیوں کیا تم نے بریک اپ۔'' نتاشا یہ دھانسو مشورہ دے کر

Naqar Azeem www.pakistanipoint.com

کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔
عائشہ نے ایک نظر سوچ میں ڈوبی شیریں پر ڈالی تھی "ہو پائے گا تم سے یہ؟"
"دل تو کر رہا ہے کر ہی لوں۔ آخر ہر بار دل توڑنے کا موقع اُسی کو کیوں ملے؟" شیریں کی غیرت آج کچھ جاگ ہی اُٹھی تھی۔
"اور پھر کیا ہوگا؟ پیچ اپ سیزن؟" عائشہ کو زیادہ اُمید نہیں تھی۔
"نہیں اِس بار نہ مانوں گی، نہ مناؤں گی۔" شیریں کو آج کچھ زیادہ ہی جوش آ گیا تھا۔
"دیٹس مائی گرل۔" نتاشا نے ہمت بڑھائی تھی۔

☆☆☆

اُسے آفس جوائن کیے دو ہفتے ہو چکے تھے۔ ایک بڑی فرم میں کام کرنا چھوٹے چھوٹے انڈیپنڈنٹ پراجیکٹس کرنے سے مختلف تجربہ تھا۔ پہلے اسائنمنٹ پر اپنا پلان تیار کر کے اُس نے آرکیٹیک کو بھیج دیا تھا۔ آج صبح صبح آرکیٹکٹ صاحب خود اُس کے کیوبکل میں تشریف لے آئے تھے۔ گندمی رنگت اور مناسب قدوقامت کا کافی معقول شکل کا بندہ تھا۔ قدرے لمبے گھنگھریالے بال اُسے "آرٹسٹک لک" دے رہے تھے۔
سلام کر کے وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔
"ویلکم ٹو دا کمپنی۔ آئی ہوپ یور ایکسپیرینس سو فار از گڈ" شائستہ لہجے میں مگر اُس کے بجائے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھتے ہوئے کہا گیا تھا۔
"جی، الحمدللہ۔" عائشہ نے مختصراً جواب دیا تھا۔
"دراصل میں آپ کے پلان کے بارے میں بات کرنے آیا تھا، یہ ماسٹر ڈیزائن کے حساب سے ٹھیک نہیں ہے۔ آپ غور سے اُسے اسٹڈی کریں اور اپنا پلان اُس کے مطابق ایڈجسٹ کریں۔"
"ایگزیکٹلی آپ کے خیال میں کہاں پرابلم ہے؟" عائشہ نے سوچتے ہوئے فائل اُس کے سامنے کھولی تھی۔ شہریار نے دو تین جگہ کی نشان دہی کی تھی۔
"شہریار صاحب ایک چھوٹی سی ایڈجسمنٹ میں نے ریکمنڈ کی ہے۔ وہ ہو جائے تو یہ پرابلم حل ہو سکتے ہیں۔" عائشہ نے وضاحت کی تھی۔
"دیکھیے مس عائشہ۔ آپ ڈیزائن کے حساب سے ڈیکوریشن کریں جو بھی آپ نے کرنی ہیں۔" وہ ایسے بولا تھا جیسے کسی ضدی بچے کو سمجھاتے ہیں۔ عائشہ اچھی خاصی تپ گئی۔
"تو پھر بیفور ہینڈ کورڈینیشن اور مجھ سے اِن پٹ لینے کا کیا مقصد ہے؟ اینڈ بائے دا وے میں انٹیریر ڈیکوریٹر نہیں انٹیریر ڈیزائنر ہوں۔ دیئر از آ ڈفرنس۔" یہ چغد بھی سمجھتا ہے کہ میرا کام صرف قالین اور پردوں کا رنگ منتخب کرنا ہے۔ عائشہ نے تلملاتے ہوئے سوچا تھا۔
"بہر حال مس عائشہ آپ اپنے پلان پر نظر ثانی کریں اور اِسے ماسٹر پلان کے ساتھ کمپیٹ ایبل بنائیں۔" وہ آرام سے کہہ کر اُٹھ گیا تھا۔
عائشہ غصہ سے اُسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا پیپر ویٹ اُٹھا کر سر میں دے مارے۔ عجیب دماغ خراب آدمی تھا، ایک ذرا گنجائش نکالنے کو تیار نہ تھا۔ سمجھوتہ تو زیادہ اُسی کو کرنا پڑا مگر ایک دو چیزوں پر وہ بھی اڑ گئی۔ ایسا کون سا حرف مقدس ہے اس کا پلان؟
لنچ بریک میں وہ کیفے ٹیریا گئی تھی۔ کچھ کھانے کو لے کر اکیلے ہی ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں مسٹر آرکیٹیکٹ بھی ایک لڑکے اور لڑکی کی سنگت میں قریب ہی کی ایک ٹیبل پر آ بیٹھے تھے۔ اُس کا موڈ آج خراب ہی تھا مگر ابھی شاید اور ہونا باقی تھا۔
"ارے مس عائشہ! آپ کیسی ہیں؟" چونتیس پینتیس سال کا اکاؤنٹ مینیجر نہ صرف اچانک سے وارد ہوا تھا بلکہ بہت بے تکلفی سے اُسی کے ٹیبل پر بیٹھ کر یوں حال احوال دریافت کر رہا تھا جیسے بچپن سے اُسے جانتا ہو۔
"آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟ سیٹ ہو گئیں ٹھیک سے؟"
"جی" عائشہ نے روکھے سے انداز میں کہا تھا مگر دوسری طرف مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا، اکاؤنٹس کے علاوہ بھی بڑی جان پہچان ہے میری۔''

عائشہ بغیر کچھ کہے اپنا سینڈوچ لپیٹ کے بیگ میں ڈال کر اُٹھ گئی تھی۔ مگر ڈھٹائی تو ختم تھی اس بندے پر۔

''آپ ایسا کریں میرا نمبر لے لیں، کوئی بھی مسئلہ ہو تو.....''

''اِس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بات کاٹ کر درشت لہجے میں بولی تھی۔ ایک تو مردوں کی یہ قسم ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ وہ آفس کی طرف جاتے ہوئے کوفت سے سوچ رہی تھی۔

اگلے دن کیفے ٹیریا میں اُسی لڑکی سے سلام دعا ہوگئی جو اُس دن مسٹر آرکیٹیکٹ کے ساتھ تھی۔ وہ بھی کاؤنٹر پر کھڑی اپنے آرڈر کا انتظار کر رہی تھی۔ کافی خوش مزاج لڑکی تھی، کرن نام تھا اور سافٹ ویئر انجینئر تھی۔ عائشہ اپنا کھانا لے کر ایک خالی میز کی طرف بڑھی تو اُس نے روک لیا۔

''ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کل جتنی پولائٹ بے عزتی تم نے عمران صاحب کی کی ہے اُتنی سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا، وہ مزید کروانے بھی آسکتے ہیں۔ خواتین کی مدد کرنے کا شوق انہیں جنون کی حد تک ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''یہ اسد ہے، سول انجینئر کے طور پر کام کر رہا ہے۔'' کرن تعارف کرا رہی تھی۔

''اور میڈم کا فیانسی بھی ہوں۔'' اسد نے چہکتے ہوئے ٹکڑا لگایا تھا۔

''اور یہ شہریار ہیں، ہی از این آرکیٹیکٹ۔'' شہریار نے پچھلی شناسائی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا تھا۔

عائشہ نے بھی سر کی جنبش سے زیادہ ضروری نہ سمجھا۔

''ویسے تم نے بڑے مزے کی فیلڈ لی ہے۔ انٹیریر ڈیکوریشن تو بہت مزے کا کام ہے۔'' کرن کھاتے ہوئے بھی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھی۔

''انٹیریر ڈیکوریٹر نہیں ہیں، انٹیریر ڈیزائنر ہیں۔'' یہ تصحیح زیرلب مسکراتے ہوئے مسٹر آرکیٹیکٹ کی طرف سے ہوئی تھی۔

''ایک ہی بات ہے۔'' کرن لاپروائی سے بولی تھی۔

''نو دیئر از آ ڈفرنس۔'' وہ یقیناً حظ اُٹھا رہا تھا۔

عائشہ نظر انداز کر کے کرن کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''ہاں آئی لو مائی جاب۔ بچپن سے شوق تھا مجھے۔''

''یونو، مجھے بھی شوق تھا فیشن ڈیزائنر بننے کا پر۔ اماں ابا نے کہا، لوگ ڈاکٹر بنتے ہیں، انجینئر بنتے ہیں، یہ فیشن ڈیزائنر کیا ہوتا ہے؟''

کرن مظلوم شکل بنا کر بولی تھی۔

''تمہارے پیرنٹس اچھے ہیں جو تھوڑی غیر روایتی فیلڈ لینے دی۔''

''اچھے پیرنٹس۔'' عائشہ کو ہنسی آئی تھی، لوگ بھی لاعلمی میں کیسے کیسے شگوفے چھوڑتے ہیں۔

''نہیں ایکچوئلی میں پڑھائی میں کوئی خاص اچھی نہیں تھی تو ایسی ڈاکٹر، انجینئر ٹائپ کی اُمیدیں نہ مجھے خود سے تھیں نہ کسی اور کو۔'' اُس نے وضاحت کی تھی۔

☆☆☆

شیریں کی فیملی دبئی سے کراچی شفٹ ہوگئی تھی۔ سو اُس نے ہاسٹل چھوڑ دیا تھا۔ مگر ساتھ ایک کمال یہ کیا تھا کہ واقعی ''بریک اپ'' کر لیا تھا۔ فرحان نے منانے کی کوشش کی تو شرط رکھ دی کہ فوری رشتہ لے آئے اور سارے حیلے بہانے رد کر دیے۔ اُس کے منطقی انداز پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ ابھی دنوں شیریں کے لیے ایک اچھا رشتہ آ گیا تھا۔ فیملی فرینڈز تھے، ہر حساب سے معقول، شیریں خود بھی کسی حد تک لڑکے کو جانتی تھی۔ اُس کا ماسٹرز بھی کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ بظاہر انکار کی کوئی وجہ نہ تھا۔ مگر شیریں خوش نہیں تھی۔

''یار اگر تم ابھی ریڈی نہیں ہو تو تھوڑا رک جاؤ۔'' عائشہ کو اُس کی حالت دیکھ کر یہی سمجھ میں آیا تھا۔

www.pakistanipoint.com

"کوئی فائدہ نہیں فرحان کو بتا چکی ہوں میں سب۔ اُس نے کہا، گڈ لک۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

"میں فرحان کے ریڈی ہونے کی بات نہیں کر رہی تھی۔" عائشہ ناگواری سے بولی تھی۔ "تم خود کو ٹائم دو۔ ایک نئے رشتے کی شروعات کرتے ہوئے تمہیں ذہنی طور پر ایک بہتر پوزیشن پر ہونا چاہیے۔ اپنے دل و دماغ کو آمادہ کر لو ایک نئے تعلق میں کودنے سے پہلے۔"

"ریڈی تو شاید میں کبھی بھی نہ ہوں۔ جو ہو رہا ہے، ہونے دو۔" وہ دلگرفتی سے بولی تھی۔

☆☆☆

شاہ زین نے لندن پڑھائی مکمل کرنے کے بعد لندن ہی میں ایک بینک میں جاب کر لی تھی۔ احمر اور علینہ کی شادی ہو گئی تھی۔ اپنی شادی ہی کے موقع پر احمر نے وہ موضوع چھیڑا تھا جس پر وہ خود سے بھی بات کرتے کتراتا تھا۔

"تم اور سیما کب شادی کر رہے ہو؟"

شاہ زین اُس کی بات پر چونکا تھا۔

"میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں اور میں اور سیما صرف دوست ہیں۔"

اُس کی بات پر احمر کو حیرت بھی ہوئی تھی اور افسوس بھی۔

"پتا نہیں یار تم دونوں کے بیچ میں اصل میں کیا ہے۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں، سیما ایسا نہیں سوچتی۔ آئی تھنک شی از ان لو ود یو۔"

"نہیں یار۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" اُس نے احمر کو تسلی دی تھی۔ مگر درحقیقت وہ جانتا تھا کہ تسلی کی ضرورت احمر کو نہیں تھی۔

اُس کے اور سیما کے بیچ کوئی واضح عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے۔ مگر جو وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے محسوس کرتے تھے وہ دوستی سے بہت آگے کی کہانی تھی۔ مگر یہ رستہ جس منزل کی جانب جاتا تھا، اُس کے تصور سے اُس کا دم گھٹتا تھا۔ سو وہ ریت میں سر چھپائے بیٹھا تھا۔ مگر پھر اُسے فیصلہ کرنا پڑا۔ سیما کو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کا موقع مل رہا تھا۔ یہ اُس کے مستقبل کے لیے بہت اہم سنگ میل ثابت ہو سکتا تھا۔ مگر وہ اُس سے پوچھ رہی تھی کہ کیا کرے۔

"کیا کروں کیا مطلب؟ گو فار اِٹ۔" وہ بظاہر پرجوش لہجے میں بولا تھا۔

سیما اُس کی بات پر بجھ سی گئی تھی۔

"شاہ زین!"

"ہم کہاں کھڑے ہیں؟ میں اور تم "ہم" ہیں بھی یا نہیں۔" اُس نے پوچھا تھا۔

"میں تمہارے لیے اچھے جذبات رکھتا ہوں۔ اور ہمیشہ رکھوں گا۔ مگر ایک دوست کی طرح۔"

وہ چند لمحے اُسے بے یقینی سے دیکھتی رہی پھر رو پڑی۔

"جو لمحے میں نے اتنی شدت سے محسوس کیے وہ تمہیں چھوئے بغیر کیسے گزر گئے۔" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اتنا ہی کہہ سکا۔

"خدا حافظ شاہ زین۔ بیسٹ آف لک۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"رابطہ نہ رکھنا تا کہ میں تمہیں بھلا سکوں۔" وہ پلٹ کر چل دی تھی۔ اور وہ بے بسی سے اُسے اپنی زندگی سے جاتا دیکھتا رہا۔ اُسے کیسے سمجھاتا کہ وہ اُسے چاہتا ہے مگر اُس کے ساتھ گھر نہیں بسانا چاہتا۔ گھر لفظ سے وحشت ہے اُسے۔ قریب ترین رشتوں نے جو بوجھ اُس کے دل کو دیے تھے اُن سے آج بھی اُس کی روح بوجھل تھی۔ نئے رشتے وہ کیسے بنا لیتا۔

☆☆☆

نتاشا آج اُس سے ملنے آئی تھی مگر کچھ بجھی بجھی سی تھی۔

"کیا ہوا؟ پارٹی کیسی رہی کل کی؟" عائشہ نے پوچھا تھا۔

☆☆

دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

جانے اس روزن میں بیٹھے بیٹھے
تو کس دھیان میں — چڑیا اے ری چڑیا
بیٹھے بیٹھے تو نے کتنی لاج سے دیکھا
پیتل کے اس اک تل کو جو تیری ناک
میں ہے
اپنی پت پر یوں مت ریجھ خبر ہے باہر
اک اک ڈائن آنکھ کی پتلی تیری تاک
میں ہے
تجھ کو یوں چمکانے والوں میں ہے اک
جگ تیرا بیری
چڑیا اے ری چڑیا
بھولی تو یوں اڑتی پنکھ جھپکتی
یہاں کہاں آ ٹھہری چڑیا اے ری چڑیا
یہ تو میرے دل کا پنجرا ہے تو اس میں
اپنی ٹوٹی پھوٹی خوشیاں ڈھونڈنے آئی ہے
پگلی یہاں تو ہے ہیرے کی کنی کا چوگا
اور اک زخمی سانس اس پنجرے کی انگنائی ہے
اڑ اور مہکی ہوئی بن بیلڑیوں میں
جا چن اپنی لے ری چڑیا اے ری چڑیا

مجید امجد

ہاتھ خالی ہیں ترے شہر سے جاتے جاتے
جان ہوتی، تو مری جان ! لٹاتے جاتے

اب تو ہر ہاتھ کا پتھر ہمیں پہچانتا ہے
عمر گزری ہے ترے شہر میں آتے جاتے

رینگنے کی بھی اجازت نہیں ہم کو، ورنہ
ہم جدھر جاتے نئے پھول کھلاتے جاتے

مجھ کو رونے کا سلیقہ بھی نہیں ہے شاید
لوگ ہنستے ہیں مجھے دیکھ کے آتے جاتے

اب کے مایوس ہوا یاروں کو رخصت کر کے
جا رہے تھے، تو کوئی زخم لگاتے جاتے

ہم سے پہلے بھی مسافر کئی گزرے ہوں گے
کم سے کم، راہ کا پتھر تو ہٹاتے جاتے

راحت اندوری

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

تم دھیرے دھیرے مرنے لگتے ہو
گر سفر نہیں کرتے
گر مطالعہ نہیں کرتے
گر زندگی کی آوازیں نہیں سنتے
گر خود کو نہیں سراہتے
تم دھیرے دھیرے مرنے لگتے ہو
جب خود توقیری کو قتل کرتے ہو
جب دوسروں کو اجازت نہیں دیتے
کہ وہ تمہاری مدد کر سکیں
تم دھیرے دھیرے مرنے لگتے ہو
جب اپنی عادتوں کے اسیر بن جاتے ہو
ہر روز لگے بندھے راستوں پر چلتے رہتے ہو
اگر اپنے معمولات نہیں بدلتے
اگر مختلف رنگ نہیں پہنتے
اگر اجنبیوں سے باتیں نہیں کرتے
تم دھیرے دھیرے مرنے لگتے ہو
جب عشق سے
اور اس کی ہنگامہ خیزیوں سے
جان چھڑاتے ہو
اور ان سے بھی جنہیں دیکھ کر
تمہاری آنکھیں
روشنی سے دمک اٹھتی ہیں
اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی ہیں

تم دھیرے سے مر جاؤ گے
اگر قطرہ مول نہ لو گے
یہ جاننے کو
کہ کتنا معلوم کتنا محفوظ ہے
اگر خوابوں کی تلاش میں نہ نکلو گے
زندگی میں کم از کم ایک بار
منطق سے نہ بھاگو گے
خود کو قطرہ قطرہ مرنے نہ دینا
خوش رہنا نہیں بھولنا

پابلو نرودا
ترجمہ۔ سلمیٰ جیلانی

www.pakistanipoint.com

شگفتہ جاہ

یادوں کے حسین جھروکے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز، رات کی نماز ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:۔ محرم کے مہینے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس ماہ محرم کا شرف و امتیاز واضح ہے۔ اس میں نفلی روزوں میں سب سے افضل روزوں اور نفلی نمازوں میں سب سے افضل نماز کا بیان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان،

داؤد بن حصین کا بیان ہے کہ عرب کے لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے تھے کہ محمد بن عبداللہ اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ با اخلاق، پڑوسیوں کی خبرگیری کرنے والے، حلیم و بردبار، صادق و امین، جھگڑے سے دور رہنے والے، فحش گوئی، دشنام طرازی سے پرہیز کرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی قوم نے آپ کا نام الامین رکھا تھا۔

اللہ کا عذاب

حضرت امام غزالیؒ ایک بستی میں پہنچے، جہاں انہوں نے تین دن قیام فرمایا۔ چوتھے دن انہوں نے صبح سویرے اپنے شاگرد سے کہا۔

"فوراً اپنا سامان باندھ لو۔"

شاگرد نے کہا "یہاں آنے کے لیے ہم نے طویل سفر کی مشقت کی۔ اب یہاں سے آپ کیوں اتنی جلدی روانہ ہونا چاہتے ہیں؟"

امام غزالیؒ نے فرمایا "میں اس بستی میں تین دن مقیم رہا ہوں اور کوئی طالب علم میرے پاس نہیں آیا۔ جس بستی اور شہر میں علم کا شوق نہ ہو، وہاں عذاب خداوندی نازل ہو کر رہتا ہے۔ بس تم جلدی کرو، ہم اس بستی سے نکل جائیں۔"

خوف اور اندیشے

امریکہ کے ایک شخص نے خوف اور اندیشوں کے بارے میں معلومات جمع کیں۔ بہت سے لوگوں سے مل کر اس نے پوچھا کہ آپ کو کس قسم کے اندیشے لاحق ہوئے اور ان کا انجام کیا رہا۔ تحقیق کے بعد اس کو پتا چلا کہ بیشتر اندیشے ایسے تھے کہ جو صرف اندیشے ثابت ہوئے۔ وہ کبھی واقعہ نہیں بنے حالانکہ ان لوگوں نے اپنے امکانی اندیشوں کے غم میں اپنی صحتیں برباد کرلیں اور دوسرے بہت سے نقصانات کر ڈالے۔

خوف اور اندیشے ہر آدمی کے سکون کو غارت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ پر توکل اور قناعت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو مطمئن اور پرسکون رکھتی ہیں۔

عربی زبان،

آٹھویں صدی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک کے زمانے میں عربی زبان ہی بیشتر لوگوں کی

علمی زبان تھی اور اسی بنا پر کولمبس نے عربی زبان کو تمام زبانوں کی ماں قرار دیا اور اسی سے اس بات کا سبب بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیوں اپنے پہلے سفر میں ایک ایلچی لوئی دی تورز کو خصوصی مترجم کے طور پر اپنے ساتھ لے گیا جو کہ عربی زبان سے بخوبی واقف تھا۔

بے عمل آدمی

جو برتن جتنا خالی ہو، وہ اتنا ہی زیادہ آواز دیتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی جتنا زیادہ بے عمل ہو، اتنا ہی زیادہ وہ پرشور الفاظ میں بولتا ہے۔ بولنے والے کرتے نہیں، اور کرنے والے بولتے نہیں اور حقیقت کی دنیا میں کرنے کی قیمت ہے۔ نہ کہ بڑے بڑے الفاظ ہوا میں بکھیرنے کی۔

اچھی زندگی

متوکل ایک عباسی خلیفہ تھا۔ فتح بن خاقان کہتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ متوکل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ سر نیچا کیے کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"امیر المومنین! آپ کچھ فکر مند معلوم ہوتے ہیں حالانکہ آپ وہ شخص ہیں جن کو روئے زمین پر سب سے زیادہ آسائش کے سامان حاصل ہیں۔"

خلیفہ متوکل نے میری بات سن کر اپنا سر اٹھایا اور کہا۔

"اے فتح! مجھ سے زیادہ اچھی زندگی اس شخص کی ہے جس کے پاس ایک کشادہ مکان ہو۔ نیک بیوی ہو۔ بقدر ضرورت روزی کا انتظام ہو۔ نہ ہم اس کو جانتے ہوں کہ اس کو تکلیف دیں اور نہ وہ ہمارا محتاج ہو کہ ہم اس کو رسوا کریں۔"

اللہ کے لیے

ایک سوداگر التمش کے دربار میں سو غلام فروخت کے لیے لایا۔ سلطان نے سوائے ایک غلام کے سب خرید لیے۔ بچا ہوا غلام ایک چھوٹی عمر کا مسکین اور بدصورت لڑکا تھا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا۔

"آپ یہ غلام کس لیے خرید رہے ہیں؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "اپنے لیے۔"

"پھر اللہ کے نام پر مجھے بھی خرید لیں۔" اس نے التجا کی۔

بادشاہ نے رحم کھا کر اسے بھی خرید لیا اور بلے سے بہشتیوں کے ساتھ لگا دیا جو محل میں پانی لاتے تھے۔

اس لڑکے کا باپ کبھی وقت ترکی کی فوج میں دس ہزار گھڑ سواروں کا سردار تھا۔ مگر پھر برے دنوں کا شکار ہو گیا۔ التمش کے محل میں اس لڑکے کا نام "بلبن" رکھ دیا گیا۔ وہ خوب صورت نہ تھی مگر بلا کا ہوشیار تھا۔ بڑھتے بڑھتے "میر شکار" کے عہدے پر پہنچ گیا اور ترقی کرتے کرتے وہ غلام لڑکا بلبن دلی کے تخت پر بیٹھا۔

والد کی عظمت

ماں کی خدمت سے جنت تو مل جاتی ہے مگر جنت کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب باپ کی عزت کی جائے۔

کوزے میں دریا

- ہر ایک کو سنیں، ہر ایک سے سیکھیں کیونکہ ہر کوئی سب کچھ نہیں جانتا مگر ہر ایک کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔
- جو آپ کو خوشی میں یاد آئے، آپ اس سے محبت کرتے ہیں مگر جو غم میں یاد آئے، وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔
- شکر ادا کریں اور بہت شکر ادا کریں۔ اس رب کا جو برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا، مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔
- کسی کو پا لینا اتنا اہم نہیں ہوتا، جتنا کسی کے دل میں جگہ بنا لینا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

٭ زندگی میں ناکامیاں اس لیے آتی ہیں تاکہ وہ اپنے بعد کامیابیوں کا راستہ ہموار کرسکیں۔

٭ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

٭ غم ایسا پردہ ہے جو انسان کا خون پی کر زندہ رہتا ہے۔

٭ عاشق دنیا کو دوربین سے اور حاسد خوردبین سے دیکھتا ہے۔

ارم کمال۔ فیصل آباد

غیبت کرنا جائز ہے

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ "میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ دوستوں کے عیب گننا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے عیب گننا اور غیبت کرنا جائز ہے۔

پہلا بے انصاف بادشاہ:۔ اس کی بے انصافی کا ذکر کرنا خلق خدا کو اس کے شر اور دھاندلی سے محفوظ رکھے گا۔

دوسرا بے حیا آدمی:۔ کیونکہ وہ شرم و حیا کا پردہ پھاڑتا ہے اس لیے اس کی بے حیائی پر پردہ ڈالنا جائز نہیں۔

تیسرا کم تولنے والا دکاندار۔ اس کی بے ایمانی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردینا چاہیے تاکہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔

ارم کمال۔ فیصل آباد

ایک جملہ

اچھے لوگ سڑک پر لگی روشنیوں کی طرح ہوتے ہیں جو فاصلہ تو کم نہیں کرتیں مگر چلنے والوں کے لیے راستہ آسان ضرور کردیتی ہیں۔

نور نظر۔ گکھی والا

اللہ کی پسندیدہ تین چیزیں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔ تین چیزیں اللہ کو بے حد پسند ہیں۔

1۔ اللہ کے بندوں پر رحم کرنا۔
2۔ بدلے کی قدرت کے باوجود معاف کرنا۔
3۔ میانہ روی اختیار کرنا۔

زارا طاہر۔ کوئٹہ

انمول ہیرے

٭ صرف ایک ہی شخص آپ کی زندگی بدل سکتا ہے اور وہ آپ خود ہیں۔

٭ ہر انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہے اگر اسے سمجھنا ہے تو اسے بولنے دو۔

٭ وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے لوگ بھی، رشتے بھی، احساس بھی اور کبھی کبھی ہم خود بھی۔

٭ انسان کو اس کی برائیوں سمیت قبول کرنے والا ہی اس کا سچا دوست ہے کیونکہ خوبیاں تو دشمن کو بھی متاثر کرتی ہیں۔

٭ تم دوسروں کی پردہ پوشی کرو، اللہ تمہاری پردہ پوشی کرے گا۔

٭ زندگی عارضی ہے تو مشکلات بھی مستقل نہیں، بس اپنے پروردگار کے شکر گزار رہو۔

٭ انسان کی انسانیت تب ختم ہوتی ہے جب اسے دوسروں کے دکھوں پر ہنسی آنے لگے۔

منزہ بھٹی۔ کراچی

سنہری باتیں

٭ انسان ہمیشہ تکلیف میں ہی سیکھتا ہے، خوشی میں تو پچھلے سبق بھی بھول جاتا ہے۔

٭ دل کے اندر اتنی جگہ پیدا کرو کہ تمہارے اس دل میں دوسروں کے راز سما جائیں۔

٭ جیسے بھی حالات ہوں دعا مانگتے رہیں۔ معجزہ ہوتے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

٭ خوشیاں بانٹنے کی کوشش کرو، نفرتیں تو ویسے بھی عروج پر ہیں۔

نمرہ، اقرأ۔ کراچی

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شہرین ـــــ چوک شاہدرہ

کچھ تو بتا اے اداس رات کی ٹھنڈی ہوا
بھولنے والوں کو کس طرح یاد آؤں میں

ثمرہ، اقرأ ـــــ کراچی

وفا کا ذکر چلا تو مجھے احساس ہوا
وہ نقش اپنی وفا کے مٹا چکا ہوگا
وہ میری آنکھ کو آئینہ کہا کرتا تھا
وہ میرا چہرہ بھی کب کا بھلا چکا ہوگا

ناہید اسماعیل ـــــ کراچی

ہم اندازہ نہ کر سکے جن کا
لوگ ایسے بھی ہم نے کھوئے ہیں

فاکہہ سہیل ـــــ کراچی

ہم نے ایسے اجاڑ دی جیسے
زندگی باپ کی کمائی ہو

حمدہ شان ـــــ کراچی

سب سے پُر اثر واقعہ یہ ہے
آدمی، آدمی کو بھول گیا

نور نظر ـــــ چیچہ وطنی

اشعار میرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں
یہ کتابیں، یہ رسالے، یہ علم کا سودا
فقط اس شخص کی یاد بھلانے کے لیے ہیں

تسنیم عندلیب ـــــ ڈیرہ مستی

بلا جواز نہیں مہر و ماہ کی گردش
کسی کی چاہ انہیں در بدر پھراتی ہے

منزہ بھٹی ـــــ لانڈھی کراچی

جا بچھڑ جا، مگر خیال رہے
یوں نہ ہو ساری عمر ملال رہے

ریحانہ چوہدری ـــــ منڈو کے زندھیر

شاہ بکتے ہیں، فقیر بکتے ہیں
یہاں فقیر و کبیر بکتے ہیں!
کچھ سرِ عام، کچھ پسِ دیوار
اس شہر میں ضمیر بکتے ہیں

ایمن اقبال ـــــ ڈی جی خان

مجھ سے روٹھ جاتے ہیں اکثر اپنے وہی
شاید میرے خلوص میں کمی سی رہتی ہے

سویرا سعد ـــــ ڈی جی خان

ہم کبھی بددعا نہیں دیتے
ہم سلیقے دعا کے رکھتے ہیں

بشریٰ پروین ـــــ ڈی جی خان

میں زندگی کی دعا مانگنے لگا ہوں بہت
جو ہو سکے تو دعاؤں کو بے اثر کر دے

نصرت پروین ـــــ ڈی جی خان

میں زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح کر جاؤں گا

سویرا سعد ـــــ ڈی جی خان

کہتے ہیں اک فریبِ مسلسل ہے زندگی
اس کو بھی وقفِ حسرت و حرماں بنا دیا

ثمینہ ملک ـــــ وہاڑی

اپنی مٹھی میں چھپا کر کسی جگنو کی طرح
ہم تیرے نام کو چپکے سے چوما کرتے ہیں

اقرأ ملک ـــــ وہاڑی

عشق کی نگری میں معافی نہیں کسی کو بھی
عشق عمر نہیں دیکھتا بس اجاڑ دیتا ہے

فوزیہ کاشف ـــــ فیصل آباد

بیدار اہلِ قافلہ سونے کے دن گئے
ہشیار آگ سے ہے جنگل گھرا ہوا

Waqar Azeem
www.pakistanipoint.com

اس ماہ کی مسکراہٹیں

ایک خاتون نے اٹھلاتے ہوئے شوہر سے پوچھا۔
''میں نے سنا ہے کہ جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟''
شوہر نے بے رخی سے جواب دیا۔ ''کچھ بھی نہیں، یہ پیکیج صرف مظلوم طبقے کے لیے ہے۔''

مشورہ

ایک صاحب اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیگم اپنی کمر کے گرد رسی کا پھندا ڈالے کرسی پر کھڑی ہیں اور رسی کا دوسرا سرا چھت کے پنکھے سے بندھا ہوا ہے۔
''بیگم یہ کیا کر رہی ہو؟'' وہ پریشان ہوکر چلائے۔
''میں اس گھر کے حالات سے تنگ آکر خودکشی کر رہی ہوں۔'' ان کی بیگم نے جواب دیا۔
''لیکن خودکشی کے لیے تو پھندا گلے میں ڈالا جاتا ہے۔'' انہوں نے گویا بیگم کی رہنمائی کی۔
پہلے میں نے پھندا گلے میں ہی ڈالا تھا لیکن اس سے میرا دم گھٹنے لگا۔'' بیگم نے جواب دیا۔

ڈراپ سین

شوہر نے بیوی سے پوچھا۔ ''میں دوسری شادی کرلوں؟''
بیوی نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''کرلو۔''
شو نے پھر پوچھا۔ ''تمہاری طرف سے اجازت ہے؟''
بیوی نے آرام سے کہا ''کیوں نہیں۔''
شوہر نے کہا۔ ''ناراض تو نہیں ہوگی۔''
بیوی نے جواب دیا۔ ''بالکل بھی نہیں۔''
''اچھا' میری شادی والے دن کیا پہن کر آؤ گی؟'' شوہر نے خوشی سے بے قابو ہوکر پوچھا۔
بیوی نے سکون سے جواب دیا۔ ''خودکش جیکٹ۔''

وٹامن شی

مریض ڈاکٹر سے......ڈاکٹر صاحب میں بہت خوش رہتا ہوں، نیند سکون سے آتی ہے، زندگی میں امن ہی امن ہے، کوئی پریشانی نہیں ہے مگر پھر بھی کچھ کمی ہے۔ آخر وہ کیا ہے؟
ڈاکٹر کہتا ہے۔ ''میں آپ کی بیماری سمجھ گیا۔ آپ کی زندگی میں وٹامن شی کی کمی ہے۔''

بیوی کہیں جیسے

حسب معمول شوہر دیر سے گھر آیا تو بیوی نے اس سے جھگڑنا شروع کردیا، شوہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''مجھے باہر سو کام ہوتے ہیں۔ اس لیے دیر سے گھر آتا ہوں۔ میں تمہیں ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ مجھ پر شک مت کیا کرو۔ میں قسمیں بھی کھا چکا ہوں کہ ایک ہی عورت ہے جسے میں دل وجان سے چاہتا ہوں۔''
''مگر آپ نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ عورت کون ہے......''
بیوی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

بے بی

طلاق کے مقدمے میں ایک خوب صورت عورت نے جج کو بتایا

''ہم شادی کے بعد ایک سال تک خوش خرم زندگی گزار رہے تھے مگر پھر بے بی کے آنے کے بعد روز بروز ہماری زندگی تلخ سے تلخ تر ہوتی گئی۔''

جج نے پوچھا۔ ''بے بی لڑکا ہے یا لڑکی؟''

بیوی نے جواب دیا۔ ''اٹھارہ سال کی حسین دوشیزہ ہے۔ ایک ماہ پہلے ہمارے سامنے والے مکان میں آکر رہنے لگی ہے۔''

نسخہ

بیوی اور شوہر میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بیوی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

''میں پورا گھر سنبھالتی ہوں۔ کچن سنبھالتی ہوں۔ تم کیا کرتے ہو؟''

شوہر نے جھگڑا ختم کرنے کی خاطر کہا۔ ''میں خود کو سنبھالتا ہوں، تمہاری نشیلی آنکھیں دیکھ کر۔''

بیوی یہ سن کر جھگڑا ختم کرتے ہوئے شرما کر بولی۔

''آپ بھی ناں۔ اب بتائیں، آج کیا پکاؤں آپ کی پسند کا؟''

سبب

ایک صاحب اپنے دوست کو دوسرے دوست کے متعلق بتا رہے تھے کہ نعیم کا دعوا ہے کہ موٹر سائیکل والے نے اسے ٹکر مار کر عمر بھر کے لیے معذور کر دیا ہے اور وہ کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہا۔

''مگر اس کے ہاتھ پاؤں تو سلامت ہیں۔'' دوست نے حیرت کا اظہار کیا۔

''دراصل اس ٹکر سے اس کا وہ انگوٹھا ٹوٹ گیا ہے، جس سے اشارہ کر کے وہ لوگوں سے لفٹ لیا کرتا تھا۔'' ان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تکلیف

ایک عورت نے اپنی پڑوسن سے کہا۔

''کیا تمہارے شوہر بھی میرے شوہر کی طرح نیند میں باتیں کرتے ہیں؟''

''نہیں۔ وہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ حرکت کرتے ہیں۔''

''وہ کیا؟'' عورت نے سوال کیا۔

''وہ بس نیند میں مسکرائے جاتے ہیں۔'' پڑوسن نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

حیرت

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔

''آج کل پڑوسی سے تمہاری بول چال کیوں بند ہے؟''

دوست جواباً بولا۔ ''ایک صبح میں سورج نکلنے سے پہلے مشین سے اپنے گھر کے لان کی گھاس کاٹ رہا تھا کہ میرے ان پڑوسی نے ملازم کے ہاتھ تیل کی بوتل اس ہدایت کے ساتھ بھیج دی کہ میں اس تیل کی مدد سے مشین کا شور بند کر دوں، میں نے تیل کی بوتل اس مشورے کے ساتھ واپس بھجوادی کہ اس تیل کی زیادہ ضرورت ان کی بیوی کو رات کو گانا گاتے ہوئے پڑے گی۔

''بس اس دن سے پتا نہیں کیوں انہوں نے مجھ سے بولنا ہی چھوڑ دیا۔''

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pakistanipoint.com Waqar Azeem

آئینے کے سامنے

واصفہ سہیل

شاہی گھرانوں میں صدیوں پرانے رسم و رواج چلے آرہے ہیں، خاص طور پر غیر ملک یا دوسرے خاندان سے آنے والی بہو کو ہر قدم پر شاہی روایات کی پاس داری کرنا ہوگی۔ شاید اپنی اہلیہ کی مشکل کو محسوس کرتے ہوئے ہیری نے اپنی شاہی حیثیت کی قربانی دے دی اور امریکہ چلے گئے۔ (محبت ہو تو ایسی)۔

نیا شوق

لیجیے جناب! لالی وڈ کی کوئن (بھئی میرا اور کون) رواں سال اپنے کیریر میں کچھ نیا کرنے جارہی ہیں۔ سنا ہے کہ وہ موسیقی سیکھنے کی کوشش کررہی ہیں (لو جی اب موسیقی پر......) ویسے تو میرا ہمیشہ یہ کہتی ہیں کہ انہیں اداکاری کے ساتھ ساتھ گلوکاری کا بھی بہت شوق ہے۔ لیکن اس بار وہ موسیقی اپنے کسی نئے کردار کے لیے سیکھنے جارہی ہیں۔ میرا نے بتایا کہ گلوکاری کافی مشکل ہے لیکن میں کچھ نیا سیکھنے کی کوشش کررہی ہوں (موسیقی میں نیا؟) اور نئے کردار

قربانی

دنیا بھر میں ملکہ برطانیہ کے پوتے ہیری اور ان کی اہلیہ میگن مرکل کی شاہی حیثیت چھوڑنے کے پیچھے موجود وجوہات کے حوالے سے چہ مگوئیاں، پیش گوئیاں جاری ہیں۔ ہیری کی منگنی سے لے کر شادی تک کئی باتوں کو میڈیا نے شہ سرخیوں میں جگہ دی جن جریدوں نے ہیری اور میگن کے بارے میں مختلف انکشافات سے بھرپور خبریں شائع کیں ان کے خلاف ہیری اور میگن نے مقدمات بھی دائر کیے۔ تاہم میگن مرکل کے متعلق یہ بات عرصہ دراز سے کہی جارہی ہے کہ وہ شاہی خاندان کے رسم و رواج پر خود کو پورا نہیں اتار سکیں اور انہیں اپنا آپ ہمیشہ سسرال سے الگ لگا (یعنی وہاں کی بہوویں ہوں یا یہاں کی سب کو سسرال الگ ہی لگتا ہے)۔

www.naqarAzeem pakistanipoint.com

کے لیے تیاری بہت دلچسپ مرحلے میں ہے۔

ویسے تو موسیقی کا شوق میرا کے لیے نیا نہیں، اس سے پہلے بھی میرا نے مشہور فلم ٹائی ٹینک کے مقبول ترین گائے ''مائی ہارٹ ول گو آن'' کی گلوکاری کی تھی اور سوشل میڈیا پر ان کی ویڈیو وائرل ہوئی تھی۔

خدمت

پوری دنیا میں مشہور ہستیاں اپنے اپنے شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دینے کے علاوہ سماجی خدمات پر بھی اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہیں، خاص طور پر فنکار اور کھلاڑی ضرور ایسے مواقع پر اپنی خدمات کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ (اور ہمارے یہاں غریب یا عوام سے ہی چندہ مانگ کر اپنا نام بنانے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ بہت سی مثالیں آپ کو ارض وطن میں نظر آرہیں گی کہ اپنا تو ٹکا نہ لگے عوام کے پیسے سے فلاحی ادارے اور اسپتال چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔)

لیجنڈری آسٹریلوی اسپنر شین وارن کی ٹیسٹ کیپ دس لاکھ آسٹریلوی ڈالر میں فروخت ہوگئی۔

آسٹریلیا کے جنگلات میں لگی آگ کے متاثرین کی امداد کے لیے چندے کی مہم کے تحت شین وارن نے اپنی کیپ نیلامی کے لیے پیش کی تھی جو دس لاکھ آسٹریلوی ڈالر میں نیلام ہوئی۔ یہ کرکٹ آسٹریلیا کی مہنگی ترین نیلامی ہے۔ اس سے پہلے آسٹریلیا میں سر ڈان بریڈ مین کی کیپ کی نیلامی 2003ء میں چار لاکھ پچیس ہزار ڈالر میں ہوئی تھی۔

شین وارن نے کیپ خریدنے والے شخص کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ انہیں ان کی فیاضی پر بہت خوشی ہوئی اور بولی میں حاصل ہونے والی رقم ان کی توقع سے کہیں زیادہ ہے۔

خوف

بھارت کے معروف شاعر اور مصنف جاوید اختر نے بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی کو فاشسٹ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سوچ کے حامل افراد کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے ایک غیر ملکی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا جس میں ان کے ہمراہ مہیش بھٹ بھی موجود تھے۔ جاوید اختر نے کہا کہ فاشسٹ ایک سوچ ہے اور یہ سوچنا کہ ہم دوسروں سے بہتر ہیں اور جو بھی مسائل ہیں، وہ دوسروں کی وجہ سے ہیں یہ فاشسزم ہے۔ اگر آپ لوگوں کی اکثریت سے نفرت کرتے ہیں تو سمجھیں آپ فاشسٹ ہیں۔ مہیش بھٹ نے کہا کہ نائن الیون کے بعد دنیا بھر میں اسلاموفوبیا کی ہوائیں چلیں لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے فوبیا کا ہوّا کھڑا کیا گیا ہے۔ لیکن عام بھارتی شہری مسلمانوں سے خوف زدہ نہیں (لیکن مسلمان تو ان سے خوف زدہ ہیں نا)۔

مسلمانوں سے متعلق خوف کی فضا قائم کرنے کے لیے ہر وقت کام ہو رہا ہے۔ خوف دلانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام ہو رہا ہے اور نفرت کو ہوا دینے کے لیے من پسند افراد کو ذرائع ابلاغ میں جگہ دی جارہی ہے۔ اقتدار برقرار رکھنے کے لیے منظم مہم چلائی گئی۔

محتاج

محمود اسلم کا شمار ٹی وی کے ان فنکاروں میں ہوتا ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی چینل سے نظر آرہے ہوتے ہیں۔ محمود اسلم کہتے ہیں کہ اداکار بادشاہ ہوتا ہے، اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ دنیا میں ہر کسی کی جگہ کوئی لے سکتا ہے لیکن اداکار کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ لکھاری اور ہدایت کار دوسرا آجاتا ہے، جیسے سلطان راہی کا انتقال ہوا، سلطان راہی دوبارہ کوئی نہیں بن سکا۔ ان کی فلمیں ڈبوں میں بند ہوگئیں۔ کوئی دوسرا ان کی جگہ نہیں لے سکا۔ دوسری بات یہ ہے کہ لکھاری اور ہدایت کار، اداکار کا محتاج ہوتا ہے۔ (اداکار بھی لکھاری کے لفظوں کا محتاج ہے) لکھاری کے مردہ الفاظ میں ایک اداکار زندگی ڈالتا ہے۔ (لیکن اگر الفاظ جان دار ہوں تو اداکار کو انہیں ادا کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے)۔

آج اور کل کے فنکاروں میں فرق بتاتے ہوئے محمود اسلم کا کہنا تھا کہ آج کا اداکار پڑھا لکھا زیادہ ہے لیکن محنتی کم ہے۔ توجہ کم دیتے ہیں۔ ہم لوگوں نے توجہ زیادہ دی، سب سے بڑی بات آج احترام بھی کم ہوگیا ہے۔

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

امت الصبور

تاریخ کے کچھ گوشے

ظالم اور موقع پرست عورت بیگم سمرو

برصغیر کی تاریخ میں آخری عہد مغلیہ ہندوستان کی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کے لحاظ سے انتہائی زرخیز دور ہے۔ اس سیاسی انتشار اور افراتفری کے زمانہ میں نئی نئی شخصیتیں اپنے مختلف کردار، عادات اور رجحانات کے باعث ابھر کر سامنے آئیں۔ ان ہی شخصیتوں میں ایک بیگم سمرو تھی۔

بیگم سمرو کی شخصیت کی تشکیل میں ان یورپی کرائے کے فوجیوں کا بڑا ہاتھ ہے جو ہندوستان میں قسمت آزمائی کرنے آئے تھے، ان کو یہاں پر اپنی فوجی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا موقع اس لیے ملا کہ مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور فوجی گروہوں کی وجہ سے خانہ جنگی کا شکار ہو گیا اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے تجربہ کار فوجیوں کی مانگ بڑھ گئی جس کی وجہ سے یورپ سے مختلف قوموں کے لوگ یہاں پر مواقع کی تلاش میں آنے لگے۔

ان یورپی فوجی مہم جوؤں میں ایک شخص رائن ہارڈٹ تھا، یہ جنوبی ہندوستان میں آ گیا اور اپنا نام سومرس رکھ کر فرانسیسی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس کا نام بعد میں کثرت استعمال سے سمرو ہو گیا۔ یہ کچھ عرصہ کرناٹک میں رہا اور پھر بنگال — چلا آیا۔ یہاں اس نے سراج الدولہ کی فوج میں شمولیت اختیار کرلی۔

اس دوران میں بنگال میں تبدیلیاں آئیں۔ جنگ پلاسی میں انگریزوں کو فتح ہوئی۔ سمرو اس دوران میں ملازمتیں تبدیل کرتا رہا یہاں تک کہ یہ میر قاسم کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اور 1863ء میں جو انگریزوں کا قتل ہوا تو اس میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ جس کی وجہ سے انگریز اس کے جانی دشمن ہو گئے۔ اس لیے جب انگریزوں نے میر قاسم پر حملہ کیا تو اس نے بھاگ کر اودھ کے نواب وزیر شجاع الدولہ کے ہاں پناہ لی۔ بکسر کی جنگ میں جب شجاع الدولہ اور میر قاسم کو شکست ہوئی تو صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سمرو کو انگریزوں کے حوالے کیا جائے گا۔

سمرو کو جب یہ خبر ملی تو وہ روہیل کھنڈ چلا گیا اور حافظ رحمت خان کی ملازمت اختیار کرلی۔ آخر میں مغل منصب دار نجف خان کی ملازمت میں آ گیا، جہاں یہ مرتے دم تک رہا۔ اس ملازمت کے دوران اسے سردھانہ کی جاگیر ملی جہاں اس نے مستقل رہائش اختیار کرلی۔

سمرو نے ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے طور طریق اور عادات کو اختیار کر لیا تھا۔ ہندوستانی امراء کی طرح وہ بھی حرم رکھتا تھا اور اس کی کئی بیگمات تھیں، ان میں سے اس کی ایک بیگم جو مشہور ہوئی اور اس نے اس کی وفات کے بعد خاصی شہرت حاصل کی، وہ بیگم سمرو تھی۔

اس عورت کے بارے میں مختلف روایات مشہور تھیں۔ کچھ کے مطابق اس کا تعلق مغل خاندان سے تھا کچھ اسے سادات سے بتاتے ہیں اور کچھ کے خیال کے مطابق یہ ایک کشمیری رقاصہ تھی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ رائن ہارڈٹ نے اسے بطور کنیز خریدا تھا۔ وہ میرٹھ ڈسٹرکٹ میں کوٹانا کی رہنے والی تھی، اس کے باپ کا نام اسد خان تھا اور اس کی ماں اس کے باپ کی نکاحی بیوی نہیں تھی۔

باپ کے مرنے کے بعد جب وارثوں نے اسے تنگ کیا تو یہ دہلی چلی آئی۔ جہاں اس کی ملاقات رائن ہارڈٹ سے ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ جب رائن ہارڈٹ ریٹائر ہوا تو اس نے اس سے شادی کرلی۔

اس کا اصل نام تو زیب النساء تھا مگر بعد میں یہ بیگم سمرو کے نام سے مشہور ہوئی، یہ بعد میں عیسائی ہوگئی اور اپنے شوہر کے مرنے کے تین سال بعد ۱۷۸۱ء میں اس نے اپنے سوتیلے لڑکے کے ساتھ بتسیمہ لیا اور اس کا عیسائی نام یوہانا رکھا گیا۔

شوہر کے مرنے کے بعد شاہ عالم ثانی مغل بادشاہ نے اسے سردھانہ کی جاگیر دے دی اور ساتھ ہی میں اسے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

شوہر کی فوج بھی مل گئی۔ اس کو جو بریگیڈ ملی، اس میں پانچ بٹالینیں تھیں اور ایک مغل گھڑ سواروں کی رجمنٹ تھی اس کے پاس چالیس توپیں تھیں۔ فوج میں یورپی فوجیوں کی تعداد تین سو تھی، جن میں انگریز فرانسیسی، جرمن، سوس، پرتگیزی، آرمینین اور دوغلے شامل تھے۔

اس کی فوج کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی کرایہ کا سپاہی ہندوستان میں آتا تھا تو فوراً ہی اسے بیگم سمرو کی فوج میں ملازمت مل جایا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ دوسری جگہوں پر جایا کرتا تھا۔

بیگم سمرو کی فوج کے ان یورپی افسروں کی اکثریت جاہل، ان پڑھ اور غیر مہذب لوگوں کی تھی، اس لیے ان میں ڈسپلن کی کمی تھی اور آپس میں رقابت، لڑائی جھگڑے، اور سازشیں عام تھیں، اس لیے جب بیگم سمرو نے ایک فرانسیسی افسر میجر لو۔ واسول سے شادی کر لی تو اس کو اکثریت نے پسند نہیں کیا کیونکہ واسول میں تکبر اور غرور تھا۔

شادی کے بعد اس نے دوسرے یورپی افسروں کے ساتھ برا سلوک کیا اور انہیں کھانے کی میز پر شریک کرنے سے انکار کر دیا۔ ان یورپی افسروں نے اسے اپنی توہین سمجھا۔

اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے دونوں کے خلاف ایک سازش تیار کی کہ اسے معزول کر کے اس کے سوتیلے لڑکے کو جو نواب ظفریاب کے نام سے مشہور تھا، اس کا جانشین بنایا جائے۔

اس پر بیگم سمرو اور اس کے شوہر نے بھاگ کر کمپنی کے علاقہ میں پناہ لینی چاہی، اس کی اطلاع فوج کو ہو گئی اور انہوں نے فوراً ظفریاب کو دہلی سے بلایا تا کہ وہ سردھانہ کی جاگیر سنبھالے۔

جب بیگم سمرو اور اس کا شوہر بھاگے تو ان کا تعاقب کیا گیا، اس پر دونوں نے یہ عہد کیا کہ اگر وہ باغیوں کے ہاتھوں پکڑے گئے تو وہ خودکشی کر لیں گے۔ اتفاق سے دونوں پکڑے گئے تو بیگم سمرو نے اپنے سینے میں خنجر مارا۔ مگر زخم گہرا نہیں ہوا، مگر جب اس کے شوہر کو یہ خبر ملی کہ بیگم سمرو نے خودکشی کر لی ہے تو اس نے پستول سے خود کو ہلاک کر ڈالا اگرچہ وہ بھاگ کر اپنی جان بچا سکتا تھا، باغیوں نے اس کی لاش کی بے حرمتی کی اور اسے بغیر دفن کیے وہیں چھوڑ دیا۔

بیگم کو جو معمولی زخمی ہوئی تھی۔ سردھانہ لے جایا گیا، جہاں اسے سات دن تک توپ سے باندھے رکھا اور اس کا کھانا پینا بند کر دیا، سوائے اس کے کہ اس کی خادمائیں چپکے سے اسے کچھ کھانے کو دے دیا کرتی تھیں۔

اس کا سوتیلا لڑکا ظفریاب جو بری عادتوں میں مبتلا تھا، اپنے کردار کی وجہ سے جلد ہی بدنام ہو گیا اس وجہ سے کچھ لوگوں نے اس کی مدد کی اور فوجیوں سے کہا کہ اگر بیگم قید میں مر گئی تو مغل بادشاہ جاگیر ضبط کر لے گا اور تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی، اس پر اسے قید سے چھوڑا گیا اور اس کے اور میں فوجیوں کے درمیان ایک عہد نامہ تیار ہوا اور یہ عہد کیا گیا کہ وہ بیگم کے وفادار رہیں گے۔ اس پر انہوں نے اپنی مہریں ثبت کیں (ان تیس میں سے صرف ایک افسر دستخط کر سکتا تھا)

یہ معاہدہ ایک مسلمان منشی نے لکھا تھا چونکہ وہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں لکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے لکھا کہ خدا اور اعلیٰ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے نام سے۔

اس بغاوت کے خاتمہ کے بعد بیگم نے اپنی فوج کی تعداد بڑھائی اور ہندوستان میں جو سیاسی تبدیلیاں ہو رہی تھیں، ان میں اس نے اپنی حیثیت کو برقرار رکھا۔

۱۷۸۸ میں اس نے نجف خان کی بغاوت کے خلاف شاہ عالم ثانی کا ساتھ دیا اور اسے شکست سے بچایا۔ اس نے غلام قادر روہیلہ کی بغاوت کے دوران بھی شاہ عالم کی مدد کی اگرچہ اس نے اپنی فوج کو تو بچا لیا مگر مغل بادشاہ کو ذلت سے نہیں بچا سکی، اس نے مرہٹوں مغلوں اور انگریزوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش میں خود کو اس طاقت کے ساتھ رکھا کہ جس سے اسے تحفظ کی امید تھی، اسی لیے جب اس نے مغلوں اور مرہٹوں کی شکست کے آثار دیکھے تو فوری طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت کر لی۔

۱۸۰۳ میں جب انگریز کمانڈر لیک اور مرہٹوں میں آخری فیصلہ کن مقابلہ ہوا تو اس نے لیک سے مصالحت کی گفتگو کی اور جنرل سے ملنے کے لیے گئی

Nasir Azeem
www.pakistanipoint.com

جب یہ اس کے خیمہ میں پہنچی تو جنرل اس وقت شراب کے نشہ میں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بیگم کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کا بوسہ لیا اس پر بیگم نے حاضر جوابی کا ثبوت دیتے ہوئے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ایک پادری اپنی بیٹی کا استقبال اس طرح سے کرتا ہے۔''

انگریزوں سے مصالحت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی جاگیر اسے زندگی بھر کے لیے دے دی گئی۔ جاگیردار کی حیثیت سے اس کا رویہ کسانوں اور ملازموں کے ساتھ مطلق العنانیت کا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخری عہد مغلیہ میں جاگیردار اپنی رعیت پر مکمل قادر تھا اور جو سزا وہ چاہتا تھا بغیر کسی قانون اور عدالت کے انہیں دیتا تھا۔

اسی لیے بیگم سمرو کا دستور تھا کہ وہ حکم عدولی کرنے والوں کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتی تھی۔

اس کا ایک مشہور واقعہ ہے جس میں اس نے دو کنیزوں کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی غیر موجودگی میں محل کو آگ لگا کر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ بھاگ گئی تھیں۔ بعد میں ان کو آگرہ سے گرفتار کر کے لایا گیا اور سزا کے طور پر پہلے انہیں کوڑے مارے گئے کہ وہ بے ہوش ہو گئیں۔ اس کے بعد انہیں زندہ دفن کر دیا گیا۔ اور بیگم ان کی قبر پر اپنا خیمہ لگا کر صبح ہونے تک وہاں رہی تا کہ انہیں کوئی بچا نہ سکے۔

اپنی جاگیر کے کسانوں کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ تھا، وہ ان کے پاس صرف اس قدر رہنے دیتی تھی جو ان کی ضروریات کو پورا کرے، باقی جو بچتا وہ ٹیکس کی صورت میں ان سے لے لیتی تھی چونکہ اس کی فوج زیادہ تھی اور اس کے اخراجات آمدن سے زیادہ تھے، اس لیے اس کمی کو کسانوں کی آمدن سے پورا کیا جاتا تھا۔

۱۸۴۰ میں اس کے مرنے کے بعد آگرہ ریونیو بورڈ کے ایک افسر نے اس کی جاگیر کے حالات کی تحقیق کی اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ وہ کسانوں سے ٹیکس کے ذریعہ جو وصول کرتی تھی وہ برطانوی علاقوں سے کہیں زیادہ تھا۔

یہ کسانوں سے فوجیوں کی موجودگی میں کاشت کراتی تھی، کیونکہ کسانوں کو آمدنی نہ ہونے کی صورت میں کاشت کاری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

وہ یورپی افسروں کی دعوت کرنے کی شوقین تھی، گورنر جنرل، کمانڈر انچیف اور دوسرے یورپی افسروں کی شان دار دعوتیں کیا کرتی تھی ان دعوتوں میں مقامی لوگوں کو شریک نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف ملازم عورتیں ہوتی تھیں۔ وہ خود اس موقع پر بغیر نقاب کے آتی اور مشرقی لباس پہنے ہوئے ہوتی تھی۔ دعوت میں فرانس اور اسپین کی بہترین شرابیں مہمانوں کو پیش کی جاتی تھیں۔ اس موقع پر موسیقی کا بھی انتظام ہوتا تھا۔

۱۸۳۱ میں اسے فرانسیسی سیاح یاک مون نے دیکھا۔ اس کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اس وقت اس کی عمر تقریباً سو برس کی ہوگی اس کی کمر انتہائی جھک گئی ہے کہ وہ کمان کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر اس قدر جھریاں ہیں کہ جیسے خشک کشمش پر ہوتی ہیں، وہ بالکل مصری ممی کی طرح لگتی ہے۔ لیکن اس وقت بھی وہ اپنے معاملات کی خود جانچ پڑتال کرتی ہے اور دو یا تین سیکرٹریوں کو بیک وقت احکامات دیتی ہے۔

آخر عمر میں اس نے ایک لڑکا اور لڑکی کو گود لیا تھا، اس کی جائیداد اس لڑکے کو ملی۔ اب وہ خدا ترس اور سخی عورت کی حیثیت سے مشہور ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی آمدن میں سے پچاس ہزار پاؤنڈ پوپ کو پچاس ہزار مارک بشپ کنٹربری کو ایک لاکھ کلکتہ کے بشپ کو اور پچاس ہزار ہندوستان کے کیتھولک مشن کو دیئے۔ سردھانہ اور میرٹھ میں اس نے چرچ تعمیر کرائے۔

۱۸۳۶ میں جب اس کا انتقال ہوا ہے تو اس نے ستر ہزار پاؤنڈ چھوڑے جو اس کے وارثوں کو ملے۔ وہ سردھانہ میں اپنے تعمیر کیے ہوئے چرچ میں دفن ہوئی، جہاں اس کا مجسمہ ہے اور اس کے اردگرد سول اور فوجی افسروں کے مجسمے ہیں، اس کے نیچے بیگم کی زندگی اور اس کے کارنامے درج ہیں۔

اس ظالم، موقع پرست عورت نے کسانوں، کاشت کاروں اور ملازموں پر سخت مظالم ڈھائے۔ مگر اس جبر و ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت کو مذہبی کاموں پر خرچ کر کے وہ خدا ترس مشہور ہو گئی۔

☆☆

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

شعاع کے ساتھ ساتھ

ادارہ

گڑیا راجپوت...... جاتری شریف

س: شعاع کب پڑھنا شروع کیا؟

ج: مارچ، 2010ء میں کرن ڈائجسٹ میں ''رسم'' نبیلہ عزیز کی پڑھی۔ بہت مزا آیا پڑھ کر۔ اس ڈائجسٹ میں ہی ''پھر کرم ہوگیا'' (شہناز صدیق کا ناول) کا دوسرا حصہ تھا۔ یہ میرا موسٹ فیورٹ بن گیا۔ اس کے بعد مجھے پتا چلا، شعاع اور خواتین بھی اسی ادارے کے ڈائجسٹ ہیں تو مارچ کے شعاع اور خواتین بھی منگوالیے۔ مارچ 2020ء میں دس سال ہوجائیں گے۔

س: دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟

ج: اللہ کے فضل سے نماز و قرآن سے۔ ان سے فارغ ہوکر پانی پی کر دوبارہ سو جاتی ہوں۔ پھر میری صبح دس گیارہ بجے ہوتی ہے۔

س: افسانوں کی دنیا کیسی لگتی ہے؟

ج: بہت اچھی۔ لیکن جہاں زیادہ ہی سیاست، مکاریاں اور رنجش بیان ہونے لگے، وہاں دل اوب جاتا ہے۔ افسانوں دنیا میں ان چیزوں کی کیا تک؟ ان کے لیے تو گھروں کے احوال کافی ہیں۔ ٹینشن فری ہونے کے لیے تو ڈائجسٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ آگے بھی یہی سب۔

س: خوبیاں، خامیاں؟

ج: خوبیوں کے بجائے اللہ کا فضل کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ میں پنجگانہ نماز ادا کرتی ہوں۔ میں ناانصاف نہیں ہوں۔ منافق نہیں ہوں۔ ناانصافی برداشت نہ کرنا میری خامی بھی ہے کیونکہ میں اس معاملے میں منہ پھٹ بدلحاظ ہوجاتی ہوں اور ہاں دوسری میری خامی کہ میں نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا ہے جس کا ایک فائدہ اور ایک نقصان ہوا ہے۔ فائدہ کہ مجھ پر کوئی الزام نہیں آتا۔ نقصان میں مغرور مشہور ہوتی جا رہی ہوں حالانکہ غرور مجھے خود پسند نہیں۔

س: پسندیدہ تحریر......؟ کردار میں اپنی جھلک؟

ج: پیر کامل...... میں نے اس کو بہت پڑھا۔ بار بار بار...... بہت بار...... اس کے علاوہ نبیلہ عزیز اور شہناز صدیق کی ہر تحریر۔ (مجھے ان کی بہت کمی بھی محسوس ہوتی ہے) نمرہ احمد کی ''جنت کے پتے'' کبھی کبھی مجھے لگتا ہے نمرہ احمد اس سے اوپر کچھ لکھ ہی نہیں سکتیں۔ اور ''حالم'' نے تو...... اب میں کیا کہوں۔ مجھے ذرا بھی پسند نہیں آیا اور سمیرا احمید کے ''یارم'' کی امرحہ بنی بنائی گڑیا ہے۔ ایک رتی فرق نہیں بالکل سیم۔

س: بارش کیسی لگتی ہے؟

ج: بارش کے بعد کا موسم اچھا لگتا ہے۔ بجلی کی کڑک اور چمک، بادلوں کی گرج میرے اندر خوف پیدا کردیتی ہے۔ بارش میں نہانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

س: پسندیدہ کتاب؟

ج: قرآن پاک۔

ثانیہ مرید...... ڈی جی خان

س: شعاع کب سے پڑھنا شروع کیا؟

ج: شروع سے میں اپنی خالہ کو شعاع پڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن پڑھائی میں مصروفیات کی وجہ سے نہ پڑھ سکی۔ اب کرونا کی وجہ سے کالج بند ہے، گھر میں بور ہو رہی تھی، سوچا شعاع پڑھ لوں۔ سب سے پہلے سمیرا احمید کا ناول ''راہ نور'' پڑھا اور میں نے سمیرا احمید کی سحر زدہ دنیا میں خود کو مقید پایا۔ اس کے بعد شعاع میں جب سمیرا احمید کی کہانی لگتی ہے۔ میں ضرور پڑھتی ہوں۔

س: دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟ آپ کے معمولات؟

ج: صبح کا آغاز پانچ بجے ہوتا ہے۔ نماز، قرآن پڑھنے کے بعد ناشتے کی تیاریاں ہوتی ہیں، تقریباً آٹھ بجے بچے ٹیوشن پڑھنے آجاتے ہیں۔ ان کو پڑھاتے پڑھاتے بارہ بج جاتے ہیں۔ تھوڑا سا ریسٹ کے بعد

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

شعاع پڑھنا شروع کرتی ہوں اور کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ عصر ہو جاتی ہے لیکن کہانی شعاع کو چھوڑنے نہیں دیتی۔ کہانی نے اجازت دی تو آٹا گوندھ لیتی ہوں۔ باہر سے امی، خالہ، بہن کی آوازیں آرہی ہوتی ہیں۔ ثانی، باہر تو دیکھو، شام ہو رہی ہے۔ یہ والا کام کرو، وہ والا کام کرو وغیرہ وغیرہ۔

پھر رات تک کام ہی کام ہوتے ہیں۔ ہمیں گھاس اٹھانے کے لیے باہر جانا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی گٹھڑیاں اٹھا کر کمر تھک جاتی ہے۔ لیکن کیا کریں، گاؤں میں تو اس طرح کے کام کرنے پڑتے ہیں۔

س: آپ کی خوبیاں اور خامیاں؟

ج: خامیاں ہی خامیاں ہیں۔ کوثر (دوست) سے پوچھا، کہنے لگی۔ خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ پھر کہنے لگی۔ پڑھائی میں بہت اچھی ہو۔ لیکن تم سمپل (سادہ) ہو۔ دل کی صاف ہو۔ یہ تو صرف دوستوں کی باتیں ہیں۔ گھر والوں سے پوچھو تو کہتے ہیں، نکمی ہو۔ کچھ کرنا نہیں آتا۔ بہت ضدی ہو لیکن اساتذہ نے ہمیشہ میرے لیے تعریفی جملے کہے۔ میرے خیال میں، میں بہت ٹھنڈی ہوں اور اپنی بہن کو بہت تنگ کرتی ہوں، یہ اسے لگتا ہے، مجھے نہیں۔

س: بارشوں کا موسم کیسا لگتا ہے؟

ج: ساون بہت پسند ہے۔ اگر بارش ہو رہی ہو تو جتنا ضروری کام ہو چھوڑ کر بارش میں نہاتی ہوں۔ خوب انجوائے کرتی ہوں۔ بچوں کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ سائیکل چلاتی ہوں، بہت مزا آتا ہے۔

س: پسندیدہ شعر؟ اقتباس؟

ج: ناصر کاظمی میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شعر۔

آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصر
پھر یہ دریا اتر نہ جائے کہیں

اور یہ شعر۔

وہ شہر میں تھا تو اس کے لیے اوروں سے بھی ملنا پڑتا تھا
اب ایسے ویسے لوگوں میں ناز اٹھاؤں کس کے لیے

میرا پسندیدہ اقتباس سمیرا احمید کے ناول "راہ نور" سے۔

"اگر انسان دانائی لے کر دنیا میں چلے پھرے اور سچی محبت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے تو اس پوری دنیا میں شاید ہی چار، پانچ لوگ سچی محبت کے امین ملیں۔ آدھی دنیا دھوکے میں، زیادہ جھوٹ میں اور باقی ماندہ غلط فہمی کی محبت میں مبتلا ملے گی۔ ماں کی محبت کے علاوہ انسان شاید ہی کبھی "سچی محبت" کا مزا چکھ سکے۔

اقراء سرور......ڈی جی خان

س: شعاع کب پڑھنا شروع کیا؟

ج: تقریباً 2014ء کی بات ہے، جب میں نائنتھ میں تھی۔ اپنی کزن کے گھر گئی، اچانک میری نظر فریج کے اوپر پڑی، وہاں مجھے کوئی پھٹی پرانی کتاب نظر آئی۔ اسٹول رکھ کر وہ کتاب اٹھائی۔ نیچے اتر کر ورق گردانی کی، وہی ہال کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر دیکھنے لگی کوئی 2000ء کا شعاع تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان رسالوں میں کیا ہوتا ہے۔ ساری تصویریں دیکھیں پھر ایک ناول تھا "کردار" وہ پڑھنا شروع کیا۔ اس میں گم ہوگئی، اچانک میری کزن نے کہا۔

"یہ رسالے ایسے نہیں پڑھتے۔"

میں حیران۔ "تو پھر کیسے پڑھتے ہیں۔"

"گھر میں جا کر پڑھو، ابو ڈانٹیں گے۔"

میں ڈر گئی۔ "اچھا۔ میں گھر لے جاؤں۔" میں گھر لے آئی۔ "کردار" ناول کی پوری کہانی اور ہیرو ہیروئن اور ان کے نام مجھے ابھی تک یاد ہیں۔ تب ہی میں نے "قراقرم کا تاج محل" کی پہلی قسط پڑھی، آئندہ ماہ دیکھ کر روئی۔ نمرہ احمد کا نام پہلی بار جانا، اسے ختم کیا تو کلاس فیلو بھی ناولوں کی باتیں کرتی تھیں۔ ایسے جیسے کسی ڈرامے کا ذکر کر رہی ہوں۔ پھر ایک دن اس نے مجھے ڈائجسٹ دیا۔

پھر تو میں اپنے شعاع کی دیوانی ہی ہوگئی۔ ایک ایک لڑکی سے پوچھتی، گھر میں کوئی پرانے رسالے ہیں تو مجھے دینا، جہاں سے بھی جتنا پرانا رسالہ ملتا میں اسے لیتی۔ جیسے کوئی ہیرا مل گیا ہو۔ میٹرک کے بعد 2016ء سے میں نے باقاعدہ شعاع پڑھنا شروع کیا تو یوں ملے شعاع اور میں۔

س: دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟ آپ کے

Waqar Azeem www.pakistanipoint.com

معمولات؟

ج: دن کا آغاز ساڑھے چار بجے ہوتا ہے۔ صبح کی نماز ادا کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں۔ اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ، صفائی وغیرہ کر کے اسکول کے لیے تیار ہوتی ہوں۔ ساڑھے چھ بجے وین آجاتی ہے، وہاں بچوں کے ساتھ سر کھپا کے بارہ بجے گھر آتی ہوں۔ چینج کر کے تھوڑا آرام کرتی ہوں، تھوڑے کام ہوتے ہیں وہ کرتی ہوں۔ اتنے میں بھابھیاں دوپہر کا کھانا بنا لیتی ہیں، ایک بجے لنچ کر کے ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں۔ تقریباً شام چار بجے اُٹھتی ہوں۔ تب ہی شعاع پڑھتی ہوں جب تک عصر ہو جاتی ہے۔ عصر پڑھ کے جہاں سب بیٹھے ہوں، وہاں بیٹھ جاتی ہوں پھر ادھر اُدھر کی ہانکی جاتی ہے۔ میری چار بہنیں، چار بھانجیاں، پانچ چھ بھابھیاں بھتیجی اور چھوٹی بہن۔ کزن، چاچی، امی...... ماشاء اللہ عورتوں کے ہجوم میں پھر چغلیاں، غیبتیں، ادائیں، قہقہے اور مسکراہٹیں چکراتی ہیں۔

اسی اثناء میں کوئی آٹا گوندھ لیتا ہے، کوئی سالن پکا لیتا ہے۔ کوئی تندور میں لکڑیاں ڈال دیتا ہے۔ سو رات کا کھانا مغرب سے پہلے بن جاتا ہے۔

مغرب پڑھ کے جلدی میں ڈنر کیا جاتا ہے، ادھر ڈراما جو دیکھنا ہوتا ہے۔ دس بجے تک ٹی وی دیکھتی ہوں پھر عشاء کی نماز پڑھ کے دعا مانگ کے، امی ابو اور اپنے بستر باہر صحن میں لگا کے، خود اپنے گرم ترین کمرے میں بیٹھ کر کچھ گرم، کچھ ٹھنڈا اور کچھ نرم سا لکھتی ہوں۔ کبھی ڈائری لکھ لی، کبھی کوئی ادھورا ناول لکھنا شروع کر دیا اور کبھی اچانک یاد آنے والا افسانہ گیارہ بارہ ہو ہی جاتے ہیں۔ تب ہی میں باہر آ کر سو جاتی ہوں تو یہ ہیں میرے روزمرہ کے معمولات۔

س: آپ کی خوبیاں، خامیاں؟

ج: خامیاں اور خوبیاں آہا۔ میری کئی خامیاں ہیں اور میری خامیوں کی نشان دہی میرا شعاع کرتا ہے۔ شعاع کی رائٹر اور ان کے افسانے اور خاص طور پر ایمل رضا کا ''کال بیساکھی'' اور ''شکر'' ان دو افسانوں نے مجھے اندر تک اپنا آپ دکھایا۔

خیر میں غصہ جب کرتی ہوں تو ہائپر ہو جاتی ہوں۔ اپنی امی کی خدمت زیادہ نہیں کرتی۔ زیادہ دعائیں نہیں مانگ پاتی۔ بری بات برداشت نہیں کر پاتی۔

شعاع میرا ایسا دوست ہے جس نے ہمیشہ مجھے اپنی خامیوں سے روشناس کروایا اور تعریفیں تو دشمن بھی کر ہی لیتے ہیں۔ میرے خیال میں انسان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے لیے سیدھے راستے کی ہدایت کی اور اللہ کی رضا کی دعا مانگے اور یہ خوبی مجھ میں ہے۔ باقی خوبیوں کا مجھے علم نہیں کہ میری خوبیاں مجھے ہی لفٹ نہیں کرواتیں، خیر میری دعا ہے کہ نمل کی جنین (بعد والی) کی ساری خوبیاں مجھ میں سما جائیں۔

س: پسندیدہ کتاب؟

ج: میں نے ایک کتاب پڑھی ہے ''جہاد ہند کا شہباز جرنیل'' یہ کتاب ایک زبردست ناول، اعلا حقائق پر مبنی ایک عظیم کشمیری مجاہد کی سچی کہانی ہے۔ میں چاہتی ہوں میری ہر بہن یہ کتاب پڑھے، میں یقین سے کہتی ہوں کتاب کا آخری صفحہ ہوگا اور آپ کا گیلا چہرہ اور پھر آپ مجھے یاد کریں گی۔

اس کتاب کے بعد ناولوں کی بڑی سی لسٹ میری پسندیدہ کتابوں میں شامل ہے۔

س: بارش کیسی لگتی ہے؟

ج: ساون کا مزا اف...... میں کیا بتاؤں، پوری حویلی میں پھرتی ہوں۔ ہم سب اور باہر کھیتوں میں بھی، دلی خوشی ہوتی ہے۔ دلوں کی اداسی ڈھل جاتی ہے، جیسے درختوں کے پتے پھر سب کچھ صاف صاف ہو جاتا ہے۔ درخت، پودے، ہماری گھاس اور سبزی بھی ایسا (بارش کے بعد) صاف وشفاف منظر دیکھ کر آنکھوں میں خوشی سی اتر جاتی ہے لیکن...... تب مزا نہیں آتا جب تندور پر چارپائی کی چھت بنا کے روٹی پکانی پڑے۔ جب جانوروں کو چھپر تلے باندھنے کے لیے گوبر کے کیچڑ میں گھسنا پڑے اور چلتے ہوئے جوتے من بھر کے ہو جائیں۔

WaqarAzeem www.pakistanipoint.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

ٹماٹر خشخاش مرغ کڑاہی

اشیاء:

چکن	آدھا کلو
خشخاش	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد
دہی	آدھا کپ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پسا زیرہ	چوتھائی چائے کا چمچہ
پسی لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
ٹماٹر پیوری	آدھا کپ
ہرا دھنیا	آدھا کپ
ہری مرچیں	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:

کڑاہی میں تیل گرم کرکے پیاز کو ہلکا سنہرا کرلیں۔ چکن اور پسا لہسن ادرک ڈال کر دو منٹ تک بھونیں کریں۔

دہی، پسے ٹماٹر، پسی خشخاش پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ہلدی اور پسا زیرہ ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں اور چکن گلا کر بھون لیں، تیل اوپر آجائے تو آخر میں گرم مسالا ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر چولہا بند کردیں۔ ڈش میں نکال کر چپاتی/نان کے ساتھ سرو کریں۔

قیمہ بھرے کریلے

اشیاء:

کریلے	آدھا کلو
قیمہ	آدھا کلو (مشین سے دوبار نکلا ہوا)
گھی	تین کھانے کے چمچے
پیاز	دو عدد
سرخ مرچ	دو چائے کے چمچے
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

ایک پتیلی لیں اور اس میں تمام اشیاء گھی، قیمہ، پیاز، نمک، پسی لال مرچ ڈال دیں اور اس وقت تک پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے۔ پھر پکے ہوئے قیمہ میں کٹا ہوا ہرا دھنیا اور ہری مرچ شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں۔

ترکیب: (برائے کریلا)

سب سے پہلے کریلوں کو چھیل لیں۔ پھر ان پر اچھی طرح سے نمک مل کر انہیں ایک یا دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ انہیں دھوئیں نہیں۔ پھر کریلے میں تیار شدہ قیمہ بھر کر اسے دھاگے سے مضبوطی سے باندھ دیں۔ پھر کریلوں کو گھی میں تل لیں۔

اب اسی گھی میں ایک چھوٹی پیاز کاٹ کر فرائی کرلیں۔ اس میں ادرک، لہسن دو چائے کے چمچے، ہلدی چوتھائی چائے کا چمچہ، پسا ہوا دھنیا ایک چائے کا چمچہ، سرخ مرچ پسی ہوئی دو چائے کے چمچے، نمک آدھا چائے کا چمچہ اور ٹماٹر دو عدد ڈال کر تھوڑے سے پانی میں اچھی طرح بھون لیں۔

جب مسالا تیار ہوجائے تو اس میں کریلے ڈال دیں اور بچا ہوا قیمہ بھی، پھر آدھا کپ املی کا جوس ملا کر دم پر رکھ دیں۔

ہاٹ پیزا

اشیاء، پیزا سوس کے لیے:

ٹماٹو کیچپ	چار کھانے کے چمچے

www.paksociety.com
www.pakistanipoint.com

تیل	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	چار کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

تیل گرم کریں اس میں ٹماٹو کیچپ، لال مرچ، سویا ساس اور چینی ڈال کر چار سے پانچ منٹ پکائیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔

پیزا کے ڈو کے لیے:

میدہ	دو کپ
خمیر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
تیل	ڈھائی کھانے کے چمچے
نمک	حسب ضرورت
چینی	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

میدے میں نمک، چینی، تیل اور خمیر ڈالیں پھر تھوڑا پانی ملا کر گوندھیں اور پینتالیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔

فلنگ کے لیے

مرغی	ایک پاؤ
پنیر	ایک کپ
انڈے	تین عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
ٹماٹر	ایک عدد
پسی کالی مرچ	آدھا کھانے کا چمچا
نمک	حسب ذائقہ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

مرغی کے چوکور ٹکڑوں پر نمک کالی مرچ اور سویا ساس لگا کر تل لیں۔ میدے کے آٹے کی روٹی بیل لیں۔ بیکنگ ٹرے میں تیل لگا کر روٹی بچھا دیں اس پر پیزا سوس لگائیں۔ اس کے بعد مرغی کے ٹکڑے پھیلائیں۔ اس کے بعد انڈوں کے ٹکڑے پھیلا دیں، پنیر کدوکش کیا ہوا ڈالیں، پھر شملہ مرچ اور ٹماٹر لگائیں۔ پہلے سے گرم شدہ اوون میں 200oC پر 15-10 منٹ تک بیک کریں۔ جب تیار ہو جائے تو اوون سے نکال لیں۔ چلی ساس کے ساتھ پیش کریں۔ اوون نہ ہو تو توے یا پتیلی میں بھی بیک کر سکتی ہیں۔

منفرد رول

اشیاء:

ڈبل روٹی کے سلائس	چھ عدد (کنارے کاٹ کر علیحدہ کر لیں)
ثابت مونگ	100 گرام
کالے چنے	100 گرام
ثابت مسور	100 گرام
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
نمک اور مرچ	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	چند پتے
پنیر	آدھا کپ

مونگ، ثابت مسور اور چنے ابال لیں۔ اس میں ٹماٹر، پیاز، نمک اور مرچ شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس پانی میں بھگو لیں۔ فالتو پانی نچوڑ لیں، اس میں تیار کردہ مکسچر بھر کر اس کے چاروں کنارے موڑ لیں۔ کڑاہی تیل گرم کریں اور انہیں تیل میں تل لیں حتیٰ کہ گولڈن ہو جائیں۔

انہیں ایک بیکنگ ٹرے میں رکھ کر ان پر پنیر چھڑک دیں اور گرم اوون میں پنیر کے پگھلنے تک بیک کریں۔ یا توے پر اسٹیل کی پلیٹ رکھ کر کسی ڈھکن سے ڈھک دیں پنیر پگھل جائے تو اتار لیں۔

www.pakistanipoint.com

ادارہ

خوبصورت بنئے

صبح کا میک اپ

میک اپ کرنے سے پہلے ابتدائی اقدامات کے طور پر سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ آپ کا چہرہ بالکل صاف ستھرا ہو۔

میک اپ کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اس میں سب سے پہلے کلینزنگ، موئسچرائزنگ وغیرہ شامل ہیں۔

ان مراحل سے گزرنے کے بعد اب آپ میک اپ کے لیے تیار ہیں۔ صبح کا میک اپ تین طرح سے کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ دو منٹ کا میک اپ۔
۲۔ پانچ منٹ کا میک اپ۔
۳۔ دس منٹ کا میک اپ۔

اب یہ آپ کی مصروفیات اور دن بھر کے پروگرام پر منحصر ہے کہ آپ کون سا میک اپ کرنا پسند کرتی ہیں۔

کنسیلر

چہرے کے داغ دھبے اور آنکھوں کے نیچے پڑ جانے والے حلقوں کو چھپانے کے لیے کنسیلر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ آپ کے استعمال کردہ فاؤنڈیشن سے ہلکے رنگ کا ہوتا ہے اور فاؤنڈیشن سے پہلے متاثرہ حصوں پر لگایا جاتا ہے۔

دو منٹ کا میک اپ

آئیے دیکھیں کہ دو منٹ میں میک اپ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اگر آپ کی آنکھوں کے نیچے حلقے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ ان حلقوں پر ہلکا سا کنسیلر لگالیں۔ اگر کنسیلر موجود نہیں ہے تو آپ جو فاؤنڈیشن لگاتی ہیں، اس کا ہلکا شیڈ لگائیں اور اس کو اچھی طرح جلد میں جذب کرلیں۔

۲۔ اب اپنی آنکھوں کے حلقوں کے نیچے، ناک کی ہڈی اور نتھنوں سے ہونٹ کے کناروں تک فاؤنڈیشن کے چھوٹے چھوٹے نقطے لگالیجیے اور پھر ان کو آہستہ آہستہ مل کر جلد میں جذب کرلیجیے۔

۳۔ اب بلش آن لیجیے اور دونوں رخساروں کی ہڈیوں کے نیچے لگائیے۔

۴۔ اب پلکوں کو خمیدہ کرنے کے آلے سے پلکوں کو خمیدہ کیجیے اور پھر مسکارا لگائیے۔

۵۔ آخر میں لپ اسٹک یا لپ گلوز لگائیے۔

۶۔ اگر آپ کے پاس وقت ہے تو پلکوں پر ایک بار مسکارا اور لگائیے۔ اس سے پلکیں مزید گھنی ہو جائیں گی۔

پانچ منٹ کا میک اپ

یہ تو ہوئی دو منٹ کی تیاری۔ آئیے اب دیکھیں کہ پانچ منٹ کے میک اپ میں کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔

۱۔ آنکھوں کے حلقوں کے نیچے کنسیلر لگائیے۔

۲۔ اسپنج کی مدد سے رخسار، ماتھے، ناک، ٹھوڑی، گردن اور آنکھوں کے گرد فاؤنڈیشن لگائیے۔

۳۔ بلش آن لے کر اسے رخساروں کی ہڈیوں کے نیچے لگائیے۔

۴۔ اب پپوٹوں پر آئی شیڈو لگائیں۔

۵۔ سیاہ پنسل لے کر اس کی نوک مسکارے میں بھگوئیں اور اوپر پپوٹے پر ہلکی سی لائن لگائیں۔ اس سے آپ کی آنکھیں کھلی کھلی روشن نظر آئیں گی اور پورا دن مسکارا لگا رہے گا۔ اب مسکارے میں پنسل کو نہ ڈبوئیے اور آنکھوں کے باہر کے حصے میں لگی ہوئی سیاہ لائن کو کسی کپڑے سے آہستہ سے اس طرح مٹائیں کہ سیاہی باقی رہے لیکن لائن نظر نہ آئے۔

۶۔ اب پلکوں کو خمیدہ کر کے مسکارا لگائیے۔

۷۔ برش سے پاؤڈر تمام چہرے پر لگائیے تاکہ آپ کا میک اپ دیرپا ثابت ہو۔

ہونٹ

ہونٹ چہرے کا اہم جزو ہیں۔ سردیوں کے موسم میں خاص طور پر ہونٹوں کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ یہ چہرے کا حساس عضو ہونے کی وجہ سے بہت جلد مضر اثرات قبول کرتا ہے۔

۱۔ ہونٹوں کو نرم، ملائم اور پھٹنے سے بچانے کے لیے روزانہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد پیٹرولیم جیلی یا وٹامن ای کی اسٹک لگائیں۔

۲۔ روزانہ رات کو سونے سے پہلے دودھ کی بالائی ہونٹوں پر لگائیں۔ صبح آپ کو اپنے ہونٹ نرم ملائم محسوس ہوں گے۔

☆☆

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com